

www.Ahlehaq.com

ایراۃ القلوب

مولانا محمد منظور نعمانی

مقدمہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حاجی عارفین اکیڈمی کراچی

☆ ناظرینِ کرام سے مصنف کی درخواست

کتاب کے مطالعہ سے جیسا کہ آپ محسوس فرمائیں گے اس عاجز نے یہ کتاب کج سنی کے ضعف اور مختلف امراض میں مبتلا ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و توفیق سے اپنے دینی بھائیوں کو ذریعہ ضلال اور عقیدہ کے فساد سے پہچاننے کے لئے دینی فریضہ سمجھ کر بھی ہے اب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے یہ تیار ہو کر آپ تک پہنچی ہے آپ سے درخواست ہے کہ اللہ کے دین کی خدمت کی نیت سے اپنے دوسرے بھائیوں تک اس کو پہنچانے اور اس کا مطالعہ کرانے کی جو کوشش آپ کر سکیں اس میں دریغ اور کمی نہ فرمائیں اور اس سلسلہ میں اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کے لشکر کا سپاہی سمجھیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے اور آپ کے اور اس عاجز کے اس عمل کو قبول فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ ۲۱ صفر ۱۴۰۵ھ - ۱۶ نومبر ۱۹۸۴ء

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب _____ ایرانی انقلاب
ایڈیشن _____ دسمبر ۱۹۸۷ء
صفحات _____ ۲۹۶
کتابت _____ دلشاد لکھنوی
قیمت _____ ستائیس روپے

فہرست عنوانات و مضامین

۳۶	۱۔ ائمہ کا مقام انبیاء اور ملائکہ سے بالاتر	مقدمہ
۳۷	۲۔ ائمہ سہو و غفلت سے محفوظ اور منبرہ	(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
۳۷	۳۔ ائمہ کی تعلیم و آفرینی احکام کی طرح واجب الاتباع	پیش لفظ (از مصنف)
۳۸	۴۔ صحابہ کرام خاص کر خلفائے ثلاثہ کے	۱۹۔ پروپیگنڈے کی طاقت و تاثیر
۳۸	۵۔ بارہم خمینی صاحب عقیدہ اور رویہ	۱۹۔ ایرانی انقلاب کی خالص اسلامیت اور
	۶۔ خلفائے ثلاثہ اور تمام اکابر صحابہ اللہ و رسول	خمینی صفا کے تقدس و عظمت کا پروپیگنڈہ
۴۰	۷۔ کے غدار اور منافق	۲۰۔ مسلمانوں پر اس کے اثرات
۴۷	۸۔ اس عقیدہ کے خطرناک نتائج	۲۱۔ شیعہ مذہب کے علماء اہل سنت کی بھی ناواقفی
۵۰	۹۔ خمینی صفا کی کتاب کشف الاسرار	۲۱۔ اس ناواقفیت کی وجہ مذہب شیعہ کی
	۱۰۔ اس کتاب میں بد زبان تبرائی شیعوں کی طرح	خاص تعلیم کتمان اور تفسیر
	۱۱۔ خلفائے ثلاثہ اور تمام اکابر صحابہ کی شان میں	۲۷۔ ایرانی انقلاب کی واقعی نوعیت
۵۲	۱۲۔ جگر خراش گستاخیاں	۲۷۔ شیعیت کا اساسی عقیدہ امامت اسکی بنیاد
	۱۳۔ (مواد اللہ) ابوبکر و عمر و انکی پوری پارٹی نے ضر	۲۸۔ عقیدہ امامت کا اجمالی بیان
	۱۴۔ حکومت کی طرح میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا تھا	۲۹۔ امام غائب کی غیبت کبریٰ کا عقیدہ
	۱۵۔ وہ اس مقصد کے لیے کھلے اسلام دشمن بن کر بھی میدان	۳۰۔ خمینی صفا کی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ کی
	۱۶۔ میں آسکتے تھے وہ اپنے اس مقصد کے لیے ہر ناکردنی	روشنی میں اس انقلاب کی بنیاد اور نوعیت
	۱۷۔ کر سکتے تھے، قرآن میں تحریر بھی کر سکتے تھے بھڑی	۳۳۔ قائد انقلاب کے عقائد و نظریات کے اثرات
۶۰	۱۸۔ حدیث گھر کے سنا سکتے تھے۔	خمینی صفا اپنی تصانیف کے آئینہ میں
	۱۹۔ ابوبکر و عمر نے قرآن کے صریح احکام کے خلاف کام اور	اپنے ائمہ کے بارے میں خمینی صاحب کے مقتدات
۶۱	۲۰۔ فیصلے کیے اور عام صحابہ نے ان کا ساتھ دیا	۳۵۔ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ائمہ کی حکومت

خمینی حجت فقہی مسائل کی روشنی میں

- جن باتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے وہ اگر نماز
میں تقیہ کے طور پر کی جائیں تو نماز باطل نہیں ہوتی ۸۶
• توحید رسالت کی شہادت کے ساتھ بارہ اماموں کی
امامت کی شہادت دینا بھی جزو ایمان ۸۷

متعہ

- پیشہ ور زنان بازاری سے بھی متعہ جائز ۸۹
• متعہ صرف گھنٹہ دو گھنٹے کے لیے بھی ہو سکتا ہے ۸۹
• شیعیت کیا ہے؟

- شیعیت اور مسیحیت کی مماثلت ۹۲
• شیعیت اور خارجیت کے بارے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی ۹۳
• حضرت مسیحؑ اور موجودہ مسیحیت ۹۶
• حضرت مسیح کے لئے ہوئے دین حق کو پولس
نے کس طرح بگاڑا؟ ۱۰۱

- اسلام میں شیعیت کا آغاز
• شیعیت کا موجب بانی عبد اللہ بن بابا اسلام کی
تحریف اور تخریب کا ہی کیلئے اسکی خفیہ تحریک ۱۰۵
• شیعوں میں مختلف فرقے
• اثنا عشریہ اور اسکی اساتذہ بنیاد مسئلہ امامت ۱۱۳
• مسئلہ امامت کے متعلق کتب شیعہ کی روایات
اور ائمہ معصومین کے ارشادات ۱۱۹

- عمر اندر سے کافر و زندق تھا (عاز اللہ) ۶۵
• ابو بکر و عمر اور انکی پارٹی نے زندگی بھر رسول خدا
کو سنایا اور آپ کے بعد آپکی جگہ کوثر فاطمہ زہرا پر مظالم ۶۷
• عمر نے رسول پاکؐ کے گھر میں آگ لگائی ۶۷
• اولین و آخرین اہلسنت کا فرائز کردار ۶۸
• عثمان، معاویہ اور یزید ایک ہی جڑ کے ظالم اور
مجرم ہیں۔ ۶۹

- حضرت علیؑ اور ان کے چار ساتھیوں نے ہجرت شد سے مجبور
ہو کر تقیہ کے طور پر خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی تھی ۷۰
• شیعی روایات کے مطابق حضرت علیؑ اور ان کے
ساتھی انتہائی بزدل اور پست کردار ۷۱
• اہل سنت کے نزدیک یہ روایات شیعوں کی افرا
پردازی، حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کسی باطل

- طاقت کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے ۷۲
• خمینی صاحب کے فرمودات ایک نظر میں ۷۵
• ان فرمودات کے لوازم و نتائج ۷۸
• قرآنی آیات اور متواتر احادیث کی تکذیب ۷۸
• رسول پاکؐ پرنا اہلیت کا الزام ۸۱
• قرآن مجید قابل اعتبار اس پر ایمان ناممکن ۸۲
• اس سلسلہ کی سنگین ترین تاخینی صاحب کے
ان فرمودات نے رسول خداؐ کی صداقت کو مشتبہ ۸۳
اور مشکوک بنا دیا۔

- ۱۱۹ • مخلوق پر اللہ کی حجت امام کے بغیر قائم نہیں ہوتی
- ۱۱۹ • امام کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی
- ۱۲۰ • اماموں کو ماننا اور پہچاننا شرط ایمان ہے
- اماموں اور ائمہ پر ایمان لانے کا اور اسکی تبلیغ کا
- ۱۲۱ • حکمت معجزوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ آیا ہے
- ۱۲۳ • ائمہ کی اطاعت رسولوں کی طرح فرض ہے
- ائمہ کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں
- ۱۲۶ • ائمہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں
- ائمہ کے قیام حمل اور سیدائش کے بار میں
- ۱۲۷ • امام جعفر صادق کا عجیب و غریب بیان
- عام انسانی فطرت کے خلاف اماموں کی دس خصوصیات
- اماموں کا حمل ماؤں کے رحم میں نہیں بلکہ پہلو میں قائم ہوتا ہے۔
- ۱۲۹ • امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے
- ائمہ معصومین کو ماننے والے (شیعہ) اگر ظالم اور فاسق
- و فاجر بھی ہیں تو جنتی ہیں اور ان کے علاوہ مسلمان
- اگر متقی پر سیرگاہ بھی ہیں تو دوزخی ہیں
- ائمہ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر
- اور دوسرے تمام انبیاء سے برتر اور بالاتر
- امیر المؤمنین کا ارشاد کہ تمام فرشتوں اور تمام پیروں نے
- مجھے ہی طرح انور کیا جس طرح محمدؐ کے لیے کیا تھا اور
- میں ہی لوگوں کو جنت اور دوزخ میں بھیجے والا ہوں۔ ۱۳۴
- ۱۳۵ • ائمہ کو ممالک و ممالک کون کا علم تھا
- انبیاء سابقین پر نازل ہونے والی تمام کتابیں تور
- انجیل وغیرہ ائمہ کے پاس ہوتی ہیں اور وہ ان کو
- ان کی اہل زبانوں میں پڑھتے ہیں۔ ۱۳۷
- ائمہ کے لیے قرآن و حدیث کے علاوہ علم کے دوسرے
- عجیب و غریب ذرائع
- ۱۳۸ • ایک ضروری انتباہ
- مصحف فاطمہ کیا ہے
- ائمہ پر بھی بندوں کے دن رات کے اعمال
- پیش ہوتے ہیں۔ ۱۴۲
- ائمہ کے پاس فرشتوں کی آمد و رفت
- ہر شب جمعہ میں ائمہ کو معراج ہوتی ہے وہ عرش
- تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بیشمار
- نئے علوم عطا ہوتے ہیں
- ۱۴۳ • ائمہ کو وہ سب علوم حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ
- کی طرف فرشتوں اور نبیوں رسول کو عطا
- ہوتے ہیں، اور اسکے علاوہ بہت ایسے علوم بھی جو
- نبیوں اور فرشتوں کو بھی عطا نہیں ہوئے۔ ۱۴۵
- ائمہ ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی
- طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو
- فرشتے اور الودوح لے کر آتے ہیں۔ ۱۴۶

- ۱۴۸ • ائمہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور انکی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے
- ۱۴۹ • ائمہ کے پاس انبیاء سابقین کے معجزات بھی تھے۔
- ۱۵۰ • ائمہ دنیا اور آخرت کے مالک ہیں جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں۔
- ۱۵۱ • امامت نبوت اور الوہیت کا مرکب قرآن مجید میں امامت اور ائمہ کا بیان
- ۱۵۲ • اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر جو امامت پیش کی تھی اور جس کا بار اٹھانے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا، وہ امامت کا مسئلہ تھا۔
- ۱۵۳ • قرآن میں بخت بن پاک اور امام ائمہ کے نام تھے، وہ نکال دیے گئے اور تحریف کی گئی۔
- ۱۵۴ • قرآن میں اسی طرح کی ایک اور تحریف
- ۱۵۵ • حضرت خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام قرآن کی رو سے قطعی کافر و مرتد۔
- ۱۵۶ • قرآن کی ایک آیت میں ایمان سے مراد امیر المؤمنین علی، کفر سے مراد ابوبکر فسق سے مراد عمر اور عھدیان سے مراد عثمان۔ (نور باللہ)
- ۱۵۷ • جس طرح نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہوئے ہیں اسی طرح امیر المؤمنین (ع) سے لے کر بارہ امام قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں
- ۱۵۸ • ہر امام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک منبر ہر لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، وہ ہر امام کو منبر ہی ملتا رہا۔
- ۱۵۹ • اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ اماموں کی نامزدگی اور آسمان نازل ہونے والی ایک عجیب و غریب تختی کا قصہ
- ۱۶۰ • حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانہ میں ایک دن ان کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کرادی۔ جھوٹے ان فرمایا
- ۱۶۱ • اثنا عشری عقیدہ میں امام آخر الزماں ایک طلسماتی داستان
- ۱۶۲ • بارہویں امام غائب کی پیدائش و غیبت کا عجیب قصہ، اہل خاندان کو ان کی پیدائش ہی سے انکار۔
- ۱۶۳ • امام غائب کی والدہ محترمہ کی حیرت انگیز کہانی، عشق و محبت کی بے مثال داستان
- ۱۶۴ • امام آخر الزماں کی غیبت صغریٰ اور کبریٰ
- ۱۶۵ • امام غائب کا ظہور کب ہوگا؟
- ۱۶۶ • بنیوں کی طرح ائمہ کی نامزدگی

امام غائب کے بارے میں چند
قابل مطالعہ روایتیں

- ۱۷۹۔ رسول خدا امام مہدی سے بیعت کریں گے
۱۷۹۔ وہ حضرت عائشہ کو زندہ کر کے سزا دیں گے
۱۸۰۔ وہ کافروں سے پہلے سینوں کو قتل کریں گے
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت علی
کے عام اعلان کا رسول خدا کو حکم
اور صحابہ کے مخالفانہ رد عمل کے خطرہ سے بچنا
تردد و توقف پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید
اور عذاب کی دھمکی اس کے بعد غریب پر
آپ کا اعلان اور ابوبکر و عمر وغیرہ کا
کافرانہ کردار۔

- ۱۸۱۔ ضروری انتباہ
۱۸۷۔ اثنا عشریہ کے چند اور عقائد مکمل
۱۹۰۔ تمام صحابہ کرام خاص کر
خلفائے ثلاثہ کافر و مرتد
اللہ و رسول کے غدار، جہنمی اور لعنتی
۱۹۱۔ شیخین کے بارے میں خرافاتی روایات
۱۹۲۔ ابوبکر کی بیعت سے پہلے ابلیس کی نفی
۱۹۵۔

فاروق اعظم کی شان میں

۱۹۷

• ایک انتہائی خرافاتی ریت کہ رسول خدا کو
وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ غفلان تازیخ کو ہلاک

- ہوگا تو آپ نے اس دن عید منائی اور ہمیشہ
کے لیے اس تازیخ کو جب بڑی عید قرار دیا
۱۹۸۔ اسی روایت کے متعلق کچھ اشارات
۲۰۴۔ ان خرافات کے افزائے محض ہونے کی روشن ترین
دلیل عقد ام کلثوم

- ۲۰۷۔ عقد ام کلثوم اور شیعوں کے مصنفین
خون کھولانے والی ایک روایت
۲۱۳۔ امام مہدی شیخین کو قبروں سے نکلوا کے زندہ
کر کے ہزاروں بار سولی پہ چڑھائیں گے۔
۲۱۴۔ ازواج مطہرات کی شان میں
۲۲۰۔ معاذ اللہ عائشہ اور حفصہ منافقہ تھیں انھوں نے
حضور کو زہر دے کر شہید کیا۔

- ۲۲۱۔ تین کے سوا تمام صحابہ مرتد
۲۲۲۔ کتمان اور رقیہ
۲۲۳۔ کتمان اور رقیہ کی تصنیف کس ضرورت سے؟
۲۲۴۔ کتمان اور رقیہ کے بارے میں ائمہ کے
ارشادات اور عمل

- ۲۲۶۔ تقیہ صرف جائز نہیں بلکہ فرض و واجب
۲۳۱۔ بالکل بے ضرورت ائمہ کے تقیہ کی مثالیں
۲۳۱۔

- ۲۳۳ • دینی سائل (حلال فحرام) کے بیان میں فقہ
- ۲۳۴ • سیدنا حسینؑ پر ذلیل ترین نفعیہ کی تہمت
- نبوت ختم نہیں، ترقی کے ساتھ جاری
- ۲۳۱ عقیدہ رجعت
- ۲۳۳ قرآن مجید میں تحریف اور کمی بیشی
- ۲۳۵ • شیعوں میں عقیدہ امامت کا درجہ
- ۲۳۶ • ایک اہم سوال قرآن میں عقیدہ امامت کا ذکر کیوں نہیں؟ تحریف کا دعویٰ، اسی سوال کا جواب۔
- ۲۵۰ • تحریف کے بابے میں ائمہ کے ارشادات
- ۲۵۱ • قرآن کا قریباً دو تہائی حصہ غائب کر دیا گیا
- ۲۵۵ • اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کا ایک عجیب ارشاد
- ۲۵۶ • اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علیؑ نے مرتب فرمایا تھا اور امام غائب اس کو لے کر آئیں گے۔
- ۲۵۸ مسئلہ تحریف اور شیعوں کے علمائے متقدمین
- ۲۶۱ • علامہ نوریؒ کی کتاب "فصل الحفاظ"
- ۲۶۱ • قرآن میں توراتہ و انجیل ہی کی طرح تحریف ہو گئی
- ۲۶۳ • متقدمین علمائے شیعہ سب ہی تحریف کے قائل تھے سوائے چار کے۔
- ۲۶۴ • کتب شیعہ میں تحریف کی دو ہزار سے زیادہ مثالیں
- ۲۶۸ • روایات تحریف کے نو ائمہ کا دعویٰ کرنے والے
- ۲۶۰ اکابر علماء شیعہ
- ۲۶۴ • تحریف کی روایات سے متعلق تین اہم باتیں
- کیا کسی حصہ علم شیعہ کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش ہے؟
- ۲۶۴ • شیعہ دنیا میں علامہ نوریؒ کی طبعی مقام
- ۲۶۵ • ایک سورۃ جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے
- ۲۶۶ • بعض اور قابل ذکر عقائد و مسائل
- ۲۶۹ • بعینہ عیسائیوں والا کفارہ کا عقیدہ
- ۲۶۹ • کر بلا کا مرتبہ کعبۃ اللہ سے بزرگ و بالاتر
- ۲۸۰ • بعض انتہائی شرمناک مسائل
- ۲۸۱ • متعصوف جابر اور حلال ہی نہیں، نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات سے افضل
- ۲۸۳
- حرفِ آخر
- ایک نیاز مندانہ اور مخلصانہ عرضداشت
- ۲۸۹ • حضرات علماء کرام کی خدمت میں
- ۲۹۶



Www.Ahlehaq.Com

Www.Ahlehaq.Com/forum

مقدمہ

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَبُوَ الْاَصْحَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْزِلِ الْاَنْبِیِّیِّ بَعْدِکَ

اسلام کا اولین اور مثالی عہد کیسا تھا؟ خدا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کی تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیا نکلے؟ اور ان انسانوں کی سیرت و کردار کا کیا حال تھا جنہوں نے آغوش نبوت اور دامن رسالت میں تربیت پائی تھی؟ قومی، نسلی اور خاندانی سلطنتوں کے بانیوں اور حصول اقتدار کے خواہشمندوں سے اس کو کچھ امتیاز حاصل تھا یا نہیں؟ اس کا اپنے خاندان کے معاملہ میں طرز عمل اور خود اس خاندان کا اس کی مقدس اور عظیم شخصیت سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں رویہ کیا تھا؟ دین کی دعوت، صداقت و حقیقت کے اعلان اور عیت پر

عمل کرنے کے بارے میں اہل بیت کی سیر ذکر دار کیا نظر آتا ہے؟ اور پھر ان اولین مسلمانوں اور نبی کے تربیت یافتہ گروہ (جن میں اُس کے صحبت یافتہ لوگ بھی تھے جن کو صحابہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے گھر کے افراد بھی تھے جن کو اہل بیت کے لقب سے پکارا جاتا ہے) باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس مثالی عہد میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمام کار و اقتدار آئی (جن کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) عیش و راحت اور مرفہ الحال کے وسیع امکانات اور غیر محدود اختیارات کی موجودگی میں ان کا شخصی و خانگی زندگی میں طرز عمل اور اپنے وسیع حدود حکومت میں مخلوق خدا کے ساتھ معاملہ معتبر تاریخ کی روشنی میں کیسا ثابت ہوتا ہے؟ جس آسانی سے پھر اس پورے دین کی اساس بنے اس کی صحت و حفاظت کی حقیقت کیا ہے؟

ان سوالات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں ان سے دو متقابل و متضاد تصویریں بنتی ہیں ایک تصویر وہ ہے جو اہل سنت کے عقائد کی روشنی میں دُنیا کے سامنے آتی ہے، دوسری وہ جو فسطح امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد و بیانات اور ان کی دین کی تشریح اور تاریخ اسلام کی تعبیر اور اس کے خاص تصور سے تیار ہوتی ہے ان دونوں تصویروں میں کوئی مماثلت و اتفاق نہیں ہے۔

اب ہر وہ شخص جس کو اللہ نے عقل سلیم انصاف کا مادہ اور انسانی تاریخ سے واقفیت کا موقع عطا کیا ہے آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون سی تصویر ایک ایسے دین کے لئے موزوں و قابل قبول ہو سکتی ہے جو ساری دنیا کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ اس دین پر ہر زمانہ میں عمل ہو سکتا ہے اور اس سے بہترین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور جس کا عقیدہ و اعلان ہے کہ اس دین کے دنیا میں لانے والے پیغمبر کو اپنی کوششوں میں سب سے زیادہ کامیابی ہوئی اور اس کا عہد اس دین اور دعوت کی تاریخ میں ہر عہد سے زیادہ باسعادت و بابرکت تھا (اور عقل و نقل کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیئے) اس سے بہتر اس انسانیت کے لئے کوئی تصویر قابل فخر و مفید ہو سکتی ہے، جس کی تاریخ زیادہ تر نائے نوش و عیش و خوش ذاتی اور قومی اغراض کے لئے جنگ و جدال جھول اقتدار کے لئے جدوجہد اور پھر اقتدار سے فائدہ اٹھانے اور اپنے وابستگان کو فائدہ پہنچانے کی تاریخ ہے۔ اسلام کے اس دورِ اول میں افراد ہی نہیں ایک پورا انسانی معاشرہ

تمدن نظام حکومت اور طرز زندگی، اعلیٰ اقدار بے لچک اصولوں ہدایت عام اور فلاح انسانی کی بنیاد پر قائم ہوا، اور وہ خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبد العزیز کے اس قول کی تصدیق و تصویر تھی جو انھوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔ "إِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا بَاعَتْ هَادِيًا وَلَمْ يَبْتَ حَتَّى جَاءَهُ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، بجائی و تحصیل دار اور محصل خراج، بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے)۔

اس کے برخلاف فتنہ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں اولین مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اس کے پیش نظر ایک فہمین تعلیم یافتہ شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب لامی دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دورِ عروج میں کوئی دیر پا اور گہرا نقش مرتب نہ کر سکی اور جیسا دعوت پر ایمان لانے والے اپنی نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مراطِ مستقیم پر اپنے متبعین کو چھوڑا تھا اس میں گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے تو ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ اس دین و دعوت کے اندر نفوس انسانی کے تزکیہ اور تہذیب اخلاق کی صلاحیت، وہ انسان کو حیوانیت کی پستی نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے فرض کیجئے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیر مسلم ملک میں اسلام کی صداقت پر سحرانگیز تقریر کر رہا ہے ایک شخص جس نے مذہبِ ثناء عشری کی کتابیں پڑھی ہیں اس کو بر ملا لوگ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھئے اور اپنی خبر لیجئے آپ کے نبی کی تیسویں سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ صرف چار پانچ آدمی ہیں جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے راستہ پر گامزن رہے آپ کس منہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے ثبات و استقامت کی کیا ضمانت ہے؟ کیا اس کا جواب ممکن ہے؟

پچھلے برسوں میں جب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلاب کی دعوت دی اور "پہلوی" سلطنت کا تختہ الٹ کر بقول خود حکومتِ امامیہ قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی پوری توقع تھی (اور اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لئے شیعہ سنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے اور اگر اس کو سختی

سے جدا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو الٹیں گے نہیں اور اگر فرقہ امار کے ان عقائد سے کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے برأت کا اعلان نہیں کر سکتے تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہ کریں گے بلکہ ان جیسے جبری سرکھٹ دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنت پہلوی کا تختہ الٹ دیا جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقا و استحکام کیلئے وسیع انتظامات دنیا کو معلوم ہیں) امید تھی کہ وہ خلاق جرأت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دے گا کہ یہ عفت امد جو اسلام کی بنیاد پر ہمیشہ چلاتے ہیں اور اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راہستہ میں سنگسار کرتے ہیں اور جو قرن اول اور صحابہ کے عہد کی ایک دشمن اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے برائے کار آئے تھے، اب ان کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اب اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالک اسلامیہ کی اصلاح و مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لئے اب اٹھنی کو کھول جانا چاہیئے، اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہیئے جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دنیا کے سامنے آئے اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کی طرف مائل ہوں۔

لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برخلاف ان کے قلم کی خود وہ تحریریں اور رسائل اور کتا ہیں سامنے آئیں جن میں انھوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انھیں شیعہ عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب الحکومت الاسلامیہ (ولایۃ الفقیہ) میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جو ان کو مفتاح الہدیت تک پہنچنے میں اور ان کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ کائنات

لے اس لئے کو ان کا حاصل ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت میں جسکی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سزا پا حرم تبدیل شد ہے اور اہمیت راز وائے تغیر جو دینی فریضہ اور عزیمت ہے، حق کے چیلانے والے، اس قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے ہر خط و اندیشہ سے دور رہنے والے اور اپنے متبعین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے (ملاحظہ ہو فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتابیں مہول کالی فصل اول) اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات الحکومت الاسلامیہ و کشف الامر ایرانیہ زیر نظر کتاب ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت از مولانا محمد منظور صاحب معانی۔

تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے۔ اسی طرح ان کی فارسی کتاب "کشف الأسرار" میں صحابہ رسولؐ بالخصوص خلفائے ثلاثہؓ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں سب وستم کے وہ الفاظ آئے ہیں جو کسی بڑی سے بڑی ضلالت و فساد، فاسق و فاجر، زانیع و فانی، انتہائی بدکردار اور سازشی جماعت کے لئے آسکتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ ہدایات یا پرائیویٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خیمہ صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال اور صحابہ پر طعن و الزام) کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں تھی اور ان کی یہ کتابیں ہزاروں اکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران سے باہر پھیل چکی ہیں، اس بنا پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف امت کے بنیادی عقیدہ توحید میں رخ نہ اندازی، مشارکت فی النبوة (جو امامت کی تعریف اور امام کے اوصاف کا لفظی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانی میں (مستند تاریخ کی روشنی میں اور مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی متفقہ شہادت کے مطابق) دنیا کا معیار اور مثال اور حکومت اور نمونہ زندگی تھا طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سنی عقیدہ ہے (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت رکھتا ہے) ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی اور مثال رہنا و قائم نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ کچھ کہہ کر بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں میں جو فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں ان کو ایک امام منظر کی حیثیت دی گئی اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا جو اس عصبیت کی حد تک پہنچ گئی ہے جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی رادار نہیں ہوتی۔ اس تجربہ اور مشاہدہ سے دو باتوں کا اندازہ ہوا۔

۱۔ بہت سے حلقوں میں ملح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سنت، اسوہ سلف اور عقائد اور مسلک

کی صحت نہیں رہا بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام طاقت کا حصول کسی مغربی طاقت کو لکار دینا، اس کے لئے مشکلات پیدا کر دینا، اس کو محبوب و مثالی قائم بنانے کے لئے کافی ہے۔ عقیدہ کی اہمیت ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور یہ بڑی تشویش انگیز اور متاثر کن بات ہے، انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حد فاصل یہی عقیدہ ہے جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور اونے پونے سودا کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے یہاں رد و قبول پسندیدگی ناپسندیدگی کا معیار اور اصول و فصل کی شرط ہی عقیدہ ہوتا ہے۔ یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی صامی شکل میں اس وقت تک مجرب ہے اسی عقیدہ کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور حمیت غیرت کا رہن منہ ہے دین کے متاثرین و محافظین نے اس سلسلہ میں کسی باجبروت طاقت اور کسی وسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا، چہ جائیکہ مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور خستہ انتظام تفریق سے بچنے کی لاپس میں قبول کر لیتے یا ہمنوائی کرتے، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کا خلقِ قرآن کے عقیدہ میں نہ صرف مسلمانوں کے دو سب سے بڑے حکمرانوں بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرماں رواؤں خلیفہ مامون الرشید (فرزند خلیفہ مارون الرشید) اور معتصم بن ابیون رشید کے مقابلہ میں صفت آرا ہو جانا اور تازیانوں اور زببراں کی تکلیف برداشت کرنا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی (م ۱۰۳۲ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدہ ہزارہ دم و دم دعوئے امامت و جہاد اور وحدتِ ادیان کی مخالفت کرنا پھر چٹانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک مغلیہ حکومت کا رخ بدل نہیں گیا۔ اس کی دو مثالیں ہیں ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر کلمۂ حق عند سلطانِ جاث اور لاطاعۃ لخلق فی معصیۃ الخالق کی بیسیوں تائیدات مثالیں رکھتی ہے یہ سلطان جائز کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے، کبھی رائے عامہ کبھی شہرت عام کبھی دل فریب کیا بیاباں اور بلند بانگ

۱۔ اس کے دلائل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "دستورِ حیات" عنوان "دین اسلام کا مزاج اور ان کی نمایاں خصوصیات" ۲۔

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عیت ستر حصہ چہارم"

دعاویٰ اور تالیخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

حقیقت میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور صحیح عقیدہ وہ دریا ہے جو کبھی اپنا رخ نہیں بدلتا اور کبھی پایاب نہیں ہو سکتا، سیاسی طاقتیں وقتی انقلابات، حکومتیں، کا قیام و زوال اور دعوتیں اور تحریکیں

موجیں ہیں جو آتی اور گزر جاتی ہیں، دریا اگر صحیح رخ پر بہہ رہا ہے اور آب جاری ہے تو کوئی خطرہ نہیں لیکن اگر عقیدہ میں فساد آگیا تو گویا دریا نے اپنا رخ بدل دیا اور اس میں آبِ صافی کے بجائے

گندلا اور اٹھاپانی بہنے لگا، اسلئے فساد عقیدہ اور فتنہ و ضلال کے ساتھ کوئی دعوت و تحریک کسی ملک کا عروج و اقبال کسی قوم کی جلا و علاء کی اصلاح کیسی فساد و خرابی کو دور کرنے کا دعویٰ یا وعدہ قبول نہیں کیا جاتا یہ وہ حقیقت ہے جس میں امت کی بقا اور دین کی حفاظت کا لازمہ ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو اپنے اپنے دور کے علماء و میندین اور فاضلین و شریعت

و سنت کو اس دشوار اور بعض اوقات ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور کرتی رہی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی زنجیر محترم مولانا منظور صاحب نعمانی کی دینا اصلانہ اور محققانہ کتاب "ایرانی انقلاب" امام خمینی اور شیعیت ہے، مولانا کی زمانہ میں بڑے مناظر اور اسلام و مسک اہل سنت کے وسیلہ رہ چکے ہیں اور اس زمانہ کی ان کی متعدد تصنیفات ہیں لیکن حصہ سے

انھوں نے رد و تنقید کا یہ موضوع چھوڑ دیا تھا اور مثبت دعوتی و اصلاحی موضوعات پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی جس کا نمونہ خود رسالہ "الفتان"۔ اس کا مجدد الف ثانی، شہزادہ ولی اللہ، تبر اور ان کی کتابیں "اسلام کیا ہے؟"۔ "دین و شریعت"۔ "قرآن آپ کے کیا کہتا ہے"۔ اور "معارف الحدیث" کا عالمانہ اور مقبول سلسلہ ہے جن سے اس برصغیر میں اور ان کے انگریزی تراجم کے ذریعہ پوری دنیا

میں خاص کر امریکہ، یورپ اور افریقہ میں لاکھوں بندگانِ خدا کو اسلام کو سمجھنے اور دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی، باوجودیکہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالمکرم صاحب

فاؤتی سے ان کا خصوصی قرب و تعلق رہا، انھوں نے مستقل طور پر شیعیت پر کچھ نہیں لکھا تھا لیکن اس وقت جب کہ وہ عمر و صحت کی اس منزل میں پہنچ گئے ہیں جس میں ان کو زیادہ سے زیادہ آرام

کرنے کی ضرورت تھی اور اس تربیت و ذوق نے جو ان کو رائے پور کی خانقاہ سے ملا تھا، ان کو یادِ خدا، ذکر و تلاوت اور فکرِ آخرت میں مشغول کر دیا تھا، اچانک ان کے سامنے یہ بات آئی کہ آیت اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ

میں حاصل ہوئی اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض حمرلوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی ایرانی نوجوانوں کے جذبہ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد عرب مسلم ممالک کی دینی و خصلاتی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال نے برصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا اور جو ہر اُس حوصلہ مندی اور ہم جونی سے سحر و تہذیب جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے غمیٹی صاحب اس طرح مقبول ہوئے ہیں جیسے کسی زمانہ میں کمال آتارک اور عرب قوم پرستوں کے حلقہ میں جمال عبدالناصر تھے اور اب بھی بعض حلقوں میں بعض ایسے سربراہان مملکت مقبول و محبوب ہیں جو کھلے طریقہ پر سنسکرت حدیث کا مذاق اڑانے والے، مغربی تہذیب کے رائج کرنے والے اور کمپوننسٹ خیالات کے داعی ہیں بلکہ مذہبی رنگ و آہنگ کے شامل ہو جانے سے غمیٹی صاحب ان سے زیادہ مقبول ہو رہے ہیں اور یہ بات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے زاویہ نگاہ سے بحث کرے اور اس میخار سے اس کو چاٹنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لئے اس کا سننا بھی دشوار ہے اور کبھی کبھی ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و ابتذال کی حد تک پہنچ جاتی ہے، یہ وہ صورت حال ہے جو اس دین کے مستقبل اور روح اسلام کے نقطہ نظر سے سخت تشویشناک ہے اور حضرت علیؑ کے اس بلیغ فقرہ کی تشریح و تصدیق اتباع کمال ناعق (ہرزور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

اس مطالعہ نے اُن کے ضعیف اور بیماریوں سے زار نزار جسم میں ایک نئی حرکت و قوت اور سر و مطالعہ کی ایک نئی صلاحیت پیدا کر دی، انھوں نے اس محنت و انہماک کے ساتھ کام شروع کیا کہ بارہا اُن کی صحت خطرہ میں پڑ گئی اور اہل تعلق کو اس بارے میں شک و تشویش لاحق ہوئی، لیکن مولانا اپنی افتاد طبع اور زندگی بھر کے معمول کے مطابق اپنے کو اس سے باز نہیں رکھ سکے، انھوں نے شروع سے شیعیت کی تالیف کا مطالعہ کیا، جس کے اکثر مستند مآخذ (جو تنقیہ و اخفاء کی وجہ سے بہت سے اکابر اہل سنت کی نظر سے مخفی رہے اور بعد کے زمانہ میں اُن کی اشاعت ہوئی) اُن کے سامنے تھے، اُدھر تائید الہی سے ان کو

کچھ جدید مآخذ مل گئے جن میں علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب فی اثبات تحریف" کتاب رتب الاسرار" اور علامہ خمینی کی "كشف الاسرار" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

انہوں نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان کتب ابوں کا مطالعہ کیا، ان سے مواد جمع کیا، پھر شیعیت کا معروضی طریقہ پر مورخانہ، مسلمانانہ جائزہ لیا اور یہ کتاب تصنیف کی جس میں مذہب شیعہ کی ایک مستند تاریخ، اس کے عفت ائمہ و مسلمات کا آئینہ، ان عقائد کا علمی و عقلی تجزیہ ان کے نتائج کا استخراج، کتاب سنت اور مستند تاریخ سے انکا موازنہ عفت ائمہ اسلامی پر ان کے اثرات کی بحث آگئی۔ خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتب شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہو گیا جو کمتر کتابوں میں ہو گا، اسی کے ساتھ حضرات اثنا عشریہ کے اور بھی قابل مطالعہ خیالات پر بحث آگئی، جو عقیدہ امامت اور تحریف کے لازمی نتائج ہیں۔

اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی، جس کے مطالعہ سے ہر صاحب انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدہ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین اولین کے بارے میں اس خطرناک بے اعتمادی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو یہ عفت ائمہ ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے، اور غیبتوں میں پیدا کر سکتے ہیں۔

حقیقتاً یہ کتاب کسی مقدمہ یا پیش لفظ کی محتاج نہ تھی، مولانا نے مجھے اس سعادت میں شریک کرنا چاہا اور اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ خدا نے مجھے خود بھی ایک دوسرے انداز سے اس مسئلہ کا جائزہ لینے اور اس موضوع پر اپنے خیالات اور اپنے احساسات کے اظہار کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں ایک مستقل رسالہ "دین اسلام اور مسلمین اولین کی دو متضاد تصویریں" عقائد اہل سنت اور عفت ائمہ فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ تیار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ یہ کتاب چشم کُشا، بصیرت افزا و فرور، معلومات افزا ہو

اور اس سے دینی و ایمانی فائدہ حاصل ہو اور اس مقصد کا حصول جس کے لئے قرآن مجید میں یہ دُعا میں آئی ہیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ
إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا
مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ
أَنْتَ الْوَهَّابُ

اے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے باطن کی نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا

شفقت کرنے والا مہربان ہے؛

اَوْحَسَّنْ عَلٰی نَدْوٰی

۷ صفر النظر ۱۴۰۵ھ

۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء

پیش لفظ



الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا
محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ والتابعین لهم
بإحسان الی یوم الدین

ہمارے اس زمانے میں پروپیگنڈہ کیسی غیر معمولی اور کتنی موثر طاقت ہے اور کسی غلط
سے غلط بات کو حقیقت باور کرا دینے کی اس میں کس قدر صلاحیت ہے اس کی تازہ مثال
جو آنکھوں کے سامنے ہے وہ پروپیگنڈہ ہے جو موجودہ ایرانی حکومت کی طرف اپنے سفارتخانوں
اور ایجنٹوں کے ذریعہ امام روح اللہ خمینی کی شخصیت اور ان کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب
کی "خالص اسلامیت" اور اس سلسلہ میں اسلامی وحدت اور شیعہ سنی اتحاد کی دعوت
کے عنوان سے کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے کافر نسوں کا فرسین بلائی جا رہی ہیں
جن میں دنیا بھر کے ملکوں سے ایسے نمائندے بلائے جاتے ہیں جن سے متاثر ہونے اور
اپنے مقصد میں فائدہ اٹھانے کی توقع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں اور مختلف

عہ چونکہ ایرانی انقلاب کے قائد روح اللہ خمینی صاحب کے متقیدین ان کے لیے لازماً "امام" کا لفظ لکھتے
ہیں اس لیے ہم نے بھی ان کے احساس کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا مناسب سمجھا
ہماری رائے اور ہمارا نقطہ نظر ناظرین کو آخر صفحہ ۱۱ سے معلوم ہو جائے گا۔

زبانوں میں کتابوں، کتابچوں، پمفلٹوں اور رسائل و اخبارات کا ایک سیلا جاری ہے۔ کم از کم راقم سطو نے اپنی ستر سالہ شعوری زندگی میں نہیں دیکھا کہ کسی حکومت یا کسی سیاسی پارٹی کی طرف سے ایسے وسیع پیمانے پر ادرا یا سفارکارانہ اور موثر پروپیگنڈہ کیا گیا ہو۔ ہمارے اس دور کی حکومتیں زمانہ جنگ میں جس طرح اسلحہ اور دوسرے جنگی وسائل پر بے دریغ اور بے حساب دولت خرچ کرتی اور اس کے لیے حکومتی خزانے کا گویا منہ کھول دیتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ایرانی حکومت اسی طرح اس پروپیگنڈے پر ملک کی دولت پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ اسی مہینے مارچ (۱۳۵۷) کے شروع میں ضلع مراد آباد کے دیہات کے ایک صاحب کسی ضرورت سے لکھنؤ آئے، راقم سطو سے بھی ملے، انھوں نے بتلایا کہ ہمارے علاقے میں گاؤں گاؤں اس سلسلہ کا لٹریچر پہنچ رہا ہے۔

بارش کی طرح برسنے والے اس لٹریچر اور اس پروپیگنڈے سے کلمہ اسلام کی سر بلندی اور "اسلامی حکومت" کے قیام کی تمنا اور خواہش رکھنے والے ہر اس شخص کا متاثر ہونا فطری بات ہے جو شیعیت اور شیعیات کی تاریخ سے اور اس وقت کے ایران کے اندرونی حالات اور وہاں کی سنی آبادی کی حالت زار سے، امام روح اللہ خمینی کی شخصیت اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی اس فکری و مذہبی بنیاد سے واقف نہ ہو جو خود امام خمینی نے اپنی تصانیف خاص کر اپنی کتاب "ولایت الفقیہ والحکومت الاسلامیہ" میں پوری وضاحت سے بیان کی ہے۔ یہ کتاب ہی گویا اس انقلاب کی بنیاد ہے۔ اور اس کتاب کو بھی صحیح طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جو شیعیت سے واقف ہو۔ اور اس نے مذہب شیعہ کا مطالعہ کیا ہو۔

اس موقع پر راقم سطور اس واقعی حقیقت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ ہمارے عوام اور کالجوں، یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات اور صحافیوں، دانشوروں کا

کیا ذکر، ہم جیسے لوگ جنہوں نے دینی مدارس اور دینی کونسلوں میں دینی تعلیم حاصل کی ہے اور عالم دین کہے اور سمجھے جاتے ہیں، عام طور سے شیعہ مذہب کے بنیادی اصول و عقائد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ سوائے اُن کے جنہوں نے کسی خاص ضرورت سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو۔ خود اس عاجز راقم سطوح کا حال یہ ہے کہ اپنی مدرسہ تعلیم اور اس کے بعد تدریس کے دور میں بھی شیعہ مذہب میں اُس سے زیادہ واقف نہیں تھا جتنا ہمارے عام پڑھے لکھے لوگ واقف ہوتے ہیں (اور واقعہ یہ ہے کہ اس کو واقفیت سمجھنا ہی غلط ہے)۔ پھر ایک وقت آیا کہ بعض ان علمائے اہل سنت کی کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا جنہوں نے مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کو اچھی طرح دیکھ کے اس موضوع پر لکھا ہے۔ ان میں مولانا قاضی احتشام الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی کتاب "شیعہ للشیعہ" خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے یہی کتاب راقم سطوح کے مطالعہ میں آئی تھی، یہ اب کچھ کم سو سال پہلے کی تصنیف ہے، اس کا انداز بیان سنجیدہ و متین ہونے کے ساتھ بڑا دلچسپ بھی ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر کبھی کبھی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف بھی مطالعہ میں آئیں۔ اس کے بعد میں سمجھنے لگا تھا کہ شیعہ مذہب سے واقف ہو گیا۔ لیکن جب حال میں ایرانی انقلاب کے سلسلہ کے اس پروپیگنڈے کو جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے اثرات کو دیکھ کر اس موضوع پر لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور میں نے اس کو دینی فریضہ سمجھا تو شیعیت سے ذاتی اور براہ راست واقفیت کے لیے میں نے مذہب شیعہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کا اور خوبایام خمینی کی تصانیف کا مطالعہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ گزشتہ قریباً ایک سال میں۔۔۔ اس حالت میں کہ عمر اسی سے متجاوز ہو چکی ہے، اور اس عمر میں ظاہری و باطنی قویٰ میں جو ضعف و ضعیف حال فطری طور پر پیدا ہو جانا چاہیے وہ پیدا ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ہائی بلڈ پریشر کا

مریض بھی ہوں اور اس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بہت متاثر ہو گئی ہے ،
 بہر حال اسی کتاب میں — ان کتابوں کے کئی ہزار صفحات پڑھے اور اب معلوم ہوا کہ میں
 شیعہ مذہب کے ٹم چھتے سے بھی واقف نہیں تھا اور اس مطالعہ ہی سے یہ بات سامنے
 آئی کہ امام خمینی کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی حقیقت و نوعیت کو شیعیت سے
 اچھی واقفیت کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ مذہب شیعہ کا بنیادی عقیدہ امامت
 اور امام آخر الزماں (مہدی منتظر) کی "غیبت کبریٰ" کا شیعہ عقیدہ و نظریہ ہی اس
 انقلاب کی اساس و بنیاد ہے۔

اس موقع پر راقم سطور اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہے کہ مذہب شیعہ
 سے ہمارے علمائے اہل سنت کے واقف نہ ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں۔
 اور جہاں تک اس عاجز کی واقفیت اور مطالعہ ہے دنیا کے ادیان و مذاہب میں سے
 صرف شیعہ مذہب میں۔ اپنے دین و مذہب کو چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کا سخت تاکید
 حکم ہے۔ اس سے ہماری مراد شیعہ مذہب کی وہ خصوصیت اور وہ تعلیم نہیں ہے
 جو "تقیہ" کے عنوان سے عوام میں بھی معروف ہے، بلکہ تقیہ سے الگ یہ مستقل
 باب ہے اور کتب شیعہ اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں اس کا عنوان "کتمان"
 ہے جس کے معنی چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کے ہیں۔ اور تقیہ کا مطلب یہ ہے اپنے قول
 یا عمل سے اہل حقیقت اور واقعہ کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسرے کو دھوکے
 میں مبتلا کرنا۔۔۔ ان دونوں کا تفصیلی بیان اور ان کے بارے میں مذہب شیعہ کی
 بنیادی کتابوں کی تصریحات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات انشاء اللہ اس مقام
 میں بھی اپنے موقع پر ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس وقت تو اس کے

لے ناظرین کرام کتمان کی تاکید کے سلسلہ میں ان کے امام معصوم امام جعفر صادق کا ایک ارشاد یہاں بھی
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

حوالہ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مذہب شیعہ کی اس تعلیم کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک یس کے ذریعہ عربی فارسی کی دینی کتابوں کی طباعت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور ہاتھی سے کتابیں لکھی جاتی تھیں ہمارے علماء عام طور سے مذہب شیعہ سے ناواقف ہے کیونکہ وہ کتابیں صرف خاص خاص شیعہ علماء ہی کے پاس ہوتی تھیں اور وہ کسی غیر شیعہ کو ان کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے۔ ہمارے فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں نکاح یا ردة کے ابواب میں شیعوں کے بارے میں جو لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک نہیں رہتا کہ ان کے واجب الاحرام مصنفین کی نظر سے شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں بالکل نہیں گزریں اس لیے شیعوں کے بارے میں بس وہی باتیں لکھی ہیں جو مشہور عام فقہ یا تاریخ کی کتابوں میں جن کا کچھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جواب قریباً تین سو سال پہلے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور حکومت میں فقہ کے ماہر علماء و اصحاب فتویٰ کی ایک جماعت نے مرتب کیا تھا اس کے مطالعہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ اور علامہ ابن عابدین شامی جن کا زمانہ اب قریباً صرف ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہے، ان کی کتاب ”رد المحتار“ جو فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اس میں بھی شیعوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی کتابیں ان کی نظر سے بھی نہیں گزریں۔ اس سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے (جن کا زمانہ اب قریباً چار سو سال پہلے کا ہے)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ملاحظہ فرمائیں۔ مذہب شیعہ کی معتبر ترین کتاب اصول کافیؒ میں ان کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے :

تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ

اس کو عتر عطا فرمائے گا اور جو کوئی اس کو شائع

اور ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل و رسوا کرے گا۔

انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ

اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ

(اصول کافی ص ۴۸ طبع لکھنؤ)

اپنے بیسیوں مکتوبات میں مذہب شیعہ اور شیعوں کے بارے میں کلام فرمایا ہے اس کے علاوہ اس موضوع پر ان کا فارسی زبان میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے جو انھوں نے علماے ماوراء النہر کی تائید میں لکھا تھا (یہ رسالہ ”رد و وافض“ کے نام سے اُن کے مجموعہ مکتوبات کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے) ان سب کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو بھی ملی تھیں۔ پھر اس کے قریب ایک صدی بعد بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا تو انھوں نے اپنے استاد شیخ ابوطاہر کردیؒ کی فرمائش پر حضرت مجددؒ کے اس رسالہ ”رد و وافض“ کا عربی ترجمہ کیا اور اس پر اپنی طرف سے جا بجا تعلیقات بھی لکھیں، اس کے علاوہ شاہ صاحب نے شیعیت کے خلاف مذہب اہل سنت کے اثبات میں دو ضخیم کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جو مشہور و معروف اور مطبوع ہیں۔ ازالۃ الخفا و فرقۃ العینین۔ اور یہ دونوں کتابیں شاہ صاحب کی وسعت علم، وقت نظر اور قوت استدلال کا آئینہ ہیں۔ لیکن ان سب چیزوں کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں ”الجامع الکافی“ وغیرہ جن کے مطالعہ کے بغیر مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکتی ان کو بھی نہیں ملی تھیں۔ ہمارے نزدیک ایسا اسی وجہ سے ہوا کہ ان کتابوں کی طباعت کے دور سے پہلے یہ کتابیں صرف خاص خاص شیعہ علما کے

لے حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ عربی رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہوا تھا۔ مختلف کتابخانوں میں اس کے قلمی نسخے تھے بھی حال میں مولانا ابوبکر زید دہلوی نے اپنے اہتمام سے اس کو شائع کرایا ہے، اس کے ساتھ حضرت مجددؒ کا اصل فارسی رسالہ ”رد و وافض“ بھی شامل ہے۔ اس کا نام ”المجموعۃ السنیہ“ ہے۔ ”شاہ ابوالخیر اکیڈمی“۔ شاہ ابوالخیر مارگاہیؒ سے طلب کیا جاسکتا ہے۔ (کتب خانہ انفسارن سے بھی طلب فرمایا جاسکتا ہے۔ منیجر کتب خانہ القرآن۔ لکھنؤ)

پاس ہی ہوتی تھیں اور وہ اپنے ائمہ معصومین کے تاکیدی حکم کتمان کی تعمیل میں دوسروں کو نہیں دکھلاتے بلکہ ان کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے۔ اس دور میں علماء اہل سنت میں سے بعض خاص ہی حضرات اپنی غیر معمولی کوششوں سے ان کتابوں کو کسی طرح پاسکے، ان میں شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے "تحفۃ اثناعشریہ" کے مصنف شاہ عبدالعزیزؒ بھی ہیں۔ بعد میں جب بنی مذہبی کتابیں پریس کے ذریعہ چھپنے لگیں اور مذہب شیعہ کی یہ کتابیں بھی چھپ گئیں تب بھی ہمارے علمائے کرام نے ان کے مطالعہ کی طرف توجہ نہیں کی سوائے ان چند حضرات کے جن کو اپنے مخصوص مقامی حالات یا کسی خاص وجہ سے ان کے مطالعہ کی ضرورت کا احساس ہوا، انھوں نے مطالعہ کیا اور پھر اپنی تصنیفات کے ذریعہ دوسروں کو بھی واقف کرانے کی کوشش کی لیکن یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ ہمارے علمی حلقوں میں ان تصنیفات سے بھی بہت کم فائدہ اٹھایا گیا اسی لیے ایسا ہے کہ ہمارے اس دور کے علمائے اہل سنت میں بھی شاذ و نادر ہی ایسے حضرات ہیں جن کو شیعہ مذہب کے بارے میں ایسی واقفیت ہو جس کو واقفیت کہا جاسکے۔ اور جب علماء کا یہ حال رہا تو ہمارے عوام اور آج کی صحافی اصطلاح میں "ڈانشور" کہلانے والے حضرات کا کیا ذکر اور کسی سے کیا شکایت!

اس عام ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب روح اللہ خمینیؒ کی قیادت میں ایران میں یہ انقلاب برپا ہوا اور انھوں نے اس کو "اسلامی انقلاب" کا نام دے کر اور پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں یہی انقلاب برپا کرنے کا نعرہ لگا کر اپنا ساتھ دینے کے لیے ساری دنیا کے مسلمانوں کو پکارا اور اس کے لیے پروپیگنڈے کے وہ سب وسائل و ذرائع استعمال کیے جن کا اوپر ذکر کیا گیا، تو یہ بات معلوم اور آشکارا ہونے کے باوجود کہ امام خمینیؒ نہ صرف یہ کہ شیعہ ہیں بلکہ شیعوں کے اُس درجہ کے مذہبی پیشواؤں میں ہیں جن کو آیۃ اللہؒ کہا جاتا ہے۔ ہندو پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں کے بھی ایک خاص ذہن رکھنے والے

حلقوں کی طرف سے ایسے جوش و خروش سے اس کا استقبال اور خیر مقدم کیا گیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان حضرات کے نزدیک اس انقلاب کے نتیجہ میں ایران میں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے نمونے کی "حقیقی اسلامی حکومت" قائم ہوگئی ہے جس کے ولی الامر (امیر المؤمنین) امام خمینی ہیں پھر یہ حلقے چونکہ اہل سنت ہی میں شمار ہوتے ہیں اور خاص کر ان جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد جن کو آج کل "اسلام پسند" کہا جاتا ہے، ان کے معروف زعماء اور قائدین کو دین کا رازداں اور دینی رہبر سمجھتی ہے اس لیے ان کے اس رویہ سے ان کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ "آیۃ اللہ روح اللہ خمینی" اس وقت اسلام اور عالم اسلام کے گویا امام ہیں۔ ابھی حال میں پٹنہ سے شائع ہونے والا اس نوجوان طبقہ کا ترجمان ایک ماہنامہ نظر سے گزرا اس سے اندازہ ہوا کہ اس بائے میں ذہنی ضلال و فساد کس حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس سب کے باوجود باقم سطور یہی سمجھتا ہے کہ ان حلقوں کی طرف سے یہ جو کچھ ہوا، شیعیت، امام خمینی کی شخصیت، خاص کر ان کی مذہبی حیثیت اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی نوعیت و حقیقت سے ناواقفی کے ساتھ "حبك الشئ یعنی ویصم" کے فطری قانون کے مطابق اسلامی حکومت کی تباہی اور اس کے بے تابانہ اشتیاق کے نتیجہ میں ہوا۔ اس لیے اس عاجز نے اپنا دینی فریضہ اور ان دینی بھائیوں اور عزیزوں کا اپنے پر حق سمجھا کہ امام خمینی اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی نوعیت و حقیقت اور شیعیت خاص کر اس کی اصل بنیاد مسئلہ امامت سے ان حضرات کو اور عام مسلمانوں کو واقف کرانے کی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی جائے کہ دراصل یہی مسئلہ امامت اس ایرانی انقلاب کی مذہبی و فکری بنیاد ہے۔ ہم پہلے امام خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے انقلاب کے بائے میں عرض کریں گے اس کے بعد خمینی صاحب کی شخصیت اور ان کی مذہبی حیثیت کے بائے، اور آخر میں شیعیت کے بائے میں جو ضرورت کے مطابق کسی قدر مفصل اور طویل ہوگا۔ واللہ، يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

ایرانی انقلاب کی نوعیت اور اس کی بنیاد

خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ اس طرح کا انقلاب نہیں ہے جیسے صحیح یا غلط، اچھے یا برے حکومتی انقلابات دنیا کے ملکوں، خاص کر اسلامی ممالک میں سیاسی نظریات کے اختلاف یا صرف اقتدار کی ہوس یا اسی طرح کے دوسرے عوامل و محرکات کی بنیاد پر ہوتے رہے یا ہوتے رہتے ہیں۔ — خمینی صاحب کا برپا کیا ہوا یہ انقلاب مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد عقیدہ امامت اور اسی سلسلہ کے دوسرے عقیدے امام آخر الزماں (مہدی منتظر) کی غیبت کبریٰ اور اس غیبت کبریٰ کے زمانے میں ولایت فقیہ کے اس نظریے کی بنیاد پر برپا ہوا ہے جس کو خمینی صاحب نے مذہب شیعہ کی مختلف کتب حدیث کی بہت سی روایات سے استدلال کرتے ہوئے اپنی کتاب "ولایت الفقیہ والحکومت الاسلامیہ" میں پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یہی اس کتاب کا موضوع اور مدعا ہے۔ — اور خمینی صاحب کی یہ کتاب ہی گویا اس انقلاب کی مذہبی و فکری بنیاد ہے۔ — لیکن اس کو سمجھنے کے لیے شیعیت، خاص کر اس کی اساس و بنیاد عقیدہ امامت سے واقف ہونا ضروری ہے، اس لیے اپنے ناظرین کو اس عقیدے سے متعارف اور واقف کرانے کے لیے پہلے اس عقیدہ ہی کے بارے میں اجمالاً اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا جائیگا۔ واللہ الوافق

عقیدہ امامت کا اجمالی بیان

مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے گویا انہی کی زبان سے مسئلہ امامت کا تفصیلی بیان تو انشاء اللہ ناظرین کرام اسی مقالہ میں آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے، یہاں تو صرف اتنا عرض کر دینا اس وقت کے مقصد کے لیے کافی ہے کہ جس طرح ہم اہل سنت اور تمام امت مسلمہ کے نزدیک بنی و رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں (امت یا قوم ان کا انتخاب نہیں کرتی) شیعہ حضرات کے نزدیک اسی طرح نبی کے بعد ان کے جانشین و خلیفہ امام بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں، وہ نبی ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں اور نبی و رسول ہی کی طرح ان کی اطاعت امت پر فرض ہوتی ہے۔ ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے، وہی امت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہوتے ہیں، اور امت پر بلکہ ساری دنیا پر حکومت کرنا ان کا اور صرف ان کا حق ہوتا ہے، ان کے علاوہ جو بھی حکومت کرے وہ غاصب ظالم اور طاغوت ہے (خواہ وہ قرن اول کے ابو بکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) ہوں یا ان کے بعد کے زمانوں کے خلفاء و سلاطین اور ملوک یا ہمارے زمانے کے ارباب حکومت، بہر حال مذہب شیعہ کے اس بنیادی عقیدہ امامت کی رو سے یہ سب غاصب ظالم اور طاغوت ہیں، حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے نامزد کیے ہوئے ائمہ معصومین کا حق ہے) اور جس طرح نبی پر ایمان لانا اور اس کو نبی ماننا شرط نجات ہے، اسی طرح ان اماموں کی امامت کو تسلیم کرنا اور ان کو اللہ کا مقرر کیا ہوا امام معصوم اور حاکم ماننا بھی نجات کی شرط ہے۔ اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے اس دنیا کے خاتمہ تک یعنی قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ امام نامزد ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نامزد فرمایا

پہلے امام حضرت علی مرتضیٰ تھے، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن
 اُن کے بعد کے لیے اُن کے چھوٹے بھائی امام حسین (رضی اللہ عنہم) پھر اُن کے بعد انہی
 کی اولاد میں ترتیب وار نو اور حضرات — ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا امام و خلیفہ اور امت کا دینی و دنیوی سربراہ و حاکم تھا (اگرچہ
 حالات کی ناسازگاری سے ایک دن کے لیے بھی ان کو حکومت حاصل نہ ہو سکی ہو)۔
 ان میں سے پہلے گیارہ امام — حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر گیارہویں امام
 حسن عسکری تک — اس دنیا میں جاری اللہ تعالیٰ کے عام نظام موت و حیات
 کے مطابق وفات پا گئے۔ گیارہویں امام حسن عسکری کی وفات ۳۲۶ھ میں ہوئی
 (جس پر قریباً ساڑھے گیارہ سو سال گزر چکے ہیں) شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے، اور یہ ان کے
 بنیادی عقائد میں اور جزو ایمان ہے کہ ان کے ایک بیٹے تھے جو صغریٰ ہی میں معجزانہ طور پر غائب
 ہو گئے اور مُسْتَمِنِ رَامی کے ایک غار میں روپوش ہو گئے، اب قیامت تک انہی کی
 امامت اور حکومت کا زمانہ ہے، اس پوری مدت تک کے لیے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 مقرر کیے ہوئے امام زماں اور امت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہیں۔

شیعہ صاحبان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے غائب اور غار میں روپوش ہو جانے کے
 بعد چند سال تک اُن کے خاص محرم رازد سفیروں کی ان کے پاس خفیہ آمد و رفت بھی ہوتی تھی
 اُن کے ذریعہ اُن کے پاس شیعہ حضرات کے خطوط اور درخواستیں بھی پہنچتی تھیں اور انہی
 کے ذریعہ اُن کے جوابات بھی آتے تھے — مذہب شیعہ کی کتابوں میں اس چند
 سالہ زمانے کو غیبت صغریٰ کا زمانہ کہا گیا ہے — اس کے بعد سفیروں کی آمد
 و رفت کا یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور امام غائب سے رابطہ قائم کرنے کا کسی کے لیے بھی
 کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ (اس کو اب گیارہ سو سال ہو چکے ہیں) شیعہ حضرات کا عقیدہ
 ہے کہ وہ اسی طرح روپوش ہیں اور کسی وقت (جو اُن کے ظہور کے لیے مناسب ہوگا) غائب

نکل کر تشریف لائیں گے۔۔۔۔۔ جب بھی ایسا وقت آئے۔۔۔۔۔ اس وقت تک کا زمانہ شیعہ حضرات کی خاص اصطلاح میں غیبتِ کبریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

ملفوظ ہے کہ مذہب شیعہ کی رو سے یہ عقیدہ امامت، توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت کی طرح اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے نہ ماننے والے توحید و رسالت و آخرت کے منکرین ہی کی طرح غیر مومن، غیر ناجی اور جہنمی ہیں۔۔۔۔۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کے بارے میں مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کی تصریحات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات ناظرین کرام انشاء اللہ اپنے موقع پر اسی مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔۔۔۔۔ اس وقت تو عقیدہ امامت اور امام آخر الزماں کی غیبت کبریٰ کا یہ اجمالی بیان صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ امام خمینی کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کو اس کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔۔۔۔۔ اسی لیے ہم نے اس عجیب و غریب عقیدہ پر یہاں کوئی تنقید بھی نہیں کی ہے، صرف وہ بیان کر دیا ہے جو ان حضرات کا مسلمہ عقیدہ ہے اور مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے معلوم ہوا ہے۔

”الحکومتہ الاسلامیہ“ کی روشنی میں ایرانی انقلاب کی بنیاد

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے خمینی صاحب کی کتاب ”الحکومتہ الاسلامیہ“ ان کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی مذہبی و فکری بنیاد ہے۔ قریناً ڈیڑھ سو صفحوں کی اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بارہویں اور آخری امام (مہدی منتظر) کی غیبتِ کبریٰ کے اس زمانے میں جس پر ہزار سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور بقول امام خمینی ہو سکتا ہے کہ ہزاروں سال کا زمانہ اسی طرح اور گزر جائے۔ فقہاء یعنی شیعہ مجتہدین کا حق بلکہ ان کی

ذمہ داری اور ان کا فرض ہے کہ وہ امام آخر الزماں (امام غائب) کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کا نظام اپنے ہاتھ میں لینے کی جدوجہد کریں اور جب ان مجتہدین میں سے کوئی ایسا فرد جو اس کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور جدوجہد کرے تو وہ معاشرے اور حکومت سے متعلق معاملات میں امام ہی کی طرح بلکہ خود نبی و رسول کی طرح واجب الاطاعت ہوگا، اسی کتاب میں ولایۃ الفقیہ کا عنوان قائم کر کے نجفی صاحب نے لکھا ہے:

وإذا نهض بامر تشكيل الحكومة	اور جب کوئی فقیہ (مجتہد) جو مصلحتاً ہو عادل
فقیہ عالم عادل فانه يلى من امور	ہو حکومت کی تشکیل و تنظیم کے لیے اٹھ کھڑا
المجتمع ما كان يليه النبى (ص)	ہو تو اس کو معاشرے کے معاملات میں وہ سارے
منهم ووجب على الناس ان	اختیار اٹھالیں ہوں گے جو نبی کو جانشین اور سب
يسمعوا له ويطيعوا ويملك هذا	لوگوں پر اس کی سمع و طاعت واجب ہوگی اور
الحاكم من امر الادارة والرعاية	یہ صاحب حکومت فقیہ و مجتہد حکومتی نظام اور
والسياسة للناس ما كان يملكه	عوامی سماجی مسائل کی نگہداشت اور امت کی سیاست
الرسول (ص) واما المؤمنین (ع)	کے معاملات میں اسی طرح مالک و مختار ہوگا جس طرح نبی
(الحكومة الإسلامية ۴۹)	اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام مالک و مختار تھے۔

المهدي اكثر من الف عام وقد	ہمارے امام مہدی کی فیتہ کبریٰ پر ایک ہزار
تعالوف السنين قبل ان يقضى	سال سے زیادہ گزر چکے اور ہو سکتا ہے کہ
المصلحة قدوم الامام	ہزاروں سال اس وقت کے آنے سے پہلے اور گرد
المنتظر ۲۶	جائیں جب مصلحت کا تقاضا اُن کے ظہور
	کا ہو اور وہ تشریف لائیں۔

نیز اسی کتاب میں آگے امام خمینی نے ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے:

ان الفقہاء ہم اوصیاء الرسول (۳)
من بعد الانمہ و فی حال
غیابہم وقد کلفوا بالقیام
بجميع ما کلف الاثمہ (۴)
بالقیام بہ مۃ
نقہا (یعنی مجتہدین) ائمہ معصومین کے بعد
اور ان کی غیبت کے زمانے میں رسول خدا
کے وصی ہیں اور وہ مکلف ہیں ان سب امور و
مسائل کی انجام دہی کے حق کی انجام دہی کے
مکلف ائمہ علیہم السلام تھے۔

الغرض امام خمینی کے ذریعہ ایران میں جو انقلاب برپا ہوا اُس کی یہی مذہبی اور فکری بنیاد
ہے اور ان کی حیثیت دوسرے ملکوں کے قائدین انقلاب اور سربراہان حکومت کی نہیں بلکہ
مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد و عقیدہ امامت اور امام آخر الزماں کی غیبت کبریٰ اور اس غیبت کبریٰ
کے زمانے میں "ولایت فقیہ" کے اصول و نظریے کی بنیاد پر وہ شیعوں کے بارہویں امام معصوم
(امام غائب) کے قائم مقام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور اس حیثیت سے امام
اور نبی ہی کی طرح واجب الطاعت ہیں اور ان کے سارے اقدارات اور ساری کارروائیاں
اسی حیثیت سے ہیں۔ جہاں تک ہمارا مطالعہ اور ہماری اطلاع ہے انھوں نے اپنی
اس حیثیت پر پردہ ڈالنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی ہے اور ان کی اس حیثیت کا لازمی
تقاضا ہے کہ وہ پورے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کو اپنے زیر حکومت اور تحت اقدار لانے کی
جدوجہد کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ امام خمینی نے "ولایت الفقیہ" کے نظریے کے بارے میں (جو اس انقلاب
کی بنیاد ہے) جو کچھ "حکومت الاسلامیہ" میں لکھا ہے اُس میں پوری صفائی کے ساتھ اس کا
اظہار ہے کہ اس نظریے کی بنیاد پر صرف وہ شیعہ فقیہ و مجتہد ہی امت کا امام و سربراہ حکومت ہو سکے گا
جو عقیدہ امامت اور امام آخر الزماں کی دنیا میں موجودگی اور گیارہ سو سال سے ان کی غیبت کبریٰ
کے زمانے میں "ولایت فقیہ" کے نظریے کو بھی تسلیم کرتا ہو۔

کیا اس کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے کہ اس انقلاب کو خالص اسلامی انقلاب کہنا اور اجتماعات اور کانفرنسوں میں توفیق اسلامیہ لاشیعیتہ و لاسنیہ کے نعرے لگوانا ایسا فریب ہے جس میں صرف وہی لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس انقلاب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش نہ کی ہو۔

ایرانی انقلاب کی نوعیت کے بارے میں ہم اتنا ہی عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خیمنی صاحب کی شخصیت بالخصوص ان کی مذہبی حیثیت کے بارے میں اختصار ہی کے ساتھ وہ عرض کرنا ہے جو ان کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔

کسی تحریک خاص کر کسی انقلاب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس کے قائد کے نظریات و معتقدات کا جاننا جیسا ضروری ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس طرف سے غفلت وہی شخص جائز سمجھ سکتا ہے جس کے نزدیک ایمان اور عقیدے کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ بس حکومت اور اقتدار ہی کو دین و ایمان سمجھتا ہو۔

ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری ہے کہ ہمارے اسی ملک میں علامہ عنایت اللہ مشرقی اور ان کی خاکسار تحریک کا غلغلہ بلند تھا، ان کا فلسفہ اور ان کی دعوت یہی تھی کہ مادی قوت اور اقتدار و حکومت ہی حقیقی ایمان و اسلام ہے اور اس بنا پر ہمارے اس زمانے میں ”مؤمنین صالحین“ کا مصداق وہ یورپین اقوام ہیں جن کے پاس قوت و اقتدار ہے، ان کی ضخیم کتاب ”تذکرہ“ جو ان کی دعوت و تحریک کی بنیاد تھی اس میں اسی نظریہ اور فلسفہ کو قرآن پاک سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہمیں سے جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے ان کو یاد ہوگا کہ ایک خاص ذہن رکھنے والا نوجوان طبقہ کیسے جوش و خروش سے ان کی دعوت پر لبیک کہہ رہا تھا اور ان کے لشکر میں شامل ہو رہا تھا۔

در اصل ملت میں ایسے لوگوں کا وجود ہمارے لیے سامان عبرت ہے۔

ربنا لاتغفلونا بعد اذ ہدینا وھب لنا من لدنک رحمتا انک الوھاب

امام خمینی اپنی تصانیف میں

امام روح اللہ خمینی، صاحب تصنیف عالم ہیں، مجھے ان کی دو کتابیں دستیاب ہو سکیں جو ان کی تصانیف میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک ”الحکومت الاسلامیہ“ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ان کی انقلابی تحریک و دعوت کی بنیاد ہے اور ان کی شخصیت اور مذہبی معتقدات کو جاننے کے لیے بھی بڑی حد تک یہی کتاب کافی ہے۔ دوسری کتاب ”تحریر الوسیلہ“ یہ غالباً ان کی سب سے بڑی تصنیف ہے اس کا موضوع فقہ ہے، یہ بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے، ہر جلد کے صفحات ساڑھے چھ سو کے قریب ہیں۔ یہ بلاشبہ اپنے موضوع پر بڑی جامع اور مبسوط کتاب ہے۔ طہارت یعنی استنجا اور غسل و وضو سے لے کر وراثت تک کے تمام فقہی ابواب پر حاوی ہے، زندگی میں جو مسائل لوگوں کو پیش آتے ہیں راقم سطور کا خیال ہے کہ ان میں کم ہی مسئلے ایسے ہوں گے جن کا جواب مذہب شیعہ کی رو سے اس کتاب میں نہ مل سکے، طرز بیان بہت ہی صاف اور سلجھا ہوا ہے بلاشبہ ان کی یہ تصنیف اپنے مذہب میں ان کے علمی، تحریر اور بلند مقام کی دلیل ہے۔ خمینی صاحب کے جو نظریات و معتقدات ان کی ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوئے ہیں وہ انہی کی عبارتوں اور انہی کے الفاظ میں ان صفحات میں ناظرین کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ جو حضرات نہیں جانتے اور اس لا علمی کی وجہ سے ان کے بائے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ جان لیں۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يُحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ط

لہ ان کی تیسری کتاب ”مکشف الاسرار“ بعد میں حاصل ہوئی۔

اپنے ائمہ کے بارے میں خمینی صاحب کے معتقدات

اس سلسلہ میں پہلی اصولی اور جامع بات تو یہ ہے کہ امام خمینی شیعوں کے فرقہ اشاعہ شریہ کے بلند پایہ مجتہد اور امام و پیشوا ہیں اس لئے مسئلہ امامت اور ائمہ کے بارے میں اشاعہ شریہ کے جو مخصوص عقائد و نظریات ہیں، جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہیں وہ سب امام خمینی صاحب کے بھی معتقدات ہیں، اور ایک واضح العقیدہ اور متصلب شیعہ مجتہد کی طرح وہ اُن پر ایمان رکھتے ہیں۔ ناظرین کرام انشاء اللہ ان عقائد و نظریات کو پوری تفصیل کے ساتھ اسی مقالہ میں آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا جائے گا وہ مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کی عبارات اور ان کے ”ائمہ معصومین“ کے ارشادات ہوں گے ہم صرف ان کو نقل کریں گے اور اپنے ناظرین کے لیے اردو ترجمہ کی خدمت انجام دیں گے۔ اسی سے امام خمینی کے معتقدات کسی قدر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ناظرین کو معلوم ہو سکیں گے۔ اس وقت تو ہم خود ان کی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ ہی سے (جو ان کی انقلابی تحریک دعوت کی بنیاد ہے) اپنے ائمہ کے بارے میں ان کے چند معتقدات ناظرین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

کائنات کے ذرہ ذرہ پر ائمہ کی تکوینی حکومت

”الحکومت الاسلامیہ“ میں ”الولاية التكوينية“ کے زیر عنوان خمینی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

فان للامام مقاما محمودا ودرجۃ سامیة وخلافة تکوینیة تخضع امام کو وہ مقام محمود اور درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے

لولا یتھا وسیطر تھا جمیع
ذرات الکون ۵۲
کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم و اقتدار
کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے

ائمہ کا مقام ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین سے بالاتر ہے
اسی عنوان ”الولایۃ التکوینیۃ“ کے تحت اور اسی سلسلہ کلام میں خمینی صاحب کے
فرماتے ہیں:

وان من ضروریات مذہبنا اور ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے
ان لا یستقام مقام الا بیلغۃ ملک ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ
مقرب و لائبی موصول ۵۲ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ مہوین کو وہ
مقام و مرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ائمہ اس عالم کی تخلیق سے پہلے انوار و تجلیات تھے جو عرش الہی کو محیط تھے۔
ان کے درجہ اور مقام قرب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا —

اسی عنوان ”الولایۃ التکوینیۃ“ کے تحت اور اسی سلسلہ کلام میں آگے خمینی صاحب نے

۱۔ اس وقت ہمارا مقصد امام خمینی اور ان کے فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد سے ناواقفوں کو صرف واقف کرانا ہے۔
ان کے بارے میں بحث و تنقید اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم یہاں اثنا عشریہ کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ
جہو امت مسلمہ کے نزدیک یہ شان حضرت اللہ تعالیٰ کی ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر اس کی حکومت اور فرمانروائی ہے
اور ساری مخلوق اس کے مکونی حکم کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہے۔ یہ شان کسی نبی و رسول کی بھی نہیں۔
قرآن پاک کی بیشمار آیات میں اس کا اعلان فرمایا گیا ہے لیکن خمینی صاحب اور ان کے فرقہ اثنا عشریہ کا عقیدہ
اور ایمان یہی ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر یہ حکومت و اقتدار ان کے ائمہ کو حاصل ہے۔

تحریر فرمایا ہے۔

ویموجب مال دینا من الرطایا
والاحادیث فان الرسول
الا عظم (رض) والا ثمه (ع)
کانوا قبل هذا العالم انواراً
فجعلهم الله بعرضه محدقین
وجعل لهم من المنزلة
والزلفی ما لا یعلمه الا
الله مۛ

اور جو روایات و احادیث (یعنی شیعہ
روایات و احادیث) اہل ائمہ سے ثابت ہیں
ان سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اعظم
اور ائمہ اس عالم کے وجود میں آنے
سے پہلے انوار و تجلیات تھے پھر اللہ تعالیٰ
نے ان کو اپنے عرش معلیٰ کے گرد گرد کر دیا۔
اور ان کو وہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا جس کو
بس اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ائمہ سہو اور غفلت سے محفوظ اور منزہ ہیں

سہو و نسیان اور کسی وقت کسی معاملہ میں غفلت کا امکان بشریت کے لوازم میں
سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے محفوظ نہیں۔ قرآن مجید میں بھی متعدد انبیاء
علیہم السلام کے سہو و نسیان کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں لیکن خمینی صاحب اپنے
ائمہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لا تصور فیہم السہو والغفلۃ
ان کے بارے میں سہو یا غفلت کا تصور بھی
نہیں کیا جاسکتا۔
(الحکومت الاسلامیہ مۛ ۹)

ائمہ کی تعلیمات قرآنی احکام و تعلیمات ہی کی طرح دائمی اور واجب الاتباع ہیں
خمینی صاحب نے اسی کتاب حکومت الاسلامیہ میں ایک جگہ ائمہ کی تعلیمات اور ان کے
احکام کے بارے میں فرمایا ہے۔

ان تعالیم الاثمة کتعالیم
 القرآن لا تخص جیلاً خاصاً و
 انما هی تعالیم للجمیع فی کل
 عصر و مصر و الی یوم القیمة
 یجب تنفیذها و اتباعها
 ۱۱۳

ہائے ائمہ معصومین کی تعلیمات قرآن کی
 تعلیمات ہی کے مثل ہیں، وہ کسی خاص
 طبقے کے اور خاص دور کے لوگوں کے
 لیے مخصوص نہیں ہیں، وہ ہر زمانے اور
 ہر علاقے کے تمام انسانوں کے لیے ہیں
 اور تا قیام قیامت ان کی تنفیذ اور ان کا
 اتباع واجب ہے۔

اپنے ائمہ معصومین کے بارے میں خمینی صاحب کے یہ چند مقتصد آصف الحکومتہ الاسلامیہ
 سے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم خمینی صاحب اور اثنا عشریہ کے ایک دوسرے
 اہم اور بنیادی عقیدے پر گفتگو شروع کرتے ہیں۔

صحابہ کرام خاصہ شیخین کے بارہ میں خمینی صاحب کا عقیدہ اور رویہ

جو شخص شیعہ اثنا عشریہ کے مذہب سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہوگا وہ اتنا ضرور جانتا ہوگا
 کہ اس مذہب کی بنیاد ہی اس عقیدے پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ
 ہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ و جانشین
 اور امت کا دینی و دنیوی امام اور سربراہ نامزد فرمادیا تھا اور انہی کی نسل میں سے گیارہ اور حضرت
 کو بھی قیامت تک کے لیے اسی طرح امام نامزد فرمادیا تھا۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے
 آخری اور انتہائی درجہ کا اہتمام یہ فرمایا کہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے مقام پر
 ایک میدان کو صاف کر کے حکم دیا اور اپنے لیے ایک منبر تیار کرایا۔ اس کے بعد خصوصی اعلان
 اور منادی کے ذریعہ اپنے تمام رفقاء سفر کو (جن میں مہاجرین و انصار اور دوسرے حضرات

سب ہی شامل تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے) اس میدان میں جمع ہونے کا حکم فرمایا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے — تاکہ سب حاضرین دیکھ لیں — اپنے بعد کے لیے اُن کے خلیفہ و جانشین اور امت کے دینی و دنیوی سربراہ و امام اور ولی الامر (یعنی حاکم و فرمانروا) ہونے کا اعلان فرمایا، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میری تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ کا حکم ہے اور میں اس حکم خداوندی کی تعمیل ہی میں یہ اعلان کر رہا ہوں — پھر آپ سے سب حاضرین سے اس کا اقرار اور عہد لیا — اس سلسلہ کی مذہب شیعہ کی مستند ترین روایات میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر آپ نے خصوصیت سے شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ تم ”السلام علیک یا امیر المؤمنین“ کہہ کر علی کو سلامی دو! چنانچہ ان دونوں نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسی طرح سلامی دی (غذیر خم کے اس واقعے (یا افسانے) کے بارے میں کتب شیعہ کی وہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات جن میں پوری تفصیل ہے وہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے جو اجمالی طور پر اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا، انشاء اللہ ناظرین کرام اسی مقالہ میں آئندہ اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے)

آگے کتب شیعہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ غذیر خم کے اس اعلان اور صحابہ کے اس اجتماعی عہد و اقرار کے قریباً اسی دن ہی کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو (معاذ اللہ) ابوبکر و عمر اور ان کے ساتھ عام صحابہ نے سازش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے اس نظام کو جو آپ نے اپنے بعد قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمایا تھا، مسترد اور ملیا میٹ کر دیا اور اپنے عہد و اقرار سے منحرف ہو گئے اور حضرت علی کے بجائے ابوبکر کو آپ کا خلیفہ و جانشین اور امت کا سربراہ بنا دیا — (معاذ اللہ) اس ”غذاری“ اور ”جرم عظیم“ کی بنیاد پر

کتب شیعہ کی روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں عام صحابہ اور خاص کر شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے لیے مرتد کافر - منافق - جہنمی - شقی بلکہ اشقی (اعلیٰ درجہ کے بدبخت) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان پر لعنت کی گئی ہے۔ (یہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے یہ ارشادات بھی ناظرین کرام انشاء اللہ اسی مقالہ میں آگے اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے)

اور اس میں کیا شک ہے کہ اگر غدیر خم کے اس افسانے کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) حقیقت اور واقعہ مان لیا جائے تو پھر شیخین اور عام صحابہ کرام (معاذ اللہ) ایسے ہی مجرم قرار پائیں گے اور ان ہی بد سے بدتر الفاظ کے مستحق ہوں گے جو شیعہ روایات کے حوالہ سے اوپر لکھے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک کے لیے قائم کیے ہوئے اُس نظام کو جو امت کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمایا تھا اور جس کے لیے اتنے اہتمام سے عہد و اقرار لیا تھا، غداری اور سازش کر کے تباہ و برباد کیا ان کے کفر و ارتداد اور جہنمی و لعنتی ہونے میں کیا شبہ! — بہر حال یہ دونوں باتیں عقل و نقل کے لحاظ سے لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے شیعوں کے عام مصنفین اور علما و مجتہدین کا رویہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق غدیر خم کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شیخین اور عام صحابہ نے جو کچھ کیا اس کی بنا پر وہ ان کو اپنے ائمہ کے ارشادات کے مطابق مرتد، کافر، منافق، یا کم سے کم اعلیٰ درجہ کے فاسق و فاجر اور مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔

لیکن خمینی صاحب صرف شیعہ عالم و مجتہد یا شیعہ مصنف ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ہمارے اس دور کی ایک سیاسی شخصیت (ڈپٹیٹ) اور ایک انقلابی دعوت و تحریک کے قائد بھی ہیں اور اس انقلابی تحریک میں ان کی اصل طاقت اگرچہ شیعہ ہیں لیکن غیر شیعہ مسلمانوں کو

بھی ممکن حد تک اس میں استعمال کرنا ان کی سیاسی ضرورت ہے، اس لیے ”الحکومتہ الاسلامیہ“ میں انھوں نے اس سلسلہ میں یہ رویہ اختیار فرمایا ہے کہ وہ اپنے ذاتی عقیدہ و ایمان کے تقاضے سے اور شیعی دنیا کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی، غدیر خم کے واقعہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بعد کے لیے وصی اور خلیفہ و جانشین اور امت کے ولی الامر کی حیثیت سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کا ذکر کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں، لیکن اُس کے لازمی اور منطقی نتیجہ کے طور پر شیخین اور عام صحابہ کرام پر اللہ و رسول سے غداری اور کفر و ارتداد کی جو فرد جرم عائد ہوتی ہے وہ سیاسی مصلحت سے فراحت کے ساتھ اس کے ذکر سے اپنے قلم کو روک لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں انھوں نے اتنی احتیاط ضروری سمجھی ہے کہ پوری کتاب ”الحکومتہ الاسلامیہ“ میں شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر) کا کہیں نام تک نہیں آنے دیا ہے۔ حالانکہ اس کتاب کا موضوع ہی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے ”اسلامی حکومت“ ہے۔ اور اسلام کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہی دو حضرات کا دور خلافت اسلامی حکومت کا کامل اور مثالی نمونہ تھا۔ لیکن خمینی صاحب

لے راقم سطور یہاں اس واقعہ کا ذکر مناسب سمجھتا ہے کہ انڈیا ایک مشرقی ممالک کی بنیاد پر جب برطانوی دور حکومت ہی میں ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں قائم ہوئیں تو کانگریس کے رہنما ہتاکانڈھی جی نے ان حکومتوں کے کانگریسی وزیروں کے لیے اپنے اخبار ”ہرجن“ میں ایک ہدایت نامہ لکھا تھا جو اس وقت کے دوسرے اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا اس میں انھوں نے ان وزیروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابو بکر و عمر کے طرز حکومت کو مثالی رہنما کے طور پر اپنے سامنے رکھیں اور ان کے طریقہ کی پیروی کریں۔ (آگے گانڈھی جی نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے تاریخ میں ان دو کے سوا کوئی مثال نہیں ملتی جس نے نفیری کے ساتھ ایسی حکومت کی ہوئے مائندھی جی کا یہ ہدایت نامہ ہرجن کے جولائی یا اگست ۱۹۳۷ء کے کسی شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ میں نے اس وقت ہدایت نامہ کیہ مضمون اپنی یادداشت سے لکھا ہے گانڈھی جی کے ہتہزنا کا مضمون اخبار کے ۱۹۳۷ء کے فالو میں آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔

کاروبار یہ ہے کہ جہاں سلسلہ کلام میں تاریخی تسلسل کے لحاظ سے بھی ان کے دور خلافت کا تذکرہ ضروری تھا وہاں بھی ان کا نام تک ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ اس کی دو مثالیں نذر ناظرین ہیں۔

ایک جگہ اسلامی حکومت کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں،
 فقد ثبت بضرورة الشرع والعقل
 ان ما كان ضروريا لايام الرسول (ص)
 وثى عهد امير المؤمنين على بن ابي طالب (ع) من وجود الحكومة لا يزال ضروريا الى يومنا هذا
 (الحكومة الاسلاميه ص ۱۲)
 شریعت اور عقل کی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب (ع) من وجود الحكومة لا يزال ضروريا الى يومنا هذا اس زمانے میں ضروری ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہ علماء و جوہرین کے امین ہیں ان کا کام صرف دین کی باتیں بتلانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اور کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہے، خمینی حضا نے تحریر فرمایا ہے۔

وقد كان الرسول (ص) وامير المؤمنين (ع) يقولون ويعملون
 رسول الله صلى الله عليه وآله و امير المؤمنين عليه السلام بتلاني بھی تھے اور اس کو عمل میں بھی لانے تھے۔

ان دونوں جگہوں پر اور اسی "الحكومة الاسلاميه" میں ان کے علاوہ بھی بعض مقامات پر خمینی صاحب نے اسلامی حکومت کے سلسلہ میں عہد نبوی کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ہی کے عہد حکومت کا ذکر کیا ہے اور شیخین اور حضرت عثمان کے ذکر سے ہر جگہ دانستہ پرہیز کیا ہے۔ یہ رویہ انھوں نے اسی لیے اختیار کیا کہ اگر وہ خلفاء ثلاثہ کی حکومت کو بھی "اسلامی حکومت" قرار دے کر یہاں ذکر کرتے جیسا کہ تاریخی تسلسل کا تقاضا تھا تو شیعہ جوان کی اصل طاقت ہیں ان کو

”ولایت فقیہ کے منصب کے لیے نااہل قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت کر دیتے — اور اگر خمینی صاحب اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق اُن کے بائے میں صفائی سے اظہار رائے کرتے تو جو غیر شیعہ طبقے اسلامی انقلاب کے نعرہ کی کشش یا اپنی سادہ لوحی سے اُن کا آرا کا رہنے ہوئے ہیں، ان کی ہمدردی اور ان کا تعاون اُن کو حاصل نہ ہو سکتا۔

بہر حال خمینی صاحب کے اس رویہ سے شیخین اور حضرت عثمان کے بائے میں اُن کا باطن پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ خلافت و امامت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کے شیعہ عقیدے کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے کہ شیخین اور عام صحابہ کرام کو معاذ اللہ ویسا ہی سمجھا جائے جیسا کہ شیعہ روایات میں بتلایا گیا ہے۔

اب ناظرین کرام خمینی صاحب کی وہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں جن میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی مرتضیٰ کی اپنے وصی، خلیفہ و جانشین اور امت کے ولی الامر کی حیثیت سے نامزدگی کا مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔

”الحکومت الاسلامیہ“ میں شیعوں کے بنیادی عقیدے ولایت و امامت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بعد کے لیے خلیفہ کی حیثیت سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کے بائے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے خمینی صاحب فرماتے ہیں۔

نحن نعتقد بالولاية ونعتقد

انهم هم وليا ان يعين النبي

خليفة من بعده وقد

فعل.

اور ہم ولایت (امامت) پر عقیدہ رکھتے ہیں

اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے

بعد کے لیے خلیفہ معین اور نامزد کرتے

الحکومت الاسلامیہ ص ۱۸

اور آپ نے ایسا ہی کیا۔

اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد خمینی صاحب نے لکھا ہے کہ اپنے بعد کے لیے خلیفہ

کو نامزد کر دینا ہی وہ عمل ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضہ رسالت کی ادائیگی کی تکمیل ہوئی۔ فرماتے ہیں۔

وكان تعيين خليفة من بعدى.... اور اپنے بعد کے لیے خلیفہ کو نامزد کر دینا
عاملاً ممتماً ومکملاً لرسالته ہی وہ عمل تھا جس سے آپ کے فریضہ رسالت کی
ادائیگی کی تکمیل ہوئی۔ ۱۹

یہی بات خمینی صاحب نے اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

بحیث کان یعتبر الرسول (ص) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
لولا تعیین الخلیفة من بعدہ بعد کے لیے خلیفہ نامزد نہ کرتے تو سمجھا جاتا
غیر مبلّغ رسالتہ کہ امت کو جو پیغام پہنچانا اللہ تعالیٰ کی
طرف سے آپ کے ذمہ کیا گیا تھا وہ اپنے ۲۳

نہیں پہنچایا اور رسالت کا فریضہ ادا نہیں کیا۔

خمینی صاحب نے ان عبارتوں میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی بنیاد ایک روایت پر ہے اُس روایت کا مضمون معلوم ہونے کے بعد ہی خمینی صاحب کی ان عبارتوں کا پورا مطلب سمجھا جاسکتا ہے وہ روایت شیعہ صاحبان کی اصح الکتب اصول کافی کے حوالے سے انشاء اللہ آگے اپنے موقع پر رُج ہوگی یہاں اس کا صرف اتنا اصل ذکر کرنا کافی ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکیم ملا کہ اپنے بعد کے لیے علی کی امامت و خلافت کا اعلان کر دیں، تو آپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر میں نے ایسا اعلان کیا تو بہت سے مسلمان مرتد اور میرے خلاف ہو جائیں گے اور مجھ پر تہمت لگائیں گے کہ یہ کام میں علی کے ساتھ اپنی قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم نہیں آیا ہے، اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس حکم پر نظر ثانی فرمائی

جائے اور یہ اعلان نہ کرایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ يٰۤاَيُّهَا
الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ - الآية
جس کا حاصل یہ ہے کہ اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ
آپ لوگوں کو پہنچا دیجئے، اور اعلان کر دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اس کا
پیغام نہیں پہنچایا اور فریضہ رسالت ادا نہیں کیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی آپ نے غدرِ خیم
کے مقام پر وہ اعلان فرمایا۔

اس سلسلہ کی روایات میں (جو انشاء اللہ ناظرین اسی مقالہ میں آگے ملاحظہ فرمائیں گے)
یہ بھی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دھمکی بھی
دی گئی تھی کہ اگر تم نے علی کی خلافت و امامت کا یہ اعلان نہیں کیا تو ہم تم پر عذاب نازل
کریں گے۔ (نعوذ باللہ)

العرض خمینی صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں میں انہی روایات کی بنیاد پر یہ فرمایا گیا
ہے کہ اگر آپ اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد نہ کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ نے رسالت
کا حق ادا نہیں کیا۔

ناظرین کرام خمینی صاحب کی اس سلسلہ کی چند تصریحات اور ملاحظہ فرمائیں:

والرسول الکریمر (ص) ... قد اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سے

کلمہ اللہ و حیوان یبلّغ ما انزل اللہ تعالیٰ نے وحی کے طور پر کلام فرمایا

الیہ فیمن یخلفہ فی الناس و اور اس میں یہ حکم دیا کہ جو شخص اُن کے

یحکم هذا الامر فقد اتبع ما بعد اُن کا خلیفہ و جانشین ہوگا اور حکومت

امر بہ و عین امیر المومنین کا نظام چلائے گا اُس کے بارے میں

علیّاً للخلافة۔ اللہ کا جو حکم اُن پر نازل ہوا ہے وہ لوگوں

(الحکومة الاسلامیہ ص ۳۲-۳۳) کو پہنچادیں اور اس کی تبلیغ اور اعلان

کردیں۔ تو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور خلافت کے لیے امیر المومنین علی کو نامزد کر دیا۔

آگے اسی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

وفی غدیر خم فی حجة الوداع اور حجة الوداع میں غدیر خم کے مقام پر

عینہ النبی (ص) حاکما من بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے علی

ومن حینہا بدأ الخلاف علیہ السلام کو اپنے بعد کے لیے حکمراں نامزد

الی نفوس القوم۔ کر دیا اور اسی وقت سے قوم کے دلوں

میں مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (الحکومت الاسلامیہ ص ۱۳۱)

اس سلسلہ میں خمینی صاحب کی اسی کتاب سے ایک عبارت اور پڑھ لی جائے،

فرماتے ہیں۔

قد عین من بعدہ والیہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

علی الناس امیر المؤمنین (۴) اپنے بعد کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کو

واسقرا انتقال الامامة و لوگوں پر حاکم اور والی کی حیثیت سے

الولاية من امام الی امام الی نامزد کر دیا اور پھر امامت و ولایت کا یہ منصب

ان انتهى الامر الی الحجة ایک امام سے اگلے امام کی طرف برائے نقل

القائم (۴) ۹۵ ہوتا رہا یہاں تک کہ الحجة القائم (یعنی)

امام غائب مہدی منتظر تک پہنچ کر یہ سلسلہ اپنی نہایت کو پہنچ گیا۔

کیا کسی بھی ایسے شخص کو جس کو اللہ نے عقل و فہم سے بالکل ہی محروم نہ کر دیا ہو

اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلافت امامت

کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کا وہ عقیدہ رکھتا ہو جو خمینی صاحب نے اپنی ان

عبارتوں میں ظاہر کیا ہے (اور جو شیعیت کی اساس و بنیاد ہے) یقیناً اس کی رائے اور

اُس کا عقیدہ شیخین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ کرام کے بائے میں ہی ہوگا جو مذہب شیعہ کی مستند کتابوں کی روایات اور ان کے ائمہ کے ارشادات کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ معاذ اللہ انھوں نے غفاری کی اور وہ مرتد اور لعنتی و جہنمی ہو گئے۔ جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا ہے مستند ترین کتب شیعہ کی یہ روایات اور ان کے ائمہ کے یہ ارشادات ناظرین کرام انشاء اللہ اسی مقالہ میں آئندہ اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی پڑھ لی جائے۔ شیعہ حضرات کی ”اصح الکتاب“ ”الجامع الکافی“ کے آخری حصہ ”کتاب الروضہ“ میں ان کے پانچویں امام ابو جعفر یعنی امام باقر (علیہ السلام) کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

کان الناس اهل ملة بعد النبی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الاثلاثة	بعد سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین
فقلت ومن الثلاثة فقال	میں نے عرض کیا کہ وہ تین کون تھے؟ تو انھوں نے فرمایا
المقداد بن الاسود وابو ذر	مقداد بن الاسود اور ابو ذر غفاری اور
الغفاری و سلمان الفارسی	سلمان فارسی۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو
اللہ علیہم وبرکاتہ (فروع کافی جلد	اور اس کی برکات
سوم کتاب الروضہ ۱۱۵ طبع لکھنؤ)	

اس عقیدے کے خطرناک نتائج

اس تحریری کاوش سے ہمارا مقصد خمینی صاحب کے نظریات و معتقدات سے ان حضرات کو صاف واقف کرانا ہے جو ناواقف ہیں، ان پر بحث و تنقید اس وقت ہمارا موضوع نہیں تاہم اس عقیدے کے بعض خطرناک اور دور رس نتائج کی طرف ان ہی حضرات کی

توجہ مبذول کرانا بھی ہم ان کا حق سمجھتے ہیں تاکہ وہ غور کر سکیں۔

اگر خمینی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد بھی ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت و امامت کے منصب کے لیے حضرت علی کو نامزد کر دیا تھا اور غدرِ خیم کے مقام پر اس کا اعلان بھی فرما دیا تھا تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں ایسے ناکام ہے کہ اللہ کا کوئی پیغمبر بلکہ کوئی مرشد و مصلح بھی اتنا ناکام نہ رہا ہوگا۔ آپ نے ابتدائے دور نبوت سے وفات تک جن لوگوں کی تعلیم و تربیت پر محنت کی اور جو سفر و حضر میں ساتھ رہے، دن رات آپ کے ارشادات اور مواظظ و نصح سنتے رہے۔ آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی انھوں نے ایسی غداری کی کہ حکومت اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی ہوس میں آپ کے قائم کیے ہوئے اس نظام ہی کو ملیا میٹ کر دیا جو آپ نے قیامت تک کے لیے اللہ کے حکم سے امت کی صلاح و فلاح کے لیے قائم فرمایا تھا اور جس کے لیے چند روز پہلے ہی اُن سب عہد و اقرار لیا تھا۔ کیا تاریخ میں کسی مصلح اور ریفارمر کی ناکامی کی ایسی مثال مل سکتی ہے؟

اسی طرح اس عقیدہ کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ سارا دین ناقابل اعتماد ہو جائے گا کیونکہ وہ انہی صحابہ کے واسطے سے امت کو ملا ہے، ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے ناخدا ترس اور ایسے نفس پرست ہوں اُن پر دین و ایمان کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

اور خاص طور سے موجودہ قرآن تو قطعاً ناقابل اعتبار ٹھہرے گا کیونکہ یہ مسام ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ترتیب و اشاعت کا اہتمام و انتظام سرکاری سطح پر خلفائے ثلاثہ ہی کے زمانے میں ہوا تھا۔ اور خمینی صاحب کے عقیدے کے مطابق یہی تینوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے نظام کو نیست و نابود کرنے کے اصلی ذمہ دار اور (معاذ اللہ) اکابر مجربین ہیں۔ پھر تو قرین عقل و قیاس یہی ہے کہ ان لوگوں نے (معاذ اللہ) اپنی

سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس میں ہر طرح کی گڑبڑ اور تحریف کی ہوگی، جیسا کہ مذہب شیعہ کی معتبر ترین کتابوں کی سیکڑوں روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں بیان کیا گیا ہے۔ ناظرین کرام ان میں سے کچھ روایتیں اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات انشائے اس مقالہ میں بھی آئندہ اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس موقع پر خمینی صاحب کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ ہمارے اس زمانے کے عام شیعہ علماء کی طرح موجودہ قرآن ہی کو اصلی قرآن کہتے اور تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن اپنی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" ہی میں انھوں نے ایک جگہ ایک بڑے شیعہ عالم اور فہمید علامہ نوری طبرسی کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور اپنے نظریہ "ولایت فقیہ" پر استدلال کے سلسلہ میں ان کی کتاب "مستدرک الوسائل" کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ (الحکومت الاسلامیہ ص ۶۶) حالانکہ خمینی صاحب جلتے ہیں اور ہر شیعہ عالم کو علم ہے کہ ان علامہ نوری طبرسی نے قرآن کے محرف ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اس کتاب میں انھوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی قابل دید کوشش کی ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی اور ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے اور ہمارے عام علمائے متقدمین کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ اس وقت ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، آگے یہ موضوع مستقل طور پر زیر بحث آئے گا۔ اور اس کتاب "فصل الخطاب" کے وہ اقتباسات ناظرین کرام کے سامنے پیش کیے جائیں گے جو عقیدہ تحریف کے مسئلہ میں فیصلہ کن ہوں گے۔ وبالله التوفیق۔

ایک تازہ انکشاف

خمینی صا اپنی کتاب کشف الاسرار کے آئینہ

روح النبی صا صاحب کے معتقد اور خاص کر حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام سے متعلق ان کے عقیدہ اور رویہ کے بارے میں جو کچھ ناظرین کرام نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا وہ ان کی صرف ایک کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ کی بنیاد پر لکھا گیا تھا۔ یہ راقم سطور نے سنہ رواں ۱۹۸۴ء کے اوائل میں لکھا تھا (اور ماہنامہ الفرقان کے مارچ کے شمارہ میں شائع بھی ہو گیا تھا) اس وقت میرے پاس ان کی صرف یہی ایسی کتاب تھی جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امامت و ولایت کے منصب پر حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کا جابجا اس طرح ذکر کیا تھا جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں دو اور دو چار کی طرح یہ نکلتا تھا کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان تمام صحابہ کرام کو جنھوں نے ان حضرات کو خلیفہ رسول اور امت کا دینی و دنیوی سربراہ تسلیم کر کے ان سے بیعت کی تھی سب (مواذ اللہ) اللہ و رسول کا غدار اور مرتد و منحرف قرار دیا جائے، لیکن جیسا کہ راقم سطور نے عرض کیا تھا خمینی صاحب نے ان سب حضرات پر یہ فرد جرم اس کتاب میں ایسی ہوشیاری اور فن کاری سے لگائی تھی اور ایسی پردہ داری سے کام لیا تھا کہ پوری کتاب میں ان میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں آیا تھا اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ایسا انھوں نے اپنی کس سیاسی

مصلحت سے کیا تھا۔

لیکن ماہِ رِواںِ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ (جون ۱۹۸۳ء) میں اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے مجھے خمینی صاحب کی ایک دوسری کتاب "کشف الاسرار" مل گئی (جس کے متعلق چند ہی روز پہلے معلوم ہوا تھا کہ اس میں انھوں نے عام بد زبان تبرائی شیعوں کی طرح حضراتِ خلفائے ثلاثہ اور دیگر اکابرِ صحابہ پر مشقِ تبرافرمائی ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ نایاب ہے یا نایاب کر دی گئی ہے اور اب کہیں سے اُس کے حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید سے وہ مجھے حاصل ہو گئی) یہ فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی ضخیم کتاب ہے

لے اللہ تعالیٰ کی جس غیبی تائید سے یہ کتاب "کشف الاسرار" راقمِ سطور کو حاصل ہوئی اُس کی شرح و تفصیل یہ ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہمارے عزیزِ فاضل ڈاکٹر سید سلمان ندوی جو ڈیرین یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) میں شعبہ اسلامیات کے صدر ہیں، اُن کے پاس اس کتاب کا نسخہ تھا، جب الفرقان کے مارچ کے شمارے میں خمینی صاحب سے متعلق میرا مضمون ان کی نظر سے گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا فرمایا کہ وہ اس کی فوٹو کاپی مجھ کو بھیج دیں، چنانچہ ڈیرین ہی کے ہمارے ایک مخلص دوست مولانا عبدالحق عمرجی (فاضل دیوبند) کے تعاون سے انھوں نے اس کتاب کی فوٹو کاپی تیار کر کے بھیج دی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو میری اس مدد اور اس دینی خدمت کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اسمِ باسمی کشف الاسرار ہے، خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت حضراتِ خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام کے بارے میں ان کے قلبی عناد اور باطنی کیفیت کو صحیح طور سے اسی کتاب سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس عاجز نے اس کتاب کی دستیابی کو اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید ہی سمجھا ہے۔ فلاحِ الحمد ولہ الشکر

اس میں انھوں نے پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ادعائی انداز میں اپنے ناظرین کو بتلایا ہے کہ خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان) اور ان کے رفقاء تمام اکابر صحابہ (مواذ اللہ) دنیا کے طالب اور انتہائی درجہ کے بدکردار تھے، انھوں نے حکومت اور اقتدار کی طمع ہی میں صرف زبان سے اسلام قبول کیا تھا، یہ صرف ظاہر میں مسلمان لیکن باطن میں کافر اور زندیق تھے۔ یہ اپنے اس مقصد و نصب العین کے لیے ہر کار دینی کر سکتے تھے، اس کے لیے اگر ضرورت ہوتی تو قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے، جھوٹی حدیثیں بھی گھڑ سکتے تھے، اُن کے دل خدا کے خوف سے بالکل خالی تھے اور وہ فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے، وہ اگر یہ دیکھتے کہ یہ مقصد اسلام چھوڑ کے اور الجہل والوہاب کی طرح اس کی دشمنی کا موقف اختیار کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے تو یہ بھی کر گزرتے۔

ہم ذیل میں اس کتاب "کشف الاسرار" کی اصل فارسی عبارتیں درج کریں گے اور فارسی نہ جاننے والے ناظرین کی سہولت فہم کے پیش نظر اردو میں ان عبارتوں کا عام فہم حاصل مطلب ہی لکھیں گے۔

یوں تو اس کتاب میں بیسیوں صفحات مختلف مقالات پر لکھے ہیں جن میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کرام کی شان میں انتہائی درجہ کی دل آزار گستاخیاں کی گئی ہیں۔ لیکن یہاں ہم اُن میں سے صرف ایک ہی بحث کی چند عبارتیں درج کرنا چاہتے ہیں۔ ملحوظ ہے کہ اس مقالہ میں ہمارا مقصد جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت اور ان کے معتقدات سے ناظرین کو صرف واقف کرانا ہے اس لیے ہم صرف ان کی بات ناظرین کے سامنے پیش کریں گے، ان کی غلط سے غلط باتوں کی تردید بھی اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

خمینی صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر "گفتار شیعہ در باب امامت" کا عنوان

گفتار میسر دازیم کہ چرخ خدا اسم امام را بانعرہ شمس نامہ ذکر نکردہ تا خلاف برداشتہ شود و اینہم خونریزی نشود ؛ کشف الاسرار ص ۱۱۲

سوال کا حاصل یہ ہے کہ اگر حضرت علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ معصومین کی امامت کا مسئلہ (خمینی صاحب اور عام شیعوں کے دعوے کے مطابق) از روئے عقل اور از روئے قرآن اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے اور قرآن میں چند جگہ اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تو پھر خدا نے قرآن میں امام کا نام کیوں ذکر نہیں کر دیا ؛ اگر صراحت کے ساتھ امام کا نام قرآن میں ذکر کر دیا جاتا تو اس مسئلہ میں امت میں اختلاف پیدا نہ ہوتا اور جو خونریزیاں ہوئیں وہ نہ ہوتیں۔

خمینی صاحب کے جوابات

خمینی صاحب نے اس سوال کے چند جوابات دیے ہیں، ان میں سے پہلے دو جوابوں کا چونکہ ہمارے موضوع سے خاص تعلق نہیں ہے اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں، تاہم ان کے بارے میں بھی اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ اور ”تحریر الوسیلہ“ کے مطالعے سے (عقیدہ سے قطع نظر) ان کے علم و دانش کے بارے میں جو اندازہ ہوا تھا یہ دو جواب اس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے بلکہ اس بات کی دلیل اور مثال ہیں کہ جب کوئی صاحب علم و دانش آدمی بھی ایک غلط عقیدہ قائم کر لیتا ہے اور اس کی حمایت کے لیے کمر بستہ ہو جاتا ہے تو انتہائی درجہ کی بے تکی جاہلانہ اور سفیہانہ باتیں بھی اس سے سرزد ہوتی ہیں، اگر ہم کو خمینی صاحب پر تنقید اور ان کی تنقیص سے دلچسپی ہوتی تو ہم ان دو جوابوں کو بھی نقل کرتے اور ان پر بحث کر کے ناظرین کو دکھانے کہ خالص علم و دانش کے لحاظ سے یہ دونوں جواب کس قدر لچر اور بے تکی ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا چوں کہ ان کا ہمارے موضوع

سے تعلق نہیں اس لیے ہم نے ان کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

خمینی صاحب نے اس سوال کا تیسرا جواب یہ دیا ہے جس کا ہمارے موضوع سے

تعلق ہے۔

۳۔ آنکہ فرقا در قرآن اسم امام را ہم تعیین میکرد از کجا کہ خلاف بین مسلمانہا واقع نمیشد آنہا نیکہ سالہادر طمع ریاست خود را بدین پیغمبر چہانہ بودند و دستہ بند بہا میکردند ممکن نبود بگفتہ قرآن از کار خود دست بردارند، باہر حیلہ بود کار خود را انجام میدادند بلکہ شاید در اینصورت خلاف بین مسلمانہا طوع میشد کہ بانہدام اصل اسلام منتہی میشد، زیرا کہ ممکن بود آنہا کہ در صدر ریاست بودند چوں دیدند کہ با اسم اسلام نمی شود مقصود خود برسد بکہ حزب بر ضد اسلام تشکیل میدادند..... الخ

کشف الاسرار ص ۱۱۳-۱۱۴

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر بالفرض قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لیے امام کا (یعنی حضرت علی کا) نام بھی ذکر کر دیا جاتا تو یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا کہ اس کے بعد امامت و خلافت کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ جن لوگوں نے حکومت و ریاست کی طمع ہی میں برہمابرس سے اپنے کو دین پیغمبر یعنی اسلام سے وابستہ کر رکھا اور چپکا رکھا تھا اور جو اسی مقصد کے لیے سازش اور پارٹی بندی کرتے رہے تھے، ان سے ممکن نہیں تھا کہ قرآن کے فرمان کو تسلیم کر کے اپنے مقصد اور اپنے منصوبے سے دست بردار ہو جاتے، جس حیلہ اور جس پینترے سے بھی ان کا مقصد (یعنی حکومت و اقتدار) حاصل ہوتا وہ اس کو استعمال کرتے اور بہر قیمت اپنا منصوبہ پورا کرتے۔ بلکہ شاید اس صورت میں مسلمانوں کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہوتا جس کے نتیجہ میں اسلام کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی، کیونکہ ممکن تھا کہ اسلام قبول کرنے سے

جن لوگوں کا مقصد نصب العین صرف حکومت و اقتدار حاصل کرنا تھا، جب وہ دیکھتے کہ اسلام کے نام سے اور اس سے وابستہ رہ کر ہم یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتے تو اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام ہی کے خلاف ایک پارٹی بنالیتے اور اسلام کے کھلے دشمن بن کر میدان میں آجاتے

یہ کن بد بختوں کا ذکر ہے؟

ہمارے بعض بھائی جو شیعہ مذہب واقف نہیں ہیں وہ شاید نہ سمجھ سکے ہوں کہ خمینی صاحب کن بد بخت لوگوں کے بائے میں فرما رہے ہیں کہ وہ حکومت و ریاست ہی کی طمع اور طلب میں اسلام میں دخل ہوئے تھے اور اسی کی امید میں اس سے چپکے رہے اور اگر قرآن میں امت کے امام اور صاحب حکومت کی حیثیت سے حضرت علی کے نام کی صراحت بھی کر دی جاتی تب بھی وہ لوگ اس کو نہ مانتے، یہاں تک کہ اگر وہ دیکھتے کہ اسلام چھوڑ کے اور اس کی دشمنی کا موقف اختیار کر کے وہ حکومت و اقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن بن کر میدان میں آجاتے۔

تو ان ناواقف بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذہب شیعہ کے معروف مسلمات میں سے یہ بھی ہے کہ خلفائے ثلاثہ کا یہی حال تھا۔ حضرت ابو بکر کو ان کے ایک کاہن دوست نے (اور ایک دوسری شیعہ روایت کے مطابق کسی یہودی عالم نے) بتلایا تھا کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے اور ان کی حکومت قائم ہو جائے گی، تم ان کے ساتھ لگ جاؤ گے تو ان کے بعد تم ان کی جگہ حکمراں ہو جاؤ گے تو (معاذ اللہ) ابو بکر نے اس کاہن (یا یہودی) کے کہنے کی بنیاد پر حکومت ہی کی طمع میں بظاہر سلام قبول کیا تھا۔ ”حملہ حسد“

کا مصنف باذل ایرانی، کاہن والی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔
 باوکا ہنے دادہ بود یک خبر کہ مبعوث گردد یکے نامور
 ز بطحا زمیں درہیں چند گاہ بود خاتم انبیائے اللہ
 تو با خاتم انبیاء بگر وی چو او بگذرد جانشینش شوی
 ز کاہن چو بودش بیا دایں نوید بیا و زایاں نشاں چوں بدید
 (حملہ حیدری ص ۱۴۔ بحوالہ آیات بینات ص ۸۲)

اور اسی حملہ حیدری میں ہے۔

خبر دادہ بودند چوں کاہناں کہ دین محمد بگیسرد جہاں
 ہمہ پیر و انش بعزت اسند تمام اہل انکار ذلت کشند
 یکے کہ دازیں راہ ایماں قبول یکے محض بہر خدا و رسول

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت سے پہلے
 ایک کاہن نے ابوبکر کو اپنے فن کہانت کے حجاب سے بتلایا تھا کہ قریبی زمانہ میں مکہ
 کی سرزمین سے ایک نبی اٹھے گا جو خاتم الانبیاء ہوگا، اس کا دین دنیا میں پھیل
 جائے گا، اس کے ماننے والوں کو عزت و سر بلندی نصیب ہوگی اور اس کے منکر ذلیل
 و خوار ہوں گے۔ اے ابوبکر تم اس کے ساتھ لگ جاؤ گے تو اس کے انتقال کے
 بعد تم ہی اس کے جانشین ہو جاؤ گے۔ ابوبکر کو کاہن کی یہ بات یاد تھی اس لیے

۱۔ (گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) حملہ حیدری شیعہ حضرات کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے۔ شیعہ نقطہ نظر
 کے مطابق تاریخ اسلام کا منظوم دفتر ہے۔ اس کا مصنف باذل ایرانی بڑا قادر الکلام شاعر ہے۔ یہ کتاب
 ہندوستان میں پہلی بار تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ۱۲۶۶ء میں مطبع سلطانی لکھنؤ میں اس دور کے مجتہد
 اعظم سید محمد صاحب کی اصلاح اور تحشیہ کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ ایمان لا کے اُن کے ساتھ ہو گئے۔

اور شیعوں کے معروف مصنف علامہ باقر مجلسی نے رسالہ رجعیہ میں بارہویں امام معصوم (امام مہدی) کی طرف نسبت کر کے ان کا ارشاد نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

ایشان اندوئے گفت یہود

انھوں نے یہود کے بتلانے کے

مطابق کلمہ توحید اور کلمہ رسالت زبان

سے پڑھ لیا تھا اس لالچ اور دل میں کہ

شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکومت

اور اقتدار ان کو دے دیں اور اپنے

باطن میں اور دل میں یہ کافر ہی تھے۔

بحوالہ آیات بیانات ۸۶-۸۵

بہر حال خمینی صاحب نے اپنی چند بالا عبارت میں حضرت خلفائے ثلاثہ اور اُن کے

رفقاء کا تمام اکابر صحابہ ہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے سے

ان کا مقصد صرف حکومت و اقتدار حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے یہ قرآن کے صریح

فرمان کی مخالفت کر سکتے تھے اور اگر یہ دیکھتے کہ یہ مقصد اسلام چھوڑ کے اور (الوجہل

والولہب کی طرح) اس کی دشمنی کا موقف اختیار کر کے حاصل ہو سکتا ہے تو یہ لوگ

بے دریغ یہ بھی کر گزرتے (آگے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے خمینی صاحب نے حضرات

ضنیین کا نام لے کر بھی مشق تبرافرمائی ہے جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔)

۱۔ چونکہ اس وقت ہمارا اصل خطاب اہلسنت سے ہے اس لیے ہم ان خرافات کی تردید میں کچھ کہنے کی ضرورت

نہیں سمجھتے، ہمیں یقین ہے کہ ہر مسلمان بلکہ وہ غیر مسلم بھی جو اسلام اور اس کی تاریخ کے بارے میں کچھ

جانتے ہیں ان خرافات کو خرافات ہی سمجھیں گے۔ فانلھما اللہ انی یوفون

یہاں تک خمینی صاحب کے جواب ۳ پر گفتگو ہوئی۔ اب ناظرین کرام ان کا جواب ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ آنکہ ممکن بود در صورتیکہ امام را در قرآن ثبت میکردند آنہا نیکہ جز برائے دنیا و ریاست با اسلام و قرآن سروکار نہ داشتند و قرآن را وسیلہ اجرائے نیات فاسدہ خود کردہ بودند آں آیات را از قرآن بردارند و کتاب آسمانی را تحریف کنند و برائے ہمیشہ قرآن را از نظر جہانیاں بنیند از دنیا روز قیامت ایں ننگ برائے مسلمانہا و قرآن آنہا بماند و ہما عبے را کہ مسلماناں بکتاب ہود و نصاریٰ میگرفتند عینا برائے خود اینہا ثابت شود۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

خمینی صاحب کے اس جواب ۴ کا حاصل یہ ہے کہ — اگر اللہ تعالیٰ قرآن میں امام کا نام بھی صراحتہ ذکر فرمادیتا تو جن لوگوں نے اسلام اور قرآن سے صرف دنیا اور حکومت ہی کے لیے تعلق قائم کیا تھا اور قرآن کو انھوں نے اپنی اغراض فاسدہ کا ذریعہ اور وسیلہ بنالیا تھا اور اس کے سوا اسلام اور قرآن سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا ان کے لیے بالکل ممکن تھا کہ اُن آیتوں کو (جن میں امام کا نام ذکر کیا گیا ہوتا) وہ قرآن سے نکال دیتے اور اس مقدس آسمانی کتاب میں تحریف کر دیتے اور قرآن کے اس جھڈ کو ہمیشہ کے لیے دنیا والوں کی نظر سے غائب کر دیتے اور روز قیامت تک مسلمانوں اور ان کے قرآن کے لیے یہ بات باعث شرم و عار ہوتی اور مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے بار میں تحریف کا جو اعتراض کیا جاتا ہے وہی اعتراض اُن پر اور اُن کے قرآن پر عائد اور وارد ہوتا —

خمینی صاحب کے جواب ۳ کی وضاحت کرتے ہوئے اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بعد اس جواب ۴ پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس میں خمینی صاحب نے اپنے

اس عقیدہ کا عام تہرانی شیعوں کی طرح صفائی سے اظہار فرمایا ہے کہ حضرت خلفائے ثلاثہ اور ان سے بیعت کر کے مخلصانہ تعاون کرنے والے تمام ہی صحابہ کرام نے (مواد شہد) صرف دنیا اور حکومت و ریاست کی طمع میں اسلام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق جوڑا تھا اور وہ اپنے اس مقصد کے لیے ہر ناکردنی کر سکتے تھے یہاں تک کہ قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے۔ اس کے بعد خیمینی صاحب کا جواب یہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۵۔ فرضاً کہ بیچ یک ازیں امور نئی شد باز خلاف از بین مسلمانہا بر نمی خواست زیرا ممکن بود آل حزب ریاست خواہ کہ از کار خود ممکن نبود دست بردارند فوراً ایک حدیث پیغمبر اسلام نسبت دہند کہ نزدیک رحلت گفت ام شہا بشوری باشد، علی بن ابی طالب را خدا ازیں منصب خلع کرد۔ کشف الاسرار ص ۱۱۴

خیمینی صاحب کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ اگر قرآن میں صراحت کے ساتھ امام اور ولی الامر کی حیثیت سے حضرت علی کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا اور جواب ۲ و ۴ میں ہم نے جن باتوں کا ذکر کیا ان میں سے بھی کوئی بات ظہور میں نہ آتی اور قرآن میں تحریف بھی نہ کی جاتی اور وہ آیت جوں کی توں قرآن میں موجود ہوتی جس میں علی بن ابی طالب کی امامت کی صراحت کی گئی ہوتی تب بھی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ امامت و خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں میں وہ اختلاف نہ ہوتا جو ہوا۔ کیونکہ جو پارٹی (یعنی معاذ اللہ ابو بکر و عمر کی پارٹی) صرف حکومت و اقتدار کی طالب تھی اور اسی کی طمع اور امید میں اُس نے اپنے کو اسلام کے ساتھ چپکایا تھا، ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن کی اس آیت کی وجہ سے اپنے مقصد سے دستبردار ہو جاتی، وہ لوگ فوراً ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے پیش کر دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ تمھاری امارت و حکومت کا معاملہ باہمی مشورہ سے طے ہوگا۔ علی بن ابی طالب کو خدا نے امامت کے منصب سے معزول کر دیا ہے۔ خمینی صاحب کا یہ جواب بھی ان کے باطن کا پورا آئینہ دار ہے اور کسی وضاحت اور تبصرہ سے بے نیاز ہے۔

اس جواب ۵ کے بعد خمینی صاحب نے حضرات شیخین کا نام لے کر مشق تبرّافرمائی ہے۔ پہلے عنوان قائم فرمایا ہے ”مخالفتہائے ابوبکر بالفرض قرآن“ اس کے بعد دوسرا عنوان قائم کیا ہے ”مخالفت عمر باقرآن خدا“ پہلے عنوان کے تحت فرمایا ہے۔ ”شاید بگوئید اگر رد قرآن امامت تصریح میسر شیخین مخالفت نمیکردند و فرضاً انہا مخالفت میخواستند بکنند مسلمانہا ز آئینہا نمی پذیرفتند۔ ناچار دریں مختصر چند مادہ از مخالفتہائے انہا بصریح قرآن ذکر میکنیم تا روشن شود کہ انہا مخالفت نمیکردند ہم میپذیرفتند۔“

کشف الاسرار ص ۱۱۵

مطلب ہے کہ اگر آپ کہیں کہ قرآن میں اگر صراحت کے ساتھ حضرت علی کی امامت و ولایت کا ذکر کر دیا جاتا تو شیخین (ابوبکر و عمر) اُس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے، اور اگر بالفرض وہ اس کے خلاف کرنا چاہتے تو عام مسلمان قرآن کے خلاف ان کی اس بات کو قبول نہ کرتے اور ان کی بات نہ چل سکتی۔ (خمینی صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ خیال اور یہ خوش گمانی غلط ہے) ہم اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں کہ ابوبکر نے اور اسی طرح عمر نے قرآن کے صریح احکام کے خلاف کلام اور فیصلے کیے اور عام مسلمانوں نے ان کو قبول بھی کر لیا۔ کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اس کے بعد خمینی صاحب نے (اپنے خیال کے مطابق) اس کی تین مثالیں حضرت

ابو بکر صدیق سے متعلق پیش کی ہیں ان میں پہلی مثال غالباً سب سے زیادہ وزنی سمجھ کر خمینی صاحب نے یہ پیش فرمائی ہے کہ قرآنی آیات اور اس کے بیان فرمائے ہوئے قانون وراثت کی رو سے آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا آپ کے ترکہ کی وارث تھیں لیکن ابو بکر نے خلیفہ ہونے کے بعد صریح قرآنی حکم کے خلاف ان کو ترکہ سے محروم کر دیا اور رسول خدا کی طرف سے یہ حدیث گھڑ کے لوگوں کے سامنے پیش کر دی۔

”انا معشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقة“ (کشف الاسرار ص ۱۱۵) ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے)

خمینی صاحب نے ابو بکر صدیق کی مخالفت قرآن کی یہ پہلی مثال پیش فرمائی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں خمینی صاحب کی باتوں کا جواب دینا اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے تاہم یہاں اتنا اشارہ کر دینا ہم نامناسب نہیں سمجھتے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے یہ حدیث بیان فرما کر خود اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ کو بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی وارث تھیں آپ کے ترکہ سے ان کا حصہ نہیں دیا۔ (اس مسئلہ کی پوری بحث نواب محسن الملک رحمہ اللہ کی ”آیات بینات“ میں دیکھی جاسکتی ہے)

صدیق اکبر کی مخالفت قرآن کی خمینی صاحب کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ پہلی مثال تھی۔ باقی دو مثالیں بھی اسی طرح کی ہیں۔ اس کے آگے خمینی صاحب نے ”مخالفت عمر باقرآن خدا“ کا عنوان قائم کر کے چار مثالیں حضرت عمر سے متعلق ذکر کی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی مثال (غالباً اپنے دعوے کی سب سے زیادہ روشن اور وزنی دلیل سمجھتے ہوئے) خمینی صاحب نے یہ پیش فرمائی ہے کہ متعہ کو قرآن میں

جائز قرار دیا گیا تھا، عمر نے قرآنی حکم کے خلاف اس کو حرام قرار دے دیا۔ — باقی
تین مثالیں بھی اسی طرح کی اور اسی وزن کی ہیں۔ ط

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حقیقت یہ ہے کہ یہ مثالیں ہی حضرات شیخین اور عام صحابہ کرام کے خلاف جنبی
صاحب کے قلبی عناد کی دلیلیں ہیں۔ — اور چوں کہ یہ سب وہی گھسے پٹے مطاعن
اور مباحث ہیں جن پر گزشتہ سات آٹھ صدیوں میں عربی، فارسی اور اردو میں بھی
بلابالغہ سیکڑوں نہیں، ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں اور مضامین و مقالات لکھے
حاجکے ہیں، اس لیے ہم نے ان مثالوں کا ذکر کرنا اور ان پر تبصرہ کرنا غیر ضروری سمجھا
نیز یہ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے لے کر ہماری چودھویں
صدی کے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی تک اہل سنت کے متکلمین
و مصنفین نے ان موضوعات پر جو کچھ لکھا ہے (جو بجائے خود ایک وسیع کتب خانہ ہے)
راقم سطو کے نزدیک اس پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔

علاوہ ازیں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ہمارے اس مقالہ کا موضوع
شیعوہ سنی اختلافی مسائل پر بحث مباحثہ نہیں ہے۔ اس میں ہمارا خطاب اہل سنت

لے ہمارے اکثر ناظرین واقف نہ ہوں گے کہ متعہ شیعہ مذہب میں صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے
بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے تفسیر سراج الصادقین میں رسول خدا صلعم کی طرف نسبت کر کے حدیث نقل کی گئی ہے۔

من نتم مرقۃ فذبحۃ کدجۃ الحسنؑ
ومن نتم مرتین فذبحۃ کدجۃ الحسنؑ
ومن نتم ثلث مرات فذبحۃ کدجۃ علیؑ
ومن نتم اربع مرات فذبحۃ کدجۃ جعفرؑ
جو ایک دفعہ متعہ کے وہ امام حسینؑ کا درجہ پائے گا اور
جو دو دفعہ متعہ کے وہ امام حسنؑ کا اور تین دفعہ متعہ
کے وہ امیر المومنینؑ کا درجہ پائے گا اور چار دفعہ
متعہ کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ
پائے گا (نور الدین)

(سراج الصادقین جلد اول ص ۳۵۶)

ہی سے، خاص کر اُن پڑھے لکھے اور دانشور کہلائے جانے والے حضرات سے ہے جو اُس پروپیگنڈے سے متاثر نہیں جو ایرانی سفارتخانوں اور اُن کے ایجنٹوں کے ذریعہ خمینی صاحب کی شخصیت کے بارے میں کیا جا رہا ہے کہ وہ شیعہ سنی اختلاف سے بالاتر ملکہ بنزار ہیں، وحدت اسلامی کے داعی ہیں، حضرات خلفائے راشدین کا احترام کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو وہ شیطان قرار دیتے ہیں جو شیعہ سنی اختلاف کی بات کریں۔ یہ پروپیگنڈا (جو سو فیصد تقیہ اور جھوٹ پر مبنی ہے) اس طرح کیا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان کی پوری فضا اس سے بھر دی گئی ہے۔ الغرض اس مقالہ میں ہمارا خاص خطاب اہل سنت میں سے انہی حضرات سے ہے جو حقیقت سے ناواقف اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس پروپیگنڈے پر یقین کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد انہی حضرات کو خمینی صاحب کی حقیقت اور حضرات خلفائے راشدین

۱۔ ہندستان و پاکستان کے ایرانی سفارتخانوں اور اُن کی ایجنسیوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ اخبارات و رسائل اور ایجنٹوں کی شکل میں اردو زبان میں جو پروپیگنڈہ اس سلسلے میں کیا جا رہا ہے اس کا حال تو کسی تفصیل سے معلوم ہے۔ لیکن یورپ، امریکہ، افریقہ جیسے ممالک کے بارے میں خطوط اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کی زبانوں میں یہ پروپیگنڈہ اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانے پر کیا جا رہا ہے اور عام طور سے پڑھے لکھے مسلمان جو حقیقت سے بالکل واقف نہیں اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر خمینی صاحب کے بارے میں ایسا ہی یقین رکھتے ہیں۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ تقیہ (یعنی جھوٹ بول کر دوسروں کو دھوکہ دینا) شیعہ مذہب میں صرف جائز نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور ائمہ معصومین کی سنت ہے۔ مذہب شیعہ کی معتبر کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ سنیوں کے ساتھ جماعت میں ان کے امام کے پیچھے ازراہ تقیہ جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہوگا (من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۲۴) تقیہ کے موضوع پر انشاء اللہ آگے تفصیل سے لکھا جائے گا۔

اور عام صحابہ کرام اور اہل سنت کے بارے میں ان کے خیالات اور موقف سے واقف کرانا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عقلیں مسخ نہیں کر دی گئی ہیں اور ہدایت سے محرومی کا فیصلہ نہیں کر دیا گیا ہے تو خمینی صاحب کی جو عبارتیں ان صفحات میں ان کی کتاب "کشف الاسرار" سے نقل کی گئی ہیں وہی اس مقصد کے لیے کافی ہیں۔

ہاں اس سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم کی شان میں خمینی صاحب کا ایک انتہائی دل آزار اور دلخراش جملہ ہم دل پر جبر کر کے ان فریب خوردہ حضرات کی عبرت و بصیرت کے لیے اول نقل کرتے ہیں۔

خمینی صاحب نے "مخالفت عمر باقرآن خدا" کے عنوان کے تحت، سب سے آخر میں "حدیث قطاس" کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ کلام میں فاروق اعظم کی شان میں اُن کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"ایں کلام یا وہ کہ از اہل کفر و فتنہ ظاہر شدہ مخالفت است
بآیات از قرآن کریم۔" (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

اس جملہ میں حضرت فاروق اعظم کو مراحمۃ کافرو زندقہ قرار دیا گیا ہے۔ خمینی صاحب کی اس گستاخی پر لکھنے کو تو بہت کچھ دل چاہتا ہے لیکن اس سے اپنے غیظ و غضب کے اظہار کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے اس کا انتقام "عزیز و انتقام" ہی کے پردے کرتے ہیں۔

خمینی صاحب نے اس بحث کے آخر میں ایک عنوان قائم فرمایا ہے:
نتیجہ سخن ماوریں بارہ (یعنی شیخین کی طرف سے قرآن کی مخالفت کے بارے میں ہماری مندرجہ بالا گفتگو کا نتیجہ) اس عنوان کے تحت خمینی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

از مجموعہ ایں مادی معلوم شد مخالفت کردن - شیخین از قرآن در حضور
مسلمانان یک امر خبیہ منہ نہ بود و مسلمانان نیز یاد اخل در غیب خود آنها
بودہ و در مقصود با آنها بودند، و یا اگر ہمراہ نبودند جرأت حرف زدن در مقابل
آنها کہ با پیغمبر خدا و دختر او ایں طور سلوک میکردند نداشتند، و یا اگر گاہی
یکی از آنها یک حرفے میزد سخن او ارجے نمیگزاشتند و جملہ کلام آنکہ اگر در
قرآن ہم ایں امر با صراحت لہجہ ذکر میشد باز آنها دست از مقصود خود بر نمیداشتند
و ترک ریاست بلکہ گفتہ خدا نمی کردند - منتہا چوں ابو بکر ظاہر سازیش
بیشتر بود با یک حدیث ساختگی کار را اتمام میکرد چنانچہ راجع بآیات ارت
دیدید و از عمر ہم استنباطے نداشت کہ آخرام بگوید خدا یا جبریل یا پیغمبر
فرستادن یا آوردن ایں آیت اشتباہ کردند و مجبور شدند، آنگاہ
سنان نیز از جملے برخاستند و متابعت او را میکردند چنانچہ در ایں ہمہ
تغییرات کہ در دین اسلام داد متابعت از کردند و قول او را آیات قرآنی
و گفتہای پیغمبر اسلام مقدم داشتند - کشف الاسرار ص ۱۱۹-۱۲۰

خمینی صاحب نے اس طول طویل عبارت میں اپنے ناظرین کے سامنے اس بحث
کا نتیجہ اور خلاصہ پیش کیا ہے جو انھوں نے شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر) کی مخالفت
قرآن کے بارہ میں کی ہے، (جو ہماری ناظرین کرام نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ
فرمائی) خمینی صاحب کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ابو بکر و عمر کی مخالفت
قرآن کی جو مثالیں پیش کی ہیں ان سے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کی موجودگی میں اور
علانیہ ان کے سامنے صریح قرآنی احکام کے خلاف رویہ اختیار کرنا ان دونوں کے لیے
کوئی اہم اور غیر معمولی بات نہیں تھی، اس وقت کے مسلمانوں (یعنی صحابہ) کا حال
یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی پارٹی میں شامل اور حکومت و اقتدار طلبی کے ان کے مقصد و

نصب العین میں اُن کے ساتھ شریک اُن کے رفیق کار اور پورے ہمنوا تھے، یا اگر ان کی پارٹی میں شامل اور ان کے پورے ہم فوا نہیں تھے تو بھی ان کا حال یہ تھا کہ وہ ان جفا پیشہ طاقتور منافقین کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے جو خود رسول خدا اور آپ کی لخت جگر فاطمہ زہرا کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر چکے تھے، وہ ان سے ڈرتے تھے اس وجہ سے اُن کے خلاف زبان کھولنے کی ان میں جرأت و ہمت ہی نہیں تھی، اور اگر اُن میں سے کوئی بات کرنے کی ہمت

لے اس ظالمانہ سلوک سے خمینی جتنا کا اشارہ اُن شعبی روایات کی طرف مہجرت میں بیان کیا گیا ہے کہ (معادۃ شیعہ) شیعین اور ان کی پارٹی کے خاص ساتھیوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسی ایذا میں پہنچائیں اور کیسے کیسے ستایا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی لخت جگر فاطمہ زہرا کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک کیا، ابو بکر نے ان کو باپ کے ترکہ سے محروم کیا اور (معادۃ الشیعہ) عمر نے ان کے بازو پر ایسا تازیانہ مارا جس سے ان کا بازو سوج گیا، اور گھر کا دروازہ ان پر گرا دیا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور پیٹ میں جو بچہ تھا جس کا نام پیدائش سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحسن رکھ گئے تھے وہ شہید ہو گیا۔ یہ (خرافات) روایت ملا باقر مجلسی نے "جلاۃ العیون" میں ذکر کی ہے (اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ کے حصہ اول صفحہ ۱۷۲ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے) اور واضح رہے کہ خمینی صاحب نے اپنی اس کتاب کشف الاسرار کے ص ۱۱۱ پر مجلسی کی کتابوں کو معتبر قرار دیکر اُن کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ نیز یہ روایت شیعوں کے مسلک کی معتبر ترین کتاب احتجاج طبرسی ص ۴۷ میں بھی ہے۔ علاوہ ازیں خود خمینی صاحب نے حضرت عمر کے بارے میں کشف الاسرار ہی میں لکھا ہے کہ انھوں نے رسول خدا کے آخری وقت میں آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی کہ روح پاک کو انتہائی صدمہ ہوا اور آپ اسی صدمہ کو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ (ص ۱۱۹) اور اسی کشف الاسرار میں حضرت عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے رسول خدا کے گھر میں آگ لگائی (درخانہ پیغمبر آتش زد

۱۱۱) معادۃ الشیعہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲

بھی کرتا اور کچھ بولتا تو وہ اس کی کوئی پروا نہ کرتے اور جو کرنا ہوتا وہی کرتے۔
 حاصل یہ کہ اگر قرآن میں امامت کے منصب کے لیے حضرت علی کے نام کی صراحت بھی کر دی
 گئی ہوتی تب بھی یہ لوگ شیخین اور ان کی پارٹی، اللہ کے فرمان کی وجہ سے حکومت
 پر قبضہ کرنے کے اپنے مقصد اور منصوبے سے ہرگز دستبردار نہ ہوتے، ابوبکر جنہوں نے پہلے سے
 پورا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، قرآن کی اُس آیت کے خلاف ایک حدیث گھڑ کے پیش
 کر دیے اور معاملہ ختم کر دیتے جیسا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی میراث سے محروم کرنے کے لیے کیا۔ اور عمر سے بالکل بعید نہیں تھا کہ وہ (اس
 آیت کے بارے میں جس میں صراحت کے ساتھ امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی
 کا ذکر کیا گیا ہوتا) یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دینے کہ یا تو خود خدا سے اس آیت کے نازل کرنے
 میں یا جبریل یا رسول خدا سے اس کے پہنچانے میں بھول چوک ہو گئی، اُس وقت سنی
 لوگ بھی ان کی تائید کے لیے کھڑے ہو جاتے اور خدا کے فرمان کے مقابلہ میں ان ہی
 کی بات مانتے۔ جیسا کہ ان ساری سیدیوں کے بارے میں ان کا رویہ ہے جو
 عمر نے دین اسلام اور اُس کے احکام میں کی ہیں، ان سب میں سنیوں نے قرآنی آیات
 اور رسول خدا کے ارشادات کے مقابلہ میں عمر کی بات ہی کو مقدم رکھا ہے اور اسی کی
 پیروی کر رہے ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے بارے میں:

شاید ناظرین نے بھی محسوس کیا ہو کہ حضرات شیخین، عام صحابہ کرام اور اس کے
 آگے اُن کے متبعین اولین و آخرین اہل سنت کے بارے میں تو خمینی صاحب نے
 اس موقع پر اپنے خیالات و تحقیقات کا اظہار فرمایا لیکن خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ
 کا کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خمینی صاحب کے نزدیک

وہ (معاذ اللہ) اس درجہ کے مجرم ہیں کہ ان کو اور ان کے ساتھ حضرت معاویہؓ کو انھوں نے
 یزید کے ساتھ مجرمین کے کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔ اسی کتاب "کشف الاسرار" میں
 مندرجہ بالا بحث سے چند صفحے پہلے یہ مضمون لکھنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
 کو بھیج کر دین اسلام کی، اور خداوندی قانون کے مطابق ایک حکومت عادلہ کی
 تعمیر و تکمیل کرائی اور یہ عمارت مکمل ہو گئی، تو عقل کا تقاضا ہے کہ وہ خدا اُس کی بقا
 اور حفاظت کا بھی انتظام کرے اور اپنے پیغمبر ہی کے ذریعہ اس کے ہائے میں ہدایت
 دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا، تو وہ اس کا مستحق نہیں کہ اس کو خدا مان کر ہم اس کی پرستش
 کریں۔ اگے اسی سلسلہ میں خمینی صاحب نے لکھا ہے۔

ماخذائے پرستش میکنیم و میشناسیم کہ کار ہائش براساس عقل پائیدار
 و بخلاف گفتہ عقل هیچ کاسے نہ کند نہ آں خدائے کہ بنائے مرتفع
 از خدا پرستی و عدالت و دینداری بنا کند و خود بخوابی آں بکوشد و زیر معاویہ
 و عثمان و ازیں قبیل چپا و لچی ہائے دیگر ابروم امارت دہد۔
 (کشف الاسرار ص ۱۸)

مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے خدا کی پرستش کرتے اور اسی کو مانتے ہیں جس کے سائے
 کا عقل و حکمت کے مطابق ہوں۔ ایسے خدا کو نہیں جو خدا پرستی اور عدالت و
 دینداری کی ایک عالی شان عمارت تیار کرائے اور خود ہی اس کی بربادی کی کوشش
 کرے کہ یزید و معاویہ اور عثمان جیسے ظالموں بد قماشوں کو امارت اور حکومت سپرد
 کرے۔

اس وقت ہم کو اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے ناظرین کو صرف یہ بتلانا ہے کہ
 حضرت عثمان بھی (جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے
 دو صاحبزادیوں کا نکاح کیا اور یہ شرف اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں) خمینی صاحب

کے نزدیک اس درجہ کے مجرم ہیں۔ (کبرت کلمۃ تخرج من افواہم)

اب رہ گئے بس حضرت علیؓ اور ان کے تین یا چار ساتھی (حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود اور ایک روایت کے مطابق چوتھے عمار بن یاسر بھی) اس وقت کے ایک لاکھ سے اوپر مسلمانوں میں شیعہ روایات کے مطابق بس یہی پانچ حضرات تھے جو منافق نہیں تھے مومن صادق تھے، اور وفات نبوی کے بعد بھی یہ ثابت قدم رہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پانچ نفری جماعت میں قائد اور امیر کی حیثیت حضرت علیؓ ہی کی تھی باقی چار اُن کے متبع اور پیروکار تھے۔ لیکن (شیعی روایات اور خمینی صاحب کے بیان کے مطابق) اُن کا بھی حال یہ تھا کہ یہ جاننے کے باوجود کہ ابوبکر (معاذ اللہ) مومن نہیں منافق ہیں اور انھوں نے صرف حکومت اور اقتدار کی طرح اور ہوس میں اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چپکار رکھا تھا، اور (معاذ اللہ) یہ ایسے بدکار ہیں کہ حکومت طلبی کے مقصد کے تقاضے سے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے ہیں، اور اس کے بعد بھی آگے یہ کہ اگر کسی وقت یہ محسوس کریں کہ اسلام چھوڑ کے (اور ابوجہل و ابولہب کی طرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے ہی یہ حکومت و اقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو یہ بھی کر گزریں گے۔ (بہر حال ابوبکر کے بارے میں یہ سب کچھ جاننے کے باوجود) حضرت علیؓ نے دباؤ کی مجبوری سے تقیہ کا راستہ اختیار کر کے ان کی بیعت کی اور اُن کے ساتھ اُن کے چاروں ساتھیوں نے بھی اسی طرح تقیہ کا راستہ اختیار کر کے ضمیر کے خلاف ان کی بیعت کی۔ شیعہ حضرات کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ہے۔

ما من الامة احدٌ سوائے علی کے اور ہمارے ان چاروں
بایع مکرھا غیر علی کے امت میں سے کسی نے ابوبکر کی

واربعثنا (۴۷) بیعت زور اور زبردستی سے مجبور ہو کر

نہیں کی (یعنی ان کے سوا سب مسلمانوں نے ان کی بیعت بڑھا اور غبت کی)۔

پھر شیعہ مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی، ابوبکر کی پوری مدت خلافت میں اس تفسیر ہی کی روش پر قائم رہے، دن میں پانچ وقت اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، اور امور خلافت میں برابر تعاون کرتے رہے۔ پھر یہی رویہ ان کا حضرت عمر کے قریباً دس سالہ دور خلافت میں اور اس کے بعد حضرت عثمان کے قریباً بارہ سالہ دور خلافت میں بھی رہا۔ — الغرض خلفائے ثلاثہ کے پورے ۲۴ سالہ دور خلافت میں وہ اسی روش پر قائم رہے، انھوں نے کبھی جمعہ یا عیدین یا حج کے جیسے مجامع میں امامت و خلافت کے مسئلہ میں اپنے اختلاف کا اظہار نہیں کیا، ان کا رویہ تعاون اور وفاداری ہی کا رہا۔

پھر شیعہ روایات میں اُس جبر اور زبردستی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے جس سے مجبور ہو کر حضرت علی نے بیعت کی تھی، وہ بڑی ہی شرمناک اور خود علی مرتضیٰ کے حق میں انتہائی توہین آمیز ہے۔ — احتجاج طبرسی کی جس روایت میں اس جبری بیعت کا ذکر کیا گیا ہے اسی میں ہے کہ ”حضرت علی کے گلے میں رسی ڈال کر گھر سے گھسیٹ کے ابوبکر کے پاس لایا گیا اور وہاں عمر اور خالد بن ولید وغیرہ تلواریں لیے کھڑے تھے اور (معاذ اللہ) عمر نے دھمکی دی کہ بیعت کرو ورنہ سر قلم کر دیا جائے گا، اس طرح ان کو مجبور کیا گیا تب آخر الامر انھوں نے بیعت کی“ — (ملخصاً، احتجاج طبرسی ص ۴۷ و ۴۸)

حیرت ہے کہ ان شیعہ مصنفین نے یہ خرافاتی روایت جس میں حضرت علی کی سخت ترین توہین و تذلیل کی گئی ہے اور ان کو انتہائی بزدل اور پست کردار دکھایا گیا ہے، اپنی تصنیفات میں شامل کرنا کس طرح مناسب سمجھا۔ ہمارے نزدیک تو اس کی

کوئی معقول توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ حضرات شیخین کی عداوت اور انکو ظالم و جابر ثابت کرنے کا جذبہ ان پر ایسا غالب آیا کہ وہ اس کو سوچ ہی نہ سکے کہ اس روایت سے خود حضرت علی کی تصویر کتنی خراب بنتی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ تو امت کے سابقین اولین میں ہیں، ان میں خداداد غیر معمولی طاقت و شجاعت اور فطری غیرت و حمیت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تربیت کے فیض سے عزیمت و قربانی، راہ حق میں جان بازی اور شوق شہادت کے اوصاف مثالی حد تک اسخ ہو گئے تھے، ان کے بارے میں ایسی بزدلی اور رپت کرداری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعد کے دور میں بھی اس

امت میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے کلمۂ حق عند سلطان جائز کے جہاد کی تابناک مثالیں قائم کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے خلیفہ وقت کی خواہش و فرمائش کو پورا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کے نزدیک غلط اور خلاف دیانت تھی اور اس کی پاداش میں جیل جانے کو پسند کیا اور جیل کی سختیاں جھیلیں۔ امام مالک کو اس وقت کے عباسی حکمران نے طلاق منکرہ کا مسئلہ بیان کرنے سے منع کیا، انہوں نے اس پابندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، حکومت کی طرف سے ان کو سخت ترین سزا دی گئی اور اونٹ پر سوار کر کے مجرموں کی طرح ان کو گشت کرایا گیا تاکہ لوگ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا اور کیسا ہی مقتدا ہو اگر وہ حکمران کی بات نہیں مانے گا تو اس کا یہ حشر ہوگا! لیکن امام مالک اس گشت ہی کے دوران پکار پکار کر کہتے تھے۔

من عرفنی فقد عرفنی، و (جو مجھے پہچانتا ہے وہ جانتا ہے اور جہلیا
من لم یعرفنی فانا مالک بن پہچانتا اسکو میں بتاتا ہوں کہ میں مالک بن
انس اول، طلاق المکرر لیس شی انس بن لو میں کہتا ہوں اور نفوی بتا ہوں)

(جو ان کی طلاق کہتا ہے)

پھر اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کو خلیفہ وقت نے مجبور کیا کہ وہ "مخلوق قرآن" کے مسئلہ میں اس کے مسلک سے اتفاق اور اس کی ہمنوائی کریں، اس کے خلاف اپنے مسلک کا اظہار نہ کریں۔ لیکن جب امام مہدؒ نے اس سے انکار کر دیا تو ان پر جلاوت مسلط کر دیے گئے جو کوڑے برساتے تھے اور امام کے جسم سے خون کے فوائے چھوٹتے تھے، اس وقت بھی وہ پکار کر یہی کہتے تھے "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" (قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں)۔

یہ تو اسلام کی ابتدائی صدیوں کی مثالیں ہیں، ہر دور میں امت میں ایسے صحابہ عزیمت و استقامت پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، اور خود ہمارا دور بھی اس طرح کی مثالوں سے خالی نہیں رہا۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں فتح حاصل کرنے کے بعد برطانوی حکومت اس کا ثبوت پیش کر چکی تھی کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، ٹھیک اسی زمانے میں اسی حکومت کے خلاف ہمارے اسی ملک ہندوستان میں تحریک خلافت اٹھی، اللہ تعالیٰ کے ہزاروں باتوفیق بندے انگریزوں کی حکومت میں رہ کر انگریزی حکومت کے خلاف یہ جاننے کے باوجود باغیانہ تقریریں کرتے تھے کہ ہم اس کے نتیجے میں جیل بھڑال دیے جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوتا تھا (اس وقت کی جیل گویا اس دنیا کا جہنم تھی) اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ انھوں نے ایک تقریر میں اعلان کیا کہ انگریزی حکومت کی فوج کی ملازمت حرام ہے۔ ان کی اس تقریر پر مقدمہ چلا جو کراچی کے مقدمہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ عدالت کی طرف سے ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے یہ تقریر کی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ، ہاں! میں نے ایسا ہی کہا تھا، اور اب پھر کہتا ہوں کہ انگریزی حکومت کی فوج کی ملازمت حرام ہے۔"

جیسا کہ ہونا چاہیے تھا، عدالت کی طرف سے انہیں قید کا حکم سنایا گیا، اور وہ قید میں رہے۔

بہر حال شیعی روایات کا یہ بیان اور شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ کہ حضرت علی نے دباؤ اور دھمکی سے مجبور ہو کر ایسے شخص کی بیعت کی جس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ مومن نہیں منافق ہے اور اس کے بعد ان کا رویہ بھی بظاہر وفاداری اور تعاون کا رہا اور پھر خلفائے ثلاثہ کے پورے ۲۳ سالہ دور میں تقیہ کے نام سے یہی روش ان کی رہی۔ ہمارے نزدیک عقل و نقل کے لحاظ سے قطعاً غلط اور حضرت علی پر عظیم بہتان ہے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت علی اس قابل بھی نہیں رہے کہ کسی عدالت میں ان کی شہادت قبول کی جاسکے۔

اور یہ کہنا کہ حضرت علی کو یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا (جیسا کہ شیعہ روایات میں کہا گیا ہے) ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ اور اللہ و رسول کو اس گناہ عظیم کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

ہم نے حضرت علی مرتضیٰ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہاں اتنی تفصیلی گفتگو ضروری سمجھی، ورنہ ہم اپنے ناظرین کو صرف یہ بتلانا چاہتے تھے کہ خمینی، ذوالنورین اور عام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے خیالات تو ان کو معلوم ہو چکے، حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں بھی ان کا وہ نقطہ نظر اور عقیدہ ان کے سامنے رہے جس سے واقف ہونا، شیعہ مذہب کو اور خمینی صاحب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

حضرات شیخین، ذوالنورین، عام صحابہ کرام اور اہل سنت
کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات ایک نظر میں

خمینی صاحب کی کتاب "کشف الاسرار" کی جو عبارتیں گزشتہ صفحات
میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں جن میں انھوں نے حضرات شیخین و ذوالنورین
عام صحابہ کرام اور اولین و آخرین اہل سنت کے بارے میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے
بغیر اپنے عقیدہ و مسلک کا صراحت و صفائی اور پورے ادعا کے ساتھ اظہار فرمایا ہے
ان کے بارے میں جو کچھ ہم کو اپنے خاص مخاطبین سے عرض کرنا ہے، مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مختصر الفاظ میں خمینی صاحب کے ان فرمودات کا حاصل
چند نمبروں میں یکجا ناظرین کے سامنے "نقل کفر کفر نباشد" کی معذرت کے
ساتھ پیش کر دیا جائے۔

(۱) شیخین ابوبکر و عمر دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے صرف حکومت اور
اقتدار کی طمع و ہوس میں انھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی
علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے کوچکا رکھا تھا۔ (جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے یہ
چمکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ان کا
جو منصوبہ تھا اس کے لیے وہ ابتدا ہی سے سازش کرتے رہے اور انھوں نے اپنے
ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنالی تھی، ان سب کا اصل مقصد اور مطلق نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کر لینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کو کوئی سرکار نہیں تھا۔

(۳) اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت و خلافت کے لیے حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر بھی کر دیا جاتا تب بھی یہ لوگ ان قرآنی آیات اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اُس مقصد اور منصوبہ سے متغیر ہونے والے نہیں تھے جس کے لیے انھوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکار رکھا تھا، اس مقصد کے لیے جو حیلے اور جوداؤ بیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے اور فرمان خداوندی کی کوئی پروا نہ کرتے۔

(۴) قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی، انھوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پروا نہیں کی۔

(۵) اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لیے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے یہ ان کے لیے معمولی بات تھی۔

(۶) اور اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھر کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کے لوگوں کو سناتے کہ آخری وقت میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام و خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا اور علی جن کو امامت کے منصب کے لیے نامزد کیا گیا تھا اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا تھا، ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا۔

(۷) اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عمر ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبریل یا رسول خدا سے ان کے پہنچانے میں اشتباہ ہو گیا

یعنی غلطی اور چوک ہو گئی۔

(۸) خیمینی صاحب نے حدیث قرطاس ہی کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمر کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے آخری وقت میں اُس نے آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روح پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا اور آپ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس موقع پر خیمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و فساد کا ظہور تھا، یعنی اس سے ظاہر ہو گیا کہ (معاذ اللہ) وہ باطن میں کافر و فاسق تھا۔

(۹) اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی ان آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لیے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوئی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اسلام کو ترک کر کے اور اُس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں، تو یہ ایسا ہی کرتے اور (الوجہل والبولہب کا موقف اختیار کر کے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔

(۱۰) عثمان و معاویہ اور زید ایک ہی طرح کے اور ایک ہی درجے کے ”چپاولچی“ (ظالم و جرم) تھے۔

(۱۱) عام صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک شامل، ان کے رفیق کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے۔ یا بھروسہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی اُن میں جرات و ہمت نہیں تھی۔

(۱۲) دنیا بھر کے اولین و آخرین اہل سنت کے بارے میں خمینی صاحب کا ارشاد ہے

سنیوں کا معاملہ یہ ہے کہ ابو بکر و عمر قرآن کے صریح احکام کے خلاف جو کچھ کہیں، یہ لوگ قرآن کے مقابلہ میں اسی کو قبول کرتے اور اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ عمر نے اسلام میں جو تبدیلیاں کیں اور قرآنی احکام کے خلاف جو احکام جاری کئے، سنیوں نے قرآن کے اصل حکم کے مقابلہ میں عمر کی تبدیلیوں کو اور ان کے جاری کئے ہوئے احکام کو قبول کر لیا اور وہ انہی کی پیروی کر رہے ہیں۔

خمینی صاحب کے ان فرمودات کے لوازم و نتائج :-

قرآنی آیات اور احادیث
متواترہ کی تکذیب

خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" کی ان عبارتوں میں جو ناظرین کرام نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (اور جن کا حاصل سطور بالا میں عرض کیا گیا) حضرت خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقا، یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے ۳-۴ ساتھیوں کے علاوہ تمام ہی سابقین اولین، مثلاً حضرت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہ صف اول کے سوائے ہی صحابہ کرام کے بارے میں جو کچھ فرمایا — یعنی یہ کہ یہ سب (معاذ اللہ) منافقین تھے، صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں اس پوری پارٹی نے بظاہر اسلام قبول کر کے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے چپکار کھا تھا اور یہ ایسے شقی اور ناخدا ترس تھے کہ اپنے اس مقصد کے لیے بے تکلف قرآن میں تحریف اور قطع برید کر سکتے تھے۔ اور حدیہ کہ اگر یہ لوگ اپنے اس مقصد کے لیے اسلام کو چھوڑ کے (ابو جہل اور ابولہب کی طرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جانا ضروری سمجھتے تو یہ ایسا بھی کر سکتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض خینی صاحب نے یہ جو کچھ فرمایا ظاہر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان تمام آیات کی تکذیب ہے جن سے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین (بشمول حضرت علی مرتضیٰ) اور تمام ہی سابقین اولین اور وہ تمام صحابہ کرام جو دین کی دعوت و نصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے وہ سب مومنین صادقین ہیں، مقبولین بارگاہ خداوندی ہیں، جنتی ہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

ان آیات کو پوری وضاحت اور تشریح کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں، اور نواب محسن الملکؒ کی آیات بیانات حصہ اول میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے بعد حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ نے علیحدہ علیحدہ ان آیات کی تفسیر میں مستقل رسائل لکھے ہیں، ان چیزوں کا

۱۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے اس سلسلہ کے چند رسائل کے نام یہ ہیں۔

مقدمہ تفسیر آیات خلافت — تفسیر آیت استخلاف — تفسیر آیت تمکین فی الارض — تفسیر آیت فیئ — تفسیر آیت اظہار دین — تفسیر آیت رضوان — تفسیر آیت میراث ارض — تفسیر آیت معیت — تفسیر آیت دعوت اعراب (ان کے علاوہ بھی اس سلسلہ کے متعدد تفسیری رسائل حضرت مولانا لکھنوی علیہ الرحمہ کے ہیں) — ان میں سے اکثر رسائل قریباً ساڑھے سات سو صفحات کے (بقیہ آگے)

مطالعہ کر کے ہر وہ شخص جو عقل سلیم اور نور ایمان سے محروم نہیں کیا گیا ہے پورے یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں خاص معجزانہ انداز میں ان صحابہ کرام کے مومنین صادقین ہونے کی شہادت محفوظ کر دی ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید اور آپ کی ساری دینی تعلیمات انھیں کے ذریعہ بعد والوں کو پہنچنے والی تھیں اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت، آپ کے واقعات حیات، آپ کی ہدایات، سیرت و تعلیمات اور آپ کے معجزات کے عینی شاہد تھے اور انہی کی دعوت و شہادت بعد والوں کے لیے ایمان لانے کا ذریعہ بننے والی تھی۔ اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اصحاب کی امانت و صداقت اور عند اللہ مقبولیت کی شہادت کے علاوہ ان کے وہ فضائل و مناقب بھی بیان فرمائے جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ ”قدر مشرک“ کے اصول پر یہ احادیث متواتر ہیں۔

بہر حال خمینی صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ ان آیات کی اور ان احادیث متواترہ کی اسی طرح تکذیب ہے جس طرح کہ یہ عقیدہ کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے۔ ان آیات قرآنی اور احادیث

(بقیہ حاشیہ) ضخیم جلد مجموعہ کی شکل میں حال ہی میں پاکستان میں طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ”تحفہ خلافت“ ہے۔

یہ مجموعہ جامعہ تحفہ تعلیم الاسلام۔ مدنی محلہ، شہر جہلم (پاکستان) سے طلب کیا جاسکتا ہے۔
(راقم سطور کو حضرت مولانا لکھنویؒ کے حفید مولانا عبد العظیم صاحب روفی نے بتلایا ہے کہ ان تمام مسائل کو تصحیح و غیرہ کے خاص اہتمام کے ساتھ مغربی ہی شائع کرنے کا ان کا ارادہ ہے۔)

متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین اور
آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ (اور بالکل ضروری نہیں کہ یہ تکذیب دانستہ
شعوری اور بالارادہ ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی | پھر بات ان آیات و احادیث کی تکذیب ہی پر ختم
ذات پاک پڑ معاذ اللہ.....

یہ مسئلہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر خواص و عوام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے
ان فرمودات کو تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت
و اصلاح تزکیہ نفس اور تعمیرِ حیات کے جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر
مبعوث فرمایا تھا اس میں آپ صرف ناکام ہی نہیں رہے (بلکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)
خاکم بدین انتہائی درجہ کے نااہل اور ناقابلِ ثابت ہوئے۔ آپ کی زندگی میں
ایک لاکھ سے اوپر آدمیوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے ایک بڑی تعداد ابتداءً
دور نبوت سے آپ کی حیات طیبہ کے آخری دن تک آپ کے قریب اور سفر و حضر میں آپ کی
رفاقت و صحبت میں رہی، آپ کے مواعظ و خطبات اور مجلسی ارشادات خود آپ کی
زبان مبارک سے دن رات سنتی رہی، آپ کے معاملات اور شب و روز کے معمولات
دیکھتی رہی لیکن ان میں سے کسی کو بھی ایمان نصیب نہیں ہوا، وہ (معاذ اللہ) منافق
یعنی بظاہر مسلمان لیکن باطن کافر ہی رہے۔ کیا کسی مرشد و مصلح کی ناقابلیت اور
نااہلیت کا اس سے بڑا بھی کوئی ثبوت ہو سکتا ہے؟ — پھر حضرت علی مرتضیٰ اور
ان کے جن تین چار ساتھیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مومن صادق تھے
ان کا بھی حال یہ بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے دھمکی دباؤ سے مجبور ہو کر ایسے لوگوں کو
خلیفہ رسول مان لیا اور ان کی بیعت کر لی جن کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ

مومن ہی نہیں منافق ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اور پھر تقیہ کے نام سے اُن کے ۲۴ سالہ دورِ خلافت میں اُن کی اطاعت اور وفاداری کا رویہ اپنائے ہے۔

الغرض خمینی صاحب کے ان فرمودات کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین و دعوت، تربیت و محبت اور بیس سالہ جدوجہد بالکل ہی بے اثر رہی۔ اس سے ایک بھی مرد مومن پیدا نہ ہو سکا، یا تو منافقین تھے یا وہ جو تقیہ کے نام سے منافقانہ رویہ ہی اختیار کیے ہے۔ — معاذ اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

قرآن مجید قطعاً ناقابل اعتبار | اسی طرح خمینی صاحب کے ان فرمودات کا یہ بھی لازمی ازروئے عقل اس پر ایمان ناممکن اور بدیہی نتیجہ ہے کہ قرآن مجید قطعاً ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت مسلم ہے کہ قرآن پاک موجودہ کتابی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے دور میں سرکاری اہتمام سے مدون ہوا۔ اور پھر حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں اسی نسخہ کی نقلیں سرکاری طور پر اس وقت کے عالم اسلامی کے مرکزی شہروں میں بھیجیں۔ — اور خمینی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات کے مطابق یہ خلفائے ثلاثہ ایسے منافق اور ناخدا ترس تھے کہ اپنی دنیوی اور سیاسی مصلحتوں کے تقاضے سے قرآن پاک میں بے تکلف ہر طرح کی تحریف اور قطع و برید کر سکتے تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تو عام صحابہ میں سے کوئی اُن کی اس حرکت کے خلاف آواز تک اٹھانے والا نہیں تھا۔ سب اُن سے خوف زدہ اور ان کی ہالٹوں ہاں ملانے والے تھے۔ — ظاہر ہے کہ خمینی صاحب کی اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد عقلی طور پر بھی اس کا امکان نہیں رہتا کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں یقین کیا جائے کہ یہ فی الحقیقت وہی کتاب

ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی **غی** اور اس میں **کو** کوئی تحریف اور قطع و برید کی کارروائی نہیں ہوئی۔ خمینی صاحب کے **فرمودات** کا یہ ایسا **روشن** اور بدیہی نتیجہ ہے کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی خاص درجہ کی **ذہانت** اور **بار** کیسے **بینی** کی ضرورت نہیں۔ ہر مومن عقل والا بھی اس کو درو اور **دچار** کی طرح سمجھ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ایمان اُس قلبی یقین و تصدیق کا نام ہے جس میں کسی **شک** و شبہ کا امکان اور گنجائش ہی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضرات **خلفائے ثلاثہ** اور عام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کی بات کو تسلیم کر لینے کے بعد **قرآن پاک** کے بارے میں ایسے یقین کا از روئے عقل امکان ہی نہیں رہتا۔

ملفوظ ہے کہ ایمان بالقرآن کے بارے میں یہاں جو کچھ **عرض** کیا گیا ہے وہ صرف خمینی صاحب کے **فرمودات** کی بنیاد پر **عرض** کیا گیا ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ آگے اسی مقالہ میں اپنے مقام پر لکھا جائے گا، وہیں **عرض** کیا جائے گا کہ اس بارے میں کتب شیعہ میں "ائمہ معصومین" سے کیا ارشادات روایت کیے گئے ہیں اور اکابر و اعظم علمائے شیعہ کا موقف کیا رہا ہے۔

خمینی صاحب کے **فرمودات** کے لوازم و نتائج کے سلسلہ میں آخری سنگین ترین بات اس سلسلہ میں **مقام** سطور ایک بات اور **عرض** کرنا چاہتا ہے جو اس عاجز

کے نزدیک سب سے زیادہ سنگین ہے **کاش** شیعہ حضرات بھی اس پر **سنجیدگی** سے غور فرمائیں۔ حضرات **ثمنین**، ذوالنورین اور ان کے خاص رفقاء **صف اول** کے قریب **اتمام** ہی صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو **پڑھ** کے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت معاندانہ **حیذ** رکھنے والے غیر مسلم آج کل کی سیاسی مکر و فریب کی عام فضا میں یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خود ان کے پیغمبر کا دعویٰ نبوت اور ایک نئے مذہب اسلام کی دعوت اپنی حکومت قائم

کرنے ہی کی ایک ترکیب تھی، اصل مقصد اس حکومت حاصل کرنا تھا اور ابوبکر و عمرو عثمان جیسے مکہ کے کچھ سربراہ اور ہوشیار و چالاک لوگ بھی اسی مقصد کو دل میں لیے ہوئے آپ کے ساتھ ہو گئے اور اس طرح اسلام کے نام پر ایک پارٹی بن گئی۔ اس پارٹی میں شروع ہی سے دو گروپ تھے، ایک طرف خود پیغمبر صاحب تھے جن کا مقصد اور منصوبہ یہ تھا کہ حکومت قائم ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس کو اپنے گھر والوں کے لیے محفوظ کر دیں، نسل بعد نسل حکومت ہمیشہ انہی کے ہاتھ میں رہے۔ چنانچہ جب مدینہ میں حکومت قائم ہو گئی تو (شیعی روایات کے مطابق) مختلف موقعوں پر اللہ کے حکم کے حوالے سے آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا اور آخری کام اس سلسلہ میں اپنے یہ کیا کہ جب قرآن پورا ملک عرب آپ کے زیر اقتدار آ گیا تو آپ نے غدیر خم کے مقام پر بہت بڑے مجمع میں خدا کے حکم کا حوالہ دے کر اس کا اعلان فرمایا کہ میرے بعد ولی الامر یعنی حکم الہی اور فرماں روا کی حیثیت سے میرے جانشین میرے داماد علی بن ابی طالب ہوں گے۔ اور ان کے بعد ہمیشہ حکومت ان کی نسل ہی میں رہے گی۔ پھر اس کے بعد آپ نے اپنی آخری بیماری میں آخری دنوں میں (شیعی روایات کے مطابق حضرت علی کی اس جانشینی ہی کے لیے) ایک دستاویز لکھا دینے کا بھی ارادہ کیا، لیکن دوسرے گروپ کے سب طاقتور آدمی مکر کی مداخلت سے وہ لکھی نہیں جاسکی۔

اور پارٹی میں دوسرا گروپ ابوبکر و عمرو وغیرہ کا تھا، ان کا منصوبہ یہ تھا کہ پیغمبر صاحب کے بعد حکومت پر ہم قبضہ کر لیں گے۔ وہ اس کے لیے شروع ہی سے سازش کرتے رہے تھے اور بالآخر وقت آنے پر یہی گروپ اپنی چالاک اور چابکدستی سے حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور تمام ہی صحابہ کرام کی جو تصویر کھینچی ہے اور ان کے بائے میں جو کچھ لکھا ہے اس نے اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاہ باطن دشمنوں کے لیے اس طرح سوچنے اور کہنے کا پورا مواد فراہم کر دیا ہے، شیعہ حضرات ہیں جو سلیم الفطرت اور نیک دل ہیں کاش وہ بھی خمینی صاحب کے فرمودات کے ان لوازم و نتائج پر غور فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں ہرگز اس طرح کا کوئی اختلاف اور کوئی گروپ بندی نہیں تھی۔ قرآن مجید میں ان کا یہ حال بیان فرمایا گیا ہے "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" (سورۃ الفتح) یعنی ان اصحاب محمد کا حال یہ ہے کہ یہ دین کے منکروں و دشمنوں کے مقابلہ میں سخت مزاج ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ دوسری جگہ ان ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَأَلْفَ بَیِّنٍ قُلُوبِهِمْ" (سورۃ الانفال) یعنی اللہ نے رسول خدا پر ایمان لانے والے آپ کے اصحاب کے دل جوڑ دیے ہیں اور ان میں باہم الفت و محبت پیدا کر دی ہے۔ اور تاریخ کی، یہاں تک کہ غیر مسلم مورخین کی شہادت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ پر ایمان لانے والے آپ کے صحابہ کرام میں اس طرح کا کوئی اختلاف اور کوئی گروپ بندی نہیں تھی جس کا نقشہ خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" میں کھینچا ہے۔ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ

اب ہم خمینی صاحب کے فرمودات سے متعلق اس سلسلہ کلام کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گزارشات کو اپنے بندوں کے لیے موجب بہتیر بنائے۔

خمینی صاحب بعض فقہی مسائل کی روشنی میں:

اب تک خمینی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ صرف ان کی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" اور کشف الاسرار ہی کی بنیاد پر لکھا گیا ہے، اور اس کا تعلق اصول اور اعتقادات سے ہے، اب ذیل میں ان کی فقہی تصنیف "تحریر الوسیلہ" سے چند ایسے مسئلے نقل کیے جاتے ہیں جن سے خمینی صاحب کی شخصیت اور مذہب ہی حیثیت کے بارے میں ہمارے ناظرین کو انشاء اللہ مزید بصیرت حاصل ہوگی۔

۱۔ "تحریر الوسیلہ" جلد اول کتاب الصلوٰۃ میں ایک عنوان ہے "القول فی مبطلات الصلوٰۃ" (یعنی ان چیزوں کا بیان جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے) اس عنوان کے تحت دوسرے نمبر پر مسئلہ لکھا گیا ہے۔

ثانیہا التکفیر وہو وضع احدی
الیدین علی الاخری فحوما
یصنعه غیرنا، ولا یاس حال
التقیہ -
(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۱۸۴)
جواز ہے)

دوسرا عمل جو نماز کو باطل کر دیتا ہے وہ
نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر
رکھنا ہے جس طرح ہم شیعوں کے علاوہ
دوسرے لوگ کرتے ہیں ہاں تقیہ کی حالت میں
کوئی مضائقہ نہیں (یعنی ازراہ تقیہ بالکل

۲۔ اسی سلسلہ میں ۹ پر تحریر فرمایا ہے:-

تاسعها تعد قول آمین بعد
اتمام الفاتحۃ الامع التقیہ
فلا یاس بہ
(تحریر الوسیلہ جلد اول ص ۱۹۰)
اور نویں چیز جس سے نماز باطل ہو جاتی
ہے وہ ہے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد
بالقصد آمین کہنا۔ البتہ تقیہ کے طور پر جائز ہے
کوئی مضائقہ نہیں۔

توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ بارہ اماموں کی امت کی شہاد دنیا بھی جزو ایمان

(۲) اسی "تحریر الویلہ" میں موت سے متعلق مسائل بیان کرتے ہوئے
خمینی صاحب نے لکھا ہے۔

یسعوب تلقینہ (المحتضر)
الشہادتین والاقرار
بالائمة الاثنی عشر
علیہم السلام۔
(جو آدمی نزع کی حالت میں ہو)
اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ کی رسالت کی شہاد
اور بارہ اماموں کی امامت کے اقرار
کی تلقین کرنا مستحب ہے۔

۴۔ پھر اسی "تحریر الویلہ" میں آگے "مستحبات کفن" کے بیان میں لکھا ہے۔

وان یکتب علی حاشیۃ جمع
قطع الکفن ان فلان بن
فلان یشہدان لا الہ
الا اللہ وحدہ لا شریک لہ
وان محمدًا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وان علیًا
والحسن والحسین۔ ویعد
الائمة علیہم السلام الی
آخرہم۔ ائمتہ و سادتہ
وقادتہ (ص ۶۱)
اور مستحب ہے کہ کفن کی چادروں کے
کناروں پر لکھا جائے کہ یہ (میت)
فلان بن فلان شہاد دیتا ہے کہ اللہ
کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہی ہے
کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد اللہ
کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ اور یہ
کہ علی اور حسن اور حسین۔ اور آگے
بارہویں امام تک سب کا ذکر کیا جائے۔
یہ اس کے امام ہیں اور افسانہ اور
قائد ہیں۔

۵۔ آگے اسی ”تحریر الوسیلہ“ میں مستحبات دفن کے بیان میں لکھا ہے۔

وَنَهَا أَنْ يَلْقَنَهُ الْوَلِيُّ أَوْ مَنْ

یامرہ بعد تمام الدفن و

رجوع المشیعین وانصرافھو

اصول دینہ و مذہبہ

بالرفع صوتہ من الافراہ

بالتوحید و رسالۃ سید

المرسلین و امامۃ الائمة

المعصومین و الاقرار بما

جاء به النبی صلی اللہ علیہ

وآلہ، والبعث والنشور و

الحساب واللیزان والصراف

والجنة والنار۔

(تحریر الوسیلہ ص ۹۲)

اور حساب اور میزان اور پل صراط اور جنت اور دوزخ ان سب کے بھی اقرار کی

تلقین کرے۔

خمینی صاحب نے میت اور اس کے کفن دفن سے متعلق یہ مسائل اگرچہ ”تحریر الوسیلہ“

میں لکھے ہیں جو فقہی مسائل کی کتاب ہے، لیکن انھوں نے ان عبارتوں میں پوری

صراحت اور صفائی کے ساتھ یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ اثنا عشر (ان کے بارہ

اماموں) کی امامت کا عقیدہ توحید و رسالت کے عقیدہ ہی کی طرح جزو ایمان ہے، اور

اس کا درجہ آخرت اور جنت دوزخ کے عقیدہ سے مقدم اور بالاتر ہے اور یہ ان کے

اصول دین میں سے ہے۔

متعہ

۶۔ متعہ مذہب شیعہ کا مشہور مسئلہ ہے۔ خمینی صاحب نے "تحریر الوسیلہ" کتاب النکاح میں فریباچار صفحے پر متعہ سے متعلق جزئی مسائل لکھے ہیں، ان میں گئی مسئلے خاص طور سے قابل ذکر ہیں، لیکن بخوف طوالت اس باب کا صرف ایک آخری مسئلہ ہی نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ خمینی صاحب نے اسی مسئلہ پر متعہ کا بیان ختم فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

يجوز الفتح بالزانية على زنا كالعورت سے متہ کرنا جائز ہے مگر
كراهية خصوصاً لو كانت من كراهية کے ساتھ خصوصاً جب کہ وہ مشہور
المواهر المشهورات بالزنا پیشہ در زانیات میں سے ہو، اور اگر
وان فعل فليمنعها فمن اس سے متہ کرے تو چاہیے کہ اس کو
الفجور۔ (تحریر الوسیلہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲) بدکاری کے اس پیشہ سے منع کرے۔

۷۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خمینی صاحب نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ متعہ کم سے کم مدت کے لیے بھی کیا جاسکتا ہے (مثلاً صرف ایک رات یا ایک دن اور اس سے کم وقت یعنی گھنٹے دو گھنٹے کے لیے بھی کیا جاسکتا ہے) لیکن بہر حال مدت اور وقت کا تعین ضروری ہے۔ (تحریر الوسیلہ جلد دوم صفحہ ۲۹)

ناظرین کرام کو یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ متعہ مذہب شیعہ میں صرف جائز نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور ان کی قدیم مستند تفسیر "منہج الصادقین" کے حوالہ سے یہ حدیث بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ "جو ایک دفعہ متعہ کرے وہ امام حسین کا درجہ پائے گا اور جو دو دفعہ کرے وہ امام حسن کا اور جو تین دفعہ کرے وہ امیر المومنین حضرت علی کا درجہ پائے گا اور جو شخص چار دفعہ

یہ نیک کام کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ پائے گا۔ اور کشف الاسرار کی وہ عبارت ناظرین کرام چند ہی صفحے پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں جناب خمینی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ عمر کے متعہ کے حرام ہونے کا جو اعلان فرمایا وہ ان کی طرف سے قرآن کی صریح مخالفت اور ان کا کافرانہ عمل و کردار تھا۔ (معاذ اللہ واستغفر اللہ)

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی نوعیت اور خود ان کی شخصیت اور مذہبی حیثیت سے تھا۔ اب اس کے آگے حسبِ وعدہ شیعیت اور اثنا عشری مہم کا تعارف ناظرین کرام سے کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تر نفس اور شر شیطان سے حفاظت فرمائے اور قلم سے وہی نکلے جو حق و صیح اور دافع کے مطابق ہو۔

شیعہ یہ کیا ہے؟



اسلام میں اس کا آغاز

اولاً

شیعہ اثنا عشریہ

شیعیت کیا ہے؟

جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے اس تحریر کا دوش کا مقصد ایرانی انقلاب کی اصل نوعیت و حقیقت اور اس کے قائد روح الشہید خیمینی صاحب کی حقیقی شخصیت اور واقعی مذہبی حیثیت سے ان حضرات کو واقف کرانا ہے جو واقف نہیں ہیں اور اس ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ہیں جو اربوں ڈالر صرف کر کے ایرانی حکومت کی طرف سے اس انقلاب کی اسلامیت اور خالص اسلامیت کے بارے میں کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں خود خیمینی صاحب کی تحریروں کی روشنی میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے، ان کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی بنیاد شیعہ مذہب اور خاص کر اس کی اصل دار اس "مسئلہ امامت" پر ہے لہذا اس کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے اور خیمینی صاحب کی شخصیت کو جاننے پہچاننے کے لیے بھی مذہب شیعہ سے واقفیت ضروری ہے، اس لیے آئندہ صفحات میں بس اُس کے تعارف کی کوشش کی جائے گی۔ جو کچھ اس سلسلہ میں عرض کیا جائے گا وہ شیعہ مذہب کی مسلم و مستند کتابوں ہی سے نقل کیا جائے گا اور وہ ان کے "ائمہ معصومین" کے ارشادات ہی ہوں گے۔ شروع میں تمہید کے طور پر شیعیت کے آغاز کی تاریخ بھی ذکر کی جائیگی کیونکہ اس کے بغیر اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور چونکہ شیعہ مذہب اور اس کے آغاز کو سمجھنا ان لوگوں کے لیے بہت آسان

ہوتا ہے جو موجودہ مسیحیت اور اس کی تاریخ سے واقف ہوں اس لیے اختصار کے ساتھ
 ابتدا میں اس کا بھی ذکر کیا جائے گا اور سلسلہ کلام حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے
 متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم اور غیر معمولی پیشین گوئی اور اسی کے
 بارے میں خود حضرت علی کے ایک بیان سے شروع کیا جائے گا۔ یہ پیشین گوئی اسلام میں
 شیعیت اور اس کی مد مقابل دوسری گمراہی خارجیت کے ظہور کی بھی پیشین گوئی ہے
 اور اس سے شیعیت اور موجودہ مسیحیت کا وہ قرب و تعلق بھی ناظرین کے سامنے آجائے گا
 جس کی وجہ سے مسیحیت کی تاریخ جاننے والوں کے لیے شیعیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا
 ہے۔ واللہ الموفق

شیعیت اور مسیحیت

مسند احمد، مستدرک حاکم، کامل ابن عدی وغیرہ حدیث کی متعدد کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہی سے فرمایا۔

فیک مثل من عیسیٰ بن مریم
اے علی تم کو عیسیٰ بن مریم سے خاص نشا
ابغضتہ الیہود حتی بھتوا
ہے۔ یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت
امہ واحبۃ النصارى حتی انزلوا
کاروب اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں
منزلتہ التی لیست لہ ثمال
مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ
یہلاک فی رجلان محب مفرط
نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو
یقرظتی بما لیس فیّ ومبغض
اس مرتبہ پر پہنچایا جو نہ ان کا نہیں تھا۔
یجملہ شنائی علی ان یبھتني
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
(مشکوۃ المصابیح ص ۵۶ و کنز العمال ج ۱۱ ص ۶۲۳)
نقل کرنے کے بعد) حضرت علی نے فرمایا

کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بائے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت
میں غلو کرنے والے، جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں۔ دوسرے
بغض و عداوت میں گھڑنے والے جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ
وہ مجھ پر بہتان لگائیں۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰ نے جو کچھ فرمایا، اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہو گیا۔
 خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت و عداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپ کو مغرب دین، کافر، اور واجب القتل قرار دیا اور انہی میں کے ایک شقی عبدالرحمن بن ملجم نے آپ کو شہید کیا اور اپنے اس بد بخانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا۔
 اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچایا، اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت و رسالت کے لائق دراصل آپ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی و رسول بنانا تھا اور جبریل امین کو وحی لیکر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وہ وحی لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپ کے بعد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام و خلیفہ اور سربراہ امت تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح معصوم اور مفرض الطاعت تھے اور مقام و مرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے، اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپ حامل تھے۔ (حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں غلو کرنے والے ان شیعہ فرقوں کی کچھ تاریخ و تفصیل ناظرین کرام کو انشاء اللہ آئندہ صفحات سے بھی معلوم ہو جائے گی)
 اس وقت تو مندرجہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں یہ عرض کرنا ہے کہ شیعیت کی حقیقت کو سمجھنا ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہوتا ہے جو مسیحیت اور اس کی تاریخ

حاضر و گزشتہ۔ شیعوں کی مشہور مستند کتاب "نہج البلاغہ" میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد

قریب قریب انہی الفاظ میں روایت کیا گیا ہے۔ نہج البلاغہ طبع مصر ۲۶۱

سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں، اور یقیناً ہمارے ناظرین میں ایسے بہت کم ہی ہوں گے، اس لیے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر مناسب سمجھا گیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت :

کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ نہ ہوگا کہ اللہ کے نبی و رسول سیدنا مسیح بن مریم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کے اسی قانون نجات و عذاب اور حجت و روزخ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی جس کی دعوت ان سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دیتے آئے تھے اور انھوں نے اپنے کو اللہ کا بندہ اور اس کا نبی و رسول ہی بتلایا تھا۔ اس بارے میں سب سے زیادہ مستند اور ہر قسم کے شک و شبہ سے محفوظ بیان بالخصوص ہم مسلمانوں کے نزدیک اور حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی قرآن مجید کا ہے۔ سورہ مائدہ میں حضرت مسیح کی دعوت و تعلیم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِي إِسْرَآئِيلَ	اور (ہمارے پیغمبر) مسیح نے کہا کہ اے
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن	بنی اسرائیل! بس اللہ ہی کی عبادت اور بزرگی
يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ	کر جو میرا اور تمھارا مالک و پروردگار
الْجَنَّةَ وَمَا أُوْدِيَ النَّارُ وَمَا	ہے۔ یقیناً جو کوئی (کسی مخلوق کو) اللہ
لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَضْأَارٍ ۝	کے ساتھ شریک کرے گا تو اللہ نے جنت
(المائدہ - آیت ۷۲)	اس کے لیے حرام کر دی ہے اور اس کا

ٹھکانا و روزخ ہی ہوگا اور ایسے مجرموں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔

اور سورہ آل عمران میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو جو روشن معجزات عطا فرمائے تھے، اپنی قوم کے سامنے ان کو پیش کرنے کے بعد آپ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے

فرمایا۔

میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے
نشانی (یعنی معجزات) لے کر آیا ہوں، تو
اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو،
بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب (مالک)
و پروردگار ہے لہذا اُسی کی عبادت

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَالطَّاعُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ
رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝
(آل عمران آیت ۷۵)

اور زندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

اور سورہ مريم میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنے
باپے میں بتلایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي الْكَتَبَ
وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝
میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس اللہ نے
مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے
نبی بنایا ہے۔ (مریم آیت ۳۰)

پھر اس سلسلہ کلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کے اس بیان پر ختم فرمایا گیا ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝
اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب
(مالک و پروردگار) ہے لہذا اُسی
کی عبادت و زندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ (مریم آیت ۳۱)

اور سورہ مائدہ کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں گمراہ عیسائیوں پر
حجت قائم کرنے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی برأت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف
سے برسر عام عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے
اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود بنائیو! (وَإِنِّي قُلْتُ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ
إِلَٰهَيْنِ مِّن دُونِ اللَّهِ) وہ عرض کریں گے کہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي
بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ - الآية

(المائدہ آیت ۱۱) مالک و پروردگار ہے۔

الغرض قرآن مجید کے ان بیانات کی روشنی میں اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید خالص ہی کی دعوت دی تھی، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان کے حواریین جنہوں نے براہ راست انہی سے ہدایت و تعلیم حاصل کی تھی وہ بھی اسی توحید کے حامل تھے اور اسی کی نادہی کرتے تھے، لیکن کچھ ہی مدت کے بعد حال یہ ہو گیا کہ مسیحی امت نے توحید کے بجائے تثلیث کو اور حضرت مسیح اور تمام انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے قانونِ نجات و عذاب کے بجائے کفارہ کو بنیادی عقیدہ کے طور پر اپنایا اور اس کے بعد سے انہی دو عقیدوں پر عیسائیت کی پوری عمارت قائم ہے۔ اب جو شخص تثلیث اور کفارہ پر عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ اس توحید خالص اور اس قانونِ مجازاۃ پر ایمان رکھتا ہو جس کی دعوت و تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی وہ آج کسی بھی کلیسا کے قانون کے مطابق مسیحی اور عیسائی نہیں مانا جاسکتا۔

یہ ایک اہم تاریخی سوال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت و تعلیم میں اتنی بڑی تحریف کیسے راہ پا گئی، اور کس طرح ان کی امت میں اس کو ایسا قبول عام حاصل ہو گیا کہ اب پوری مسیحی دنیا (مذہب اور عقیدہ کے چھوٹے بڑے بہت سے باہمی اختلافات کے باوجود) تثلیث اور کفارہ کو بنیادی عقیدہ ماننے کے بارے میں گویا بالکل متفق اور اور یک زبان ہے۔ ؟

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ حق کے متلاشیوں کی رہنمائی اور ہماری عبرت آموزی کے لیے اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ بھی محفوظ ہے۔ علمائے اسلام میں سے جن

حضرات نے تحقیق و تدقیق کے ساتھ مسیحیت اور اس کی تاریخ کا مطالعہ اور اس پر کام کیا ہے، انھوں نے اس موضوع پر ایسا مبسوط اور مدلل لکھا ہے کہ اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے لیکن یہاں ہم کو اجمال و اختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کرنا ہے۔

اس باب میں جو کچھ عیسائیت کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اس کا اجمال یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا اور اپنے اپنے کو اسی حیثیت سے اپنی قوم بنی اسرائیل (یہود) کے سامنے پیش کیا اور اللہ کا پیغام ہدایت ان کو پہنچایا اور باذن اللہ وہ روشن معجزات بھی آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے تو سب سے پہلے ان کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں نے اور ان کے ساتھ پوری قوم نے آپ کو بھڑکا دیا اور نبوت اور جادو گر اور شعبدہ باز کہا اور یہودی شریعت کے قانون کے مطابق لعنتی اور واجب القتل قرار دیا، ہر طرح سے ستایا اور انتہائی

لے جو حضرات اس تاریخی واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم کرنا چاہیں وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن میں اس موضوع پر مستقل اور مفصل کلام کیا گیا ہے، خاص کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ ہندی کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر تصنیف ”اظہار الحق“ جو اب سے قریباً سو سال پہلے عربی میں لکھی گئی تھی اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہائے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی (ایم اے۔ ایل ایل بی) نے کیا ہے جو ان کے قریباً سوادو سو صفحے کے مقدمے کے ساتھ اب سے چند سال پہلے تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کا یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل قابل قدر تصنیف ہے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ عن الاسلام و المسلمین کما یلیق بشانہ

توہین و تذلیل کی پھر اپنی مذہبی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا اور صلیب (سولی) کے ذریعہ سزائے موت دیے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر اس وقت کی برسرِ اقتدار رومی حکومت کے قانون کے مطابق اس سزائے موت کے فیصلے کے نفاذ کے لیے رومی حاکم (گورنر) کی منظوری بھی حاصل کر لی اور اپنے نزدیک حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا کر سزائے موت دلوا بھی دی، اور قاعدہ اور رواج کے مطابق لاش دفن بھی کر دی گئی اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ ہم نے اس تدعی نبوت کو ختم کر دیا اور اس کی دینی دعوت کی جڑ کاٹ دی۔ لیکن حضرت مسیح کے مخلص اور صادق العہد حواریوں نے ان انتہائی ناسازگار حالات میں بھی ان کی لائی ہوئی ہدایت کی دعوت و تبلیغ اور دروازہ علاقوں تک جا کر اس کی منادی کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کی مخلصانہ و درویشانہ جدوجہد اور قربانی کو قبولیت اور کامیابی حاصل ہوتی رہی اور اس کے امکانات ظاہر ہو گئے کہ یہ دینی دعوت کسی وقت قبول عام حاصل کر لے گی۔

۱۔ معلوم ہے کہ عیسائی دنیا نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہودی کی یہ بات مان لی ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا کر سزائے موت دی گئی اور اسی پر ان کے کفارہ کے عقیدے کی بنیاد ہے اور موجودہ انجیلوں میں بھی (جن کا محرف ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے) یہی بیان کیا گیا ہے لیکن قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو صلیب کے ذریعہ سزائے موت دیے جانے کی یہودیوں کی اسکیم ناکام کر دی۔ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو آسمان پر اٹھالیا اور ایک اور شخص کو جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مشابہ بنادیا تھا، سولی پر چڑھا دیا گیا (بعض روایات کے بموجب یہ شخص وہی غدار منافق تھا جس نے جاسوسی کی تھی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری برناس بھی تھے انکی مرتب کی ہوئی انجیل کا بیان قرآن مجید کے اس بیان کے بالکل مطابق ہے لیکن جب عیسائی دنیا نے پولوس کی شیطانی کوششوں سے متاثر ہو کر تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ اختیار کر لیا (جس کا بیان ابھی آئے گا) تو عیسائیوں نے برناس کی اس انجیل کو نامعتبر قرار دے دیا۔

اسی زمانے میں یہ غیر معمولی واقعہ رونما ہوا کہ ایک مشہور یہودی عالم جس کا نام ساؤل تھا جو دین عیسوی کا انتہائی درجہ کا دشمن تھا اور اس کے قبول کرنے والوں کو ہر ممکن طریقہ سے ستاتا، ان پر خود شدید مظالم کرتا اور دوسروں سے کراتا تھا۔ یہی اس کا محبوب و مرغوب مشغلہ تھا۔ اس نے ہمارے نزدیک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے اچانک اور کہا جاسکتا ہے کہ ڈرامائی انداز میں دعویٰ کیا کہ میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف اپنی جدوجہد ہی کے سلسلے میں دمشق جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک منزل پر آسمان سے زمین تک ایک نور ظاہر ہوا اور آسمان ہی سے یسوع مسیح کی آواز مجھے سنائی دی، انھوں نے مجھے مخاطب کر کے عربی زبان میں فرمایا کہ "اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے"۔ اور انھوں نے مجھے ایمان لانے اور ان کے دین کی خدمت اور منادی کرنے کی دعوت دی اور وصیت فرمائی۔ میں یہ معجزہ دیکھ کر ان پر ایمان لے آیا اور اب میں نے اپنے کو اس دین کی خدمت اور منادی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اُس نے اپنا نام بھی بدل ڈالا اور ساؤل کے بجائے پولوس نام رکھ لیا۔

اس کے بعد اس نے حضرت مسیح کے حواریوں کے پاس جا کر اپنے اس مکاشفہ یا شاہدے اور انقلاب حال کا ذکر کیا تو اکثر حواری اس کی اب تک کی زندگی اور ظالمانہ رویہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر اعتماد کرنے اور اس کے اس اظہار و بیان کو واقعہ اور حقیقت ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، انھیں اس کے بارے میں شک شبہ تھا لیکن ایک جلیل القدر حواری بزیاس نے اس کی بات کو قبول کر لیا اور دوسرے حواریوں کو بھی آمادہ کر لیا کہ وہ بھی قبول کر لیں۔ اس کے بعد یہ ساؤل حواریوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور پھر اس نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ عام عیسائی اس کو مسیحی مذہب کا پیشوائے عظم سمجھنے لگے، اس طرح عوام میں اس کو غیر معمولی مقبولیت اور مقتدایت کا مقام حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے دین عیسوی کی اندسے تخریب و تخریف کا کام شروع کیا (جوئی حقیقت

اس کا اصل مقصد و منسوبہ تھا) اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور فراست سے سمجھ لیا کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح کے لئے ہوئے اصل دین سے دور اور گمراہ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ ان کے سامنے حضرت مسیح کی شان کو حد سے زیادہ بڑھایا جائے۔ ان کو ابن اللہ یا خدائی کا شریک یا خود خدا کہا جائے، اور صلیب کے واقعہ کی حقیقت یہ بتائی جائے کہ انھوں نے اپنے پر ایمان لانے والے سارے انسانوں کے گناہوں کی سزا اور عذاب کے عوض خود یہ تکلیف اٹھالی اس طرح ان کا صلیب پر چڑھایا جانا ان پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ اور نجات کا وسیلہ بن گیا۔

اس کے بعد اُس نے اسی راستہ سے کام شروع کیا، اُس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور عام عیسائیوں میں الوہیت مسیح اور انبیت اور تثلیث اور کفارہ کے عقیدے تیزی سے مقبول ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت مسیح کے اُن حواریوں نے جو اُس زمانے میں موجود تھے اور ان کے صحیح العقیدہ شاگردوں نے عیسائی امت کو اصل دین عیسوی پر قائم رہنے اور ان مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش ضرور کی ہوگی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ سعی نہ کوششیں زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں اور حضرت مسیح کے اس دنیا سے اٹھائے جانے پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ عام عیسائیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوئے دین عیسوی کے بجائے پولوس کا بنایا ہوا یہ نیا مشرکانہ دین ہی عیسائیت کے عنوان سے مقبول ہو گیا اور پھر ایسا ہوا کہ دنیا کے قریب قریب تمام ہی عیسائیوں نے اسی دین کو اپنا لیا اور تثلیث اور کفارہ عیسائیت کے بنیادی عقیدے تسلیم کر لیے گئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا، دین عیسوی میں پولوس کے ذریعہ ہونے والی تحریف کی تاریخ کا بہت مختصر بیان ہے۔ تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو مستقل اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ خاص کر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ کی ”اظہار الحق“ کا ترجمہ

”بائبل سے قرآن تک“ اور اس کا مقدمہ از مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی)

اسلام میں شیعیت کا آغاز :

اسلام میں شیعیت کے آغاز کی تاریخ بعینہ وہی ہے جو سطور بالا میں موجود محرف عیسائیت کی بیان کی گئی ہے اور اس کو اصل اسلام سے وہی نسبت ہے جو پولوس کی ایجاد کی ہوئی عیسائیت کو حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے ہوئے اصل دین عیسوی ہے جو بلاشبہ دین حق تھا۔

چونکہ راقم سطور نے اس وقت شیعیت اور اس کی تاریخ پر کوئی مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ اس وقتی تقاضے کے تحت جس کا ذکر اوپر کیا گیا صرف ایک مقالہ لکھنا ہی پیش نظر ہے اور اس میں بھی اصل مطمح نظر شیعہ مذہب کی بنیادی اور مسلم و مستند کتابوں کی روشنی میں اس کا بقدر ضرورت تعارف کرانا اور اس کی اصل حقیقت سے ان حضرات کو واقف کرانا ہے جو ناواقفی کی وجہ سے اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کے داعیوں اور علمبرداروں کے آلاکار بن کر شیعیت کے فروغ اور مسلمانوں میں اس کی مقبولیت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اس لیے صرف ہمید کے طور پر اس کے آغاز کا مختصر تذکرہ کرنا ہے۔

ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن کثیر دمشقی کی البدایہ والنہایہ، ابن خزم اندلسی کی الفصل فی الملل والنحل، شہرستانی کی الملل والنحل، اور ان کے علاوہ کئی بعض تاریخی ماخذ کے مطالعے سے شیعیت کے آغاز کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے، راقم سطور یہاں اس کا صرف حاصل ہی اپنے الفاظ میں نذر ناظرین کر رہا ہے (جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ مندرجہ بالا ماخذ میں دیکھا جاسکتا ہے۔)

جیسا کہ معلوم ہے قریب قریب پورا جزیرۃ العرب عہد نبوی ہی میں اسلام کے زیر اقتدار آ گیا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کی کوئی دشمن طاقت، نہ مشرکین کی نہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی وہاں ایسی باقی رہی تھی جو دعوت اسلام کا راستہ روک سکے۔ پھر عہد صدیقی میں (جس کی مدت بہت ہی مختصر سوا دو سال کے قریب ہے) یہ صورتحال مزید مستحکم ہوئی اور جزیرہ کے حدود سے باہر پیش قدمی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے بعد خلافت فاروقی کے قریب اسی سالوں میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا سلسلہ اتنی تیزی سے بڑھا کہ اس وقت کی دنیا کی دو بڑی شہنشاہیوں (روم و فارس) کے بیشتر مقبوضہ علاقے اسلام کے زیر اقتدار آ گئے۔ پھر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد حضرت عثمان کے دور خلافت میں بھی اسلامی دعوت اور فتوحات کا یہ سلسلہ قریب اسی رفتار سے جاری رہا۔ اس مدت میں مختلف ملکوں، علاقوں اور قوموں اور طبقوں کے بے شمار لوگ اپنے قدیم مذاہب و ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عام طوے سے وہی تھے جنہوں نے اسلام کو دین حق اور وسیلہ نجات سمجھ کر دل سے قبول کیا تھا۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید بغض و عناد رکھتے تھے وہ اسی ارادے اور منصوبے کے ساتھ مسلمانوں میں شامل ہوئے تھے کہ ان کو جب بھی موقع ملے وہ کوئی فتنہ برپا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

اسی طبقہ میں علاقہ یمین کا ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا تھا، اس نے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ غالباً اس کو امید رہی ہوگی کہ اس طرح اس کو ایک امتیاز اور حضرت عثمانؓ کا خصوصی درجہ کا حسن ظن اور اعتماد حاصل ہو جائے گا۔ لیکن حضرت عثمانؓ

کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کیا گیا۔ بعد میں اس کا جو کردار سامنے آیا اس سے معلوم ہو گیا کہ اس نے اسی ارادے اور منصوبے کے تحت یہودیت چھوڑ کے اسلام قبول کیا تھا جس کے تحت ساؤل (پولوس) نے یہودیت چھوڑ کے عیسائیت کو قبول کیا تھا۔ اس کا اصل مقصد مسلمانوں میں شامل ہو کر اور اپنے خاص کتوبوں سے ان میں مقبولیت حاصل کر کے اندر سے اسلام کی تخریب و تحریف اور ان کے درمیان اختلاف و شقاق پیدا کر کے فتنہ و فساد برپا کرنا تھا۔ مدینہ منورہ کے مختصر قیام میں غالباً اس نے اپنی ذہانت سے اندازہ کر لیا کہ یہاں اور پورے علاقہ حجاز میں ضروری دُجر کا دینی شعور عام ہے اور دین کے ایسے پاسان موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ بصرہ اور پھر شام گیا، یہاں بھی اس کو اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد وہ مصر پہنچا یہاں اس نے ایسے لوگوں کو پالیا جن کو وہ آلہ کار اور اپنی مفسدانہ مہم میں مددگار بنا سکے۔ اُس نے غالباً عیسائیت کی تحریف و تخریب میں پولوس کی کامیابی سے یہ سبق سیکھا تھا کہ کسی امت اور مذہبی گروہ کو گمراہ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ اس کی نظر میں مقدس اور محبوب ترین شخصیت کے بارے میں غلو اور افراط کا رویہ اختیار کیا جائے۔ یوحنا کا بیان ہے کہ اُس نے سب سے پہلے ان لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑا کہ مجھے اُن مسلمانوں پر تعجب ہے جو عیسیٰؑ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا تو عقیدہ رکھتے ہیں اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح آمد کے قائل نہیں، حالانکہ آپ حضرت عیسیٰؑ اور تمام ہی انبیاء سے افضل داعی ہیں آپ یقیناً دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اس نے یہ بات ایسے ہی جاہل اور ناتربیت یافتہ لوگوں کے سامنے رکھی جن میں اس طرح کی خرافات کے قبول کر لینے کی صلاحیت دیکھی۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ بات مان لی گئی (جو اسلامی اور قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف تھی) تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خصوصی قربت کی بنیاد پر آپ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُن کی شان میں طرح طرح کی غلو کی باتیں کرنا شروع کیں، ان کی طرف عجیب عجیب معجزے منسوب کر کے ان کو ایک مافوق البشر ہستی باور کرانے کی کوشش کی اور جاہلوں سادہ لوحوں کا جو طبقہ اس کے فریب کا شکار ہو گیا تھا وہ ان ساری خرافات کو بھی قبول کرتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تدریجی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والے اپنے معتقدین کا ایک حلقہ پیدا کر لیا اور پھر ایک مرحلہ پر ان کا یہ ذہن بنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت اور امت و حکومت کی سربراہی دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا، ہر نبی کا ایک وصی ہوا ہے اور وصی ہی نبی کے بعد اس کی جگہ امت کا سربراہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اس نے بتلایا کہ تورات میں بھی آپ ہی کو وصی رسول بتلایا گیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے سازش کر کے آپ کا حق غصب کر لیا اور بجائے آپ کے ابو بکر کو خلیفہ بنا دیا گیا اور انھوں نے اپنے بعد کے لیے عکرو نامزد کر دیا پھر ان کے بعد بھی آپ کے خلاف سازش ہوئی اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا جو اس کے بالکل اہل نہ تھے اور اب وہ اور ان کے عمال ایسے ایسے غلط کام کر رہے ہیں۔

ملفوظ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مہر اور بعض دوسرے شہر میں بھی حضرت عثمان کے بعض عمال کے خلاف شکایات اور الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس صورتحال اور اس فضا سے عبداللہ بن سبائے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ امیر المومنین عن المنکر اور امت میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح کی فکر و کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لیے ہم کو اس بگاڑ کی اصلاح کے لیے جو عثمان اور ان کے عمال کی وجہ سے امت میں پیدا ہو گیا ہے کھڑا ہو جانا چاہیے اور اس کو ختم کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرنا

چاہیے جو ہمارے امکان میں ہو۔

یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا نے انتہائی ہوشیاری و رازداری اور بہوری فطرت کے مکر و فریب سے اس طرح کیا جس طرح زمین دوز خفیہ تحریکیں چلائی جاتی ہیں اور مصر کے علاوہ دوسرے بعض شہروں اور علاقوں میں بھی اپنے کچھ ہم خیال بنالے۔

بھرا ایک وقت آیا جب اس نے اپنے دام افتادہ معتقدین اور ان کے ذریعہ دوسرے بہت سے جاہلوں سادہ لوحوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جدوجہد کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک مرحلہ پر خفیہ طور پر پروگرام بنالیا گیا کہ فلاں دن ہم سب اجتماعی طور پر ایک لشکر کی شکل میں مدینہ منورہ پہنچیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کے گمراہ کیے ہوئے باغی اوباشوں کا ایک پورا لشکر مدینہ پہنچ گیا۔

آگے جو کچھ ہوا، یہاں اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (ان سطروں کے سب ہی پڑھنے والے واقف ہوں گے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جو اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے فرمانروا تھے اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی صرف اجازت دیدیتے تو ہرگز وہ نہ ہو سکتا جو ہوا لیکن آپ نے نہیں چاہا کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے کسی کلوگو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس کے بجائے خود مظلومانہ شہید ہو کر اللہ کے حضور پہنچ جانا پسند فرمایا اور دنیا میں مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کر دی۔ رضی اللہ عنہ و اہلہ و عہدہ

لے یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کا گروہ جو اس فتنہ کا اصل ذمہ دار تھا جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ان کا منصوبہ تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اسلام کی تخریب اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے خود اسلام کو نقصان پہنچانا اور اس کی طاقت کو توڑنا تھا، انھوں نے جو کچھ کیا اسی مقصد کے لیے کیا تھا۔ ایسے مفسدوں فتنہ پردازوں کا قلع قمع کرنا اور ان کے خلاف طاقت (باقی صفحہ آئندہ پر)

اس خونی فضا میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو تھے خلیفہ منتخب ہوئے آپ بلاشبہ خلیفہ برحق تھے امت مسلمہ میں اس وقت کوئی دوسری شخصیت نہیں تھی جو اس عظیم منصب کے لیے قابل ترجیح ہوتی لیکن حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کے نتیجے میں (یا کہا جائے کہ اس کی خداوندی پاداش میں) امت مسلمہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور نوبہ لامہم جنگ و قتال کی بھی آئی۔ جمل اور صفین کی دو جنگیں ہوئیں عبداللہ ابن سبا کا پورا گروہ جس کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھا، اس زمانہ اور اس فضا میں اس کو پورا موقع ملا کہ لشکر کے بے علم اور کم فہم عوام کو حضرت علی کی محبت اور عقیدت کے عنوان سے غلو کی گمراہی میں مبتلا کرے یہاں تک کہ اس نے کچھ سادہ لوحوں کو وہی سبق پڑھایا جو پولوس نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا اور ان کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ حضرت علی اس دنیا میں خدا کا روپ ہیں اور ان کے قالب میں خداوندی روح ہے اور گویا وہی خدا ہیں۔ کچھ احمقوں کے کان میں یہ پھونکا کہ اللہ نے نبوت و رسالت کے لیے دراصل حضرت علی ابن ابی طالب کو منتخب کیا تھا وہی اس کے مستحق اور اہل تھے اور حامل وحی فرشتے جبریل امین کو ان ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

استعمال کرنا تو اسلامی حکومت کا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرض تھا۔ یہ ان کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔ پھر انھوں نے ان کے خلاف طاقت استعمال کیوں نہیں کی؟ — لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوں کہ ان لوگوں کی یہ تحریک اور ساری کارروائی خفیہ تھی اس لیے اس وقت یہ حقائق سامنے نہیں آئے تھے۔ یہ سب کچھ تو بعد کے واقعات سے اور تاریخ کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے۔ اُس وقت تو بس یہی بات سامنے تھی کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے برسر حکومت ہونے کے خلاف ہیں اس لیے حضرت عثمان نے وہ رویہ اختیار فرمایا اور اپنی جان اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے خونریزی اور دوسروں کی جان لینے کے بجائے اپنی جان دیدینا اپنے حق میں بہتر سمجھا۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

غلطی سے وحی لے کر حضرت محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے (استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

مُورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم میں کسی طرح یہ بات آئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بائے میں اس طرح کی باتیں چلا رہے ہیں تو آپ نے ان شیاطین کو قتل کر دینے اور لوگوں کی عبرت کے لیے آگ میں ڈلوادینے کا ارادہ فرمایا لیکن اپنے چچا زاد بھائی اور خاص رفیق و مشیر حضرت عبداللہ بن عباس اور کچھ ان جیسے لوگوں کے مشورہ پر اس وقت کے خاص حالات میں اس کا رد وائی کو دوسرے مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دیا۔

بہر حال جبل اودھین کی جنگوں کے زمانہ میں عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کو اس وقت کی خاص فضا سے فائدہ اٹھا کر حضرت علیؑ کے لشکر میں ان کے بائے میں غلو کی مگر اہی پھیلانے کا پورا پورا موقع ملا اور اسکے بعد جب آپ نے عراق کے علاقہ میں کوفہ کو اپنا دار الحکومت بنالیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا خاص مرکز بن گیا اور چوں کہ مختلف اسباب و وجوہ کی بنا پر (جن کو مُورخین نے بیان کیا ہے) اس علاقہ کے لوگوں میں ایسے

لے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے اور اس کی دعوت دینے والے یہ ریاضیہ ان ہی کے حکم سے قتل کیے گئے اور آگ میں ڈالے گئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ”منہاج السنہ“ میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (ص ۷۷، ج ۱)

اور شیعوں کی اسما و الرجال کی مستند ترین کتاب ”رجال کشتی“ میں بھی امام جعفر صادق سے متعدد روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا اور اس کی دعوت دیتا تھا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو آگ میں ڈلوکر ختم کرا دیا۔ رجال کشتی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ

غالیانہ اور گمراہانہ انکار و نظریات کے قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی اس لیے یہاں اس گروہ کو اپنے مشن میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

شیعوں میں مختلف فرقے :

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ شیعیت کے آغاز کا مختصر تذکرہ تھا، چونکہ یہ دعوت و تحریک مخفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعہ چلائی جا رہی تھی، اس لیے اس سے متاثر ہونے والے سب ایک ہی خیال اور عقیدے کے نہیں تھے۔ اس کے داعی جس سے جوابات اور جتنی بات کہنا مناسب سمجھتے وہی کہتے اور اگر وہ قبول کر لیتا تو بس وہی اس کا عقیدہ بن جاتا۔ اس وجہ سے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت علیؑ کی الوہیت یا ان کے اندر خداوندی روح کے حلول کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل و اعلیٰ اور نبوت و رسالت کا اصل مستحق سمجھتے تھے اور جبریل امین کی غلطی کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام و امیر اور وصی رسول مانتے تھے اور اس بنا پر خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) اور ان تمام صحابہ کرام کو جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان حضرات کو خلیفہ مانا اور دل سے ان کا ساتھ دیا۔ (معاذ اللہ) کا فروعی یا کم از کم غاصب ظالم اور غدار کہتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی اسی طرح کے مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے گروہ تھے۔ ان سب میں نقطہ اشتراک حضرت علی مرتضیٰؑ کے بارے میں غلو تھا اور جیسا کہ معلوم ہو چکا اس غلو کے درجات مختلف تھے۔ ابتدائی دور میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز الگ الگ فرقے نہیں بنے تھے۔ بعد میں مختلف اسباب سے جن کا مورخین نے ذکر کیا ہے ان کے مختلف فرقے بننے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر سے بھی اوپر ہوئی ان کی کسی قدر تفصیل

”مسل و نخل“ کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے، ”تحفہ اشاعشریہ“ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی ان فرقوں اور ان کے عقائد و نظریات اور باہمی اختلافات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد اماموں کی تعیین کے بارے میں بھی، ان میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے۔ — ان میں بہت سے تو وہ ہیں جن کا غالباً اب دنیا میں کہیں وجود نہیں، تاریخ کی کتابوں کے اوراق ہی میں ان کا نام و نشان باقی رہ گیا ہے۔ لیکن چند فرقے مختلف ممالک میں ہمارے اس دور میں بھی پائے جاتے ہیں، ان میں تعداد کے لحاظ سے اور بعض دوسری حیثیتوں سے بھی ”اشناعشریہ“ کو امتیاز اور اہمیت حاصل ہے اور ہم کو ان صفحات میں اسی فرقہ کے بارے میں عرض کرنا ہے کیونکہ روح اللہ خمینی صاحب اشناعشری ہیں، ان کا تصور اسلام ان کا مذہب اور ان کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو اشناعشری کی مسلم بنیادی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں اور جن کو وہ اپنے ”ائمہ معصومین“ کی طرف منسوب کرتے اور ان کی تسلیم و تلقین یقین کرتے ہیں۔

لہ اسلام میں شیعیت کے آغاز اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہو گا کہ عبداللہ بن سبا نے شیعیت کی صرف بنیاد ڈالی اور تخرم ریزی کی تھی، اس کے بعد شیعوں کے جو مختلف فرقے اور ان کے مذاہب جو ہیں آئے وہ عبداللہ بن سبا کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض یافتہ لوگوں کی تصنیف ہیں۔ اشناعشری مذہب بھی ایسے ہی کچھ لوگوں کی تصنیف ہے۔ — راقم سطور کے علم میں ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین عبداللہ بن سبا سے براہ ظاہر کرتے ہیں بلکہ قریبی زمانے کے بعض شیعہ مصنفین نے تو اس کو ایک فرضی ہستی قرار دیا ہے اور اس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے لیکن ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کوئی دعویٰ کرنے لگے کہ کربلا میں حضرت حسینؑ کی شہادت کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ شیعوں کی اس اراہال کی مستند ترین کتاب ”رجال کشی“ میں عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا گیا ہے اور متعدد سندوں سے امام جعفر صادقؑ (بقیہ لکھ صفحہ پر)

اس مذہب کی تفصیلی واقفیت تو اس کی مستند کتابوں کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے یہاں ہم اس کے صرف چند اُن بنیادی عقائد کا ذکر کریں گے جن پر اثنا عشری مذہب کی بنیادیں قائم ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا تصور اسلام اور بنیادی عقائد کتنا وسنت اور جمہور امت سے کس قدر مختلف ہیں اور اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے اور اس کو خفیہ شافعی مالکی، حنبلی، اہل حدیث وغیرہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کا سا اختلاف سمجھنے والے اور عوام کو یہ تاثر دینے والے حقیقت سے کتنے ناواقف ہیں اور دینی نقطہ نظر سے وہ کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں اور دین کے معاملہ میں اپنے پر اعتماد کرنے والے مسلمانوں کی مگرابی کی کتنی عظیم ذمہ داری اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو توفیق دے کہ وہ حقیقت حال کو سمجھیں اور جو غلطی چھپا کی تلافی و تدارک کی فکر کریں۔

بقیہ صفحہ گزشتہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل تھا اور بالآخر حضرت علی نے اس کو آگ میں ڈلوایا۔

ختم کر دیا۔ اور اسی رجال کشی میں آخری بات عبد اللہ بن سبا کے بارہ میں یہ لکھی گئی ہے

ذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ بن سبا کان یهودیا فاسلم و
 بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا پھر اسلام قبول کیا اور حضرت علی سے خاص تعلق کا اظہار کیا اور اپنی پیروی کے زمانے میں وہ حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کے بارہ میں غلو کرتا تھا پھر اسلام میں آنے کے بعد وہ اسی طرح کا غلو حضرت علی کے بارہ میں کرنے لگا اور وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کی فرضیت کا اعلان کیا اور ان کے دشمنوں نے اسے اظہار کی اور حکم کھلا ان کی مخالفت کی اور انکو کافر قرار دیا۔

وکان اول من اشہر بالقول بغرض امامۃ علی و اظهر البراءۃ من اعدائہ و کاشف مخالفیہ و اکفرہم مہ (رجال کشی طبعی بیروت ۱۳۸۴ھ)

اشنا عشریہ اور اس کی اساس و بنیاد

مسئلہ امامت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہمارے اکثر اہل علم بھی اس سے واقف نہیں ہیں کہ شیعہ اشنا عشریہ کے مسئلہ امامت کی کیا حقیقت ہے اور ان کے نزدیک دین میں اس کا کیا مقام اور درجہ ہے۔ ان حضرات کے نزدیک یہ اسی طرح رکن ایمان ہے جس طرح عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت، اور عقیدہ قیامت و آخرت۔

بہت اجمال و اختصار کے ساتھ اس مسئلہ امامت کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے اب ہم حسب وعدہ اس کی بقدر ضرورت تفصیل اشنا عشری حضرات کی مسئلہ بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابی بیانات اور ائمہ کے ان ارشادات کا ماحل پہلے اپنے الفاظ میں عرض کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس کے بعد ہمارے اُن ناظرین کے لیے بھی جو مذہب شیعہ اور اس کے مسئلہ امامت کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں، آگے پیش کیے جانے والے ائمہ کے بیانات و ارشادات سے اس مسئلہ کی تفصیلات کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

اشنا عشریہ کا عقیدہ بلکہ کہنا چاہیے کہ ایمان ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ عدل اور حکمت و رحمت کے لازمی تقاضے سے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اور بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی قیادت و سربراہی کے لیے اس کی طرف سے

انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث اور نامزد ہو کر آتے تھے جو معصوم اور مفترض الطاعتہ ہوتے تھے اور ان کی بعثت و دعوت ہی سے بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہوتی تھی اور وہ ثواب یا عذاب کے مستحق ہوتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور سربراہی کے لیے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے امامت کا سلسلہ قائم فرمادیا ہے اور قیامت تک کے لیے بارہ امام نامزد کر دیے ہیں، بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ اور قیامت ہے۔ یہ بارہ امام انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح اللہ کی حجت معصوم اور مفترض الطاعتہ ہیں اور مرتبہ اور درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل و برتر اور بالاتر ہیں۔ ان اماموں کی اس امامت کو ماننا اور اس پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت کو ماننا اور ان پر ایمان لانا شرط نجات ہے۔ ان بارہ میں پہلے امام حضرت علی مرتضیٰ تھے، جیسا کہ مختصر پہلے عرض کیا جا چکا ہے امامت کے منصب اُن کی نامزدگی کا اعلان خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قریباً اسی دن پہلے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) سے واپسی میں اللہ تعالیٰ کے تاکید و حکم سے غدیر خم کے مقام پر کیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اُن کے بعد کے لیے اُن کے بڑے بیٹے حضرت حسن اس منصب کے لیے نامزد کر دیے گئے تھے اور ان کے بعد کے لیے ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین۔ پھر ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدین) اُن کے بعد کے لیے ان کے بیٹے محمد بن علی (امام باقر) ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے جعفر صادق ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے موسیٰ کاظم۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے علی بن موسیٰ رضا۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے محمد بن علی تقی۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے علی بن محمد نقی۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے حسن بن علی عسکری۔ ان کے بعد کے لیے بارہویں اور آخری امام

محمد بن الحسن (امام غائب مہدی) جو شیعہ عقیدے کے مطابق اب سے قریب ساڑھے گیارہ سو سال پہلے ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر ۴ یا ۵ سال کی عمر میں معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور اب تک زندہ ایک غار میں روپوش ہیں۔ ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور چونکہ شیعہ عقیدہ کے مطابق دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد زندہ امام کا رہنا ضروری ہے، جو بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، اس لیے وہ قیامت تک زندہ رہیں گے اور قیامت سے پہلے کسی وقت غار سے برآمد اور ظاہر ہوں گے اور اپنے ساتھ وہ اصلی قرآن جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب فرمایا تھا جو موجودہ قرآن سے مختلف ہے اور مصحف فاطمہ وغیرہ بندوں کی ہدایت کا وہ سارا سامان اور علوم کا وہ سارا خزانہ الجعفر اور الجامعہ وغیرہ جو ان سے پہلے تمام ائمہ سے وراثہ اُن کو ملا تھا وہ ساتھ لے کر آئیں گے۔

شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدے اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات کے مطابق جیسا کہ عرض کیا گیا یہ بارہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی خلیفہ و جانشین تھے۔ یہ سب نبیوں و رسولوں کی طرح معصوم تھے، ان کی اطاعت اسی طرح فرض تھی اور فرض ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب نبیوں و رسولوں کی اطاعت ان کے اُمتیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ائمہ ہی بندوں پر اللہ کی حجت ہیں۔ ان کا مقام اور درجہ یہ ہے کہ دنیا انہی کے دم سے قائم ہے، اگر ذرا سے وقت کے لیے بھی

لے ملووظ ہے کہ یہ اثنا عشری عقیدہ کا بیان ہے۔ تاریخی شہادت اور تحقیقی بات یہ ہے کہ حسن بن علی عسکری کا کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا، ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کا بھی بیان ہے اور اسی جعفر سے حسن بن علی کی میراث انہی کو ملی تھی۔

یہ دنیا امام سے خالی ہو جائے تو زمین دھنس جائے اور یہ ساری کائنات فنا ہو جائے۔ یہ سب ائمہ صاحبِ معجزات تھے، ان کے پاس اسی طرح ملائکہ آتے تھے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کو معراج بھی ہوتی تھی۔ ان پر اللہ کی طرف سے کتابیں بھی نازل ہوتی تھیں۔ یہ سب حضرات عالم ماکان و مایکون تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم کے جامع تھے۔ ان کے پاس قدیم آسمانی کتابیں تورات، زبور، انجیل وغیرہ اپنی اصل شکل میں موجود تھیں اور وہ ان کو ان کی زبانوں میں پڑھتے تھے۔ ان کے پاس بہت سے وہ علوم بھی تھے جو قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے یا دوسرے خاص ذرائع سے حاصل ہوتے تھے۔ ان کو اختیار تھا کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی موت کا وقت بھی معلوم تھا اور ان کی موت خود ان کے اختیار میں تھی۔

مسئلہ امامت اور ائمہ معصومین کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ہمارے اپنے الفاظ میں حاصل اور خلاصہ ہے ائمہ معصومین کے ان ارشادات اور روایات کا جو اثنا عشر یہ کی مستند ترین کتابوں میں محفوظ ہیں۔ راقم سطور کو یہ سب کچھ انہی کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔ وہ روایات اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات انہی کے الفاظ میں ناظرین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے ان سے ناظرین کرام کو ان ائمہ کے اور بھی بہت سے عجیب و غریب کمالات اور امتیازات معلوم ہوں گے۔ جن کی طرف یہاں اشارہ بھی نہیں کیا جاسکا ہے۔

ہمارا ارادہ اس مقالہ میں شیعہ عقائد و مسائل پر بحث و تنقید کا نہیں ہے بلکہ ہم ان کو جوں کا توں ناظرین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس مقالہ میں ہمارے مخاطب اہل سنت ہی کے وہ اصحاب علم اور وہ دانشور حضرات ہیں جو شیعیت سے واقف نہیں اور ان کو اپنی اس ناواقفیت کا احساس

بھی نہیں، اس وجہ سے وہ بڑی بڑی غلطیاں کر رہے ہیں اور اس سے دین کو اور امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

اب ہم ناظرین کرام کے سامنے اثنا عشری حضرات کی مستند کتابوں سے مسئلہ امامت سے متعلق ان کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات اور وہ روایات پیش کریں گے جن میں وہ سب کچھ کہا گیا ہے جو ہم نے اوپر کی سطروں میں اپنے الفاظ میں عرض کیا ہے۔

اس موقع پر شیعہ اثنا عشریہ کی کتب حدیث و روایات کے بارہ میں اپنے ناظرین کو یہ بتلادینا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم اہل سنت کے یہاں صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ احادیث نبوی کے مجموعے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے اعمال و افعال اور واقعات و احوال سندوں کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں۔ اسی طرح شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں بھی احادیث و روایات کی کتابیں ہیں لیکن ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا حصہ تو بہت ہی کم بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ شاذ و نادر ہی ہے (شایدہ فی حدیثہ) زیادہ تر ان ائمہ معصومین ہی کے ارشادات اور اعمال و احوال اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں۔ اور شیعہ نقطہ نظر سے ایسا ہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ ان کے نزدیک اب قیامت تک کے لیے وہی بندوں کے لیے اللہ کی حجت اور اس کے نمائندہ و ترجمان اور امت کے واسطے ہدایت کا وسیلہ ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں رسولوں سے برتر و بالاتر ہے۔

شیعہ اثنا عشریہ کی ان کتب حدیث میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ مستند و معتبر اور قابل اعتماد ابو جعفر یعقوب کلینی رازی (متوفی ۳۲۸ھ) کی "المجامع الکافیہ" ہے۔ صحت و اسناد کے لحاظ سے ان کے نزدیک اس کا درجہ وہی ہے جو

ہم اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری کا ہے، یا اس سے بھی کچھ زیادہ — ہمارے سامنے اس کا وہ اڈیشن ہے جو اب سے ایک سو دو سال پہلے ۱۲۰۲ھ میں مطبع نوکشور لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں زیادہ تر اسی کے حوالہ سے عرض کریں گے۔ یہی اثنا عشری مذہب کا سب سے زیادہ مستند ماخذ ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، ڈھائی ہزار کے قریب صفحات ہیں، سولہ ہزار سے زیادہ روایات ہیں۔ اب ناظرین کرام کتب شیعہ کی وہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات ملاحظہ فرمائیں جن میں مسئلہ امامت اور ائمہ کے بارے میں اثنا عشری عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے — ہم حسب ضرورت عنوان قائم کر کے روایات پیش کریں گے۔

لے یہ بات ہم نے اس لیے کہی ہے کہ اس کتاب "الجامع الکافی" کے مصنف یا جامع ابو جعفر یعقوب کلینی رازی نے وہ زمانہ پایا ہے جو اثنا عشریہ کی اصطلاح میں "غیبت صغریٰ" کا زمانہ کہلاتا ہے، یعنی جس زمانے میں (شیعی عقیدہ کے مطابق) امام غائب امام مہدی کے پاس ان کے خاص محرم راز سفروں کی آمد رفت ہوتی تھی۔ علمائے اثنا عشریہ میں مشہور ہے اور ان کی بعض کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ ابو جعفر یعقوب کلینی نے یہ کتاب مرتب کرنے کے بعد ایک سفر کے ذریعہ امام غائب کے پاس بھیجی، انھوں نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی توثیق و تصدیق فرمائی اور بیان کیا جاتا ہے کہ فرمایا "ہذا کافی لشیعتنا" (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) اس مشہور روایت یا حکایت کی بنا پر یہ کتاب ایک امام معصوم کی مصدقہ ہے جب کہ ہم اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری کسی معصوم ہستی کی مصدقہ نہیں ہے (واضح ہے کہ ان سطروں میں "امام غائب" ان کی غیبت صغریٰ اور سفروں کی خفیہ آمد رفت کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اثنا عشری حضرات کا عقیدہ ہے — رہا یہ سوال کہ حقیقت اور واقعہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب ناظرین کو انشاء اللہ اسی مقالہ کے آئندہ صفحات میں وہاں مل جائے گا جہاں امام غائب اور ان کی غیبت کے بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔

مسئلہ امامت کے متعلق کتب شیعہ کی روایات اور ائمہ معصومین کے ارشادات
مخلوق پر اللہ کی محبت امام کے بغیر قائم نہیں ہوتی

اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ان الحجۃ لا
تقوم للہ علی خلقہ الا بامام (اس کا مطلب یہی ہے جو عنوان میں لکھا گیا ہے)
اس باب میں سند کے ساتھ چھٹے امام جعفر صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے
فرمایا۔

ان الحجۃ لا تقوم للہ عزوجل اللہ کی محبت اس کی مخلوق پر قائم نہیں
علی خلقہ الا بامام حتی ہوتی بغیر امام کے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ
يعرف۔ اصول کافی ص ۱۰۳ کی اور اس کے دین کی شرف حاصل ہو۔

اس باب میں اسی مضمون کی قریب قریب ان ہی الفاظ میں متعدد روایات ہیں۔

امام کے بغیر یہ دنیا قائم نہیں رہ سکتی

اصول کافی میں مندرجہ بالا باب کے بعد متصلاً دوسرا باب ہے جس کا عنوان ہے
باب ان الارض لا تخلو من حجة (دنیا محبت یعنی امام سے خالی نہیں رہ سکتی)
اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایتیں ہیں جو پوری سند کے ساتھ روایت
کی گئی ہیں ان میں سے صرف دو یہاں درج کی جاتی ہیں۔

عن ابی حمزة قال قلت لابی ابو حمزہ سے روایت ہے کہ میں نے امام
عبد اللہ بنی الارض بغیر امام؟ جعفر صادق سے عرض کیا کہ کیا یہ زمین

قال لوبقیت الارض بغیر
امام ساخت
اصول کافی ص ۱۰۴

بغیر امام کے باقی اور قائم رہ سکتی ہے؟
انھوں نے فرمایا کہ اگر زمین امام کے بغیر باقی رہے
گی تو دھنس جائے گی (قائم نہیں رہ سکے گی)

عن ابی جعفر قال لو ان
الامام صافع من الارض سلعة
لما جت باهلها کما یروج
البحر باهلہ

امام باقر سے روایت ہے انھوں نے فرمایا
کہ اگر امام کو ایک گھڑی کے لیے بھی زمین سے
اٹھالیا جائے تو وہ اپنی آبادی کے ساتھ
ڈولے گی جیسے سمندر میں موجیں آتی ہیں۔

اماموں کو پہچاننا اور ماننا شرط ایمان ہے

اسی اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے ”باب معرفة الامام والرد
الیہ“ اس باب میں ایک روایت ہے۔

عن احمد ما انه قال لا یكون
العبد مومنا حتی یعرف الله
ورسوله والائمة کلهم
وامام زمانه
اصول کافی ص ۱۰۵

امام باقر یا امام جعفر صادق سے روایت
ہے انھوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں
ہو سکتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول
کی اور تمام ائمہ اور خاص کر اپنے زمانہ کے
امام کی معرفت حاصل نہ کرے۔

اسی باب میں پوری سند کے ساتھ ایک دوسری روایت ہے۔

عن ذریح قال سالت ابا
عبد الله عن الائمة بعد النبی
صلی الله علیہ وسلم فقال کان

ذریح سے روایت ہے انھوں نے
بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادق سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ

امیر المومنین علیہ السلام اماما
 ثمرکان الحسن اماما ثمرکان
 الحسین اماما ثمرکان علی بن
 الحسین اماما ثمرکان محمد بن علی
 اماما من انکر ذالک کان کمن
 انکر معرفۃ اللہ تبارک و تعالیٰ
 و معرفۃ رسول اللہ ...
 اصول کافی ص ۱۰۶

کے باپ میں دریافت کیا تو انھوں نے
 فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین
 علیہ السلام امام تھے، ان کے بعد حسن امام تھے
 ان کے بعد حسین امام تھے، ان کے بعد علی
 بن الحسین امام تھے ان کے بعد محمد بن علی
 (امام باقر) امام تھے جو اس کا انکار کرے
 وہ اس منکر کی طرح ہے جو اللہ تبارک
 تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت کا انکار کرے۔

امامت اور اماموں پر ایمان لانے کا اور اس کی تبلیغ
 کا حکم سب سے بڑوں اور سب آسمانی کتابوں کے ذریعہ آیا ہے
 اصول کافی ہی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

قال ولایتنا ولایۃ اللہ
 التي لم یبعث نبی قط الا بها
 آپ نے فرمایا ہماری ولایت (یعنی بندوں
 پر اور مخلوق پر ہماری حاکمیت) علیہ السلام
 تعالیٰ کی ولایت و حاکمیت ہے جو نبی بھی
 اصول کافی ص ۲۷

اللہ کی طرف سے بھیجا گیا وہ اس کا اور اس کی تبلیغ کا حکم لے کر بھیجا گیا۔

آگے اسی صفحہ پر امام جعفر صادق کے صاحبزادے ساتویں امام ابو الحسن موسیٰ کاظم سے

روایت ہے۔

قال ولایۃ علیؑ مکتوبۃ فی
 آپ نے فرمایا کہ علی علیہ السلام کی ولایت

جميع صحف الانبياء ولن يبعث
الله رسولا الا بنوة محمد
صلى الله عليه وآله ووصية على
عليه السلام -

(یعنی امامت مہاکمیت) کا مسئلہ انبیاء
علیہم السلام کے تمام صحیفوں میں لکھا ہوا
ہے اور اللہ نے کوئی ایسا رسول نہیں
بھیجا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی
ہونے پر اور علی علیہ السلام کے وصی ہونے

اصول کافی ص ۲۴۶

پر ایمان لانے کا حکم نہ لایا ہو اور اس نے اس کی تبلیغ نہ کی ہو۔

اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ جس منزل من اللہ نور پر
ایمان لانے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اس سے مراد ائمہ ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے "ان الائمة نور اللہ عزوجل" اس باب
کی پہلی روایت ہے۔

عن ابی خالدة الکابلی سألت
ابا جعفر عن قول الله عز وجل
"امنوا بالله ورسله والنور
الذی انزلنا" فقال یا ابی خالد
انور والله الائمة -

ابو خالد کابلی سے روایت ہے کہ میں نے
امام باقر سے اس آیت کے بارے میں دریافت
کیا "امنوا بالله ورسله والنور الذی
انزلنا" (ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے
رسولوں پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل

کیا ہے) تو امام نے فرمایا کہ اے ابو خالد!
خدا کی قسم اس نور سے مراد ائمہ ہیں۔

اصول کافی ص ۱۱

قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے جانے والے نور کا ذکر
ہے ساری امت کے نزدیک اور ہر اس شخص کے نزدیک جس کو عربی زبان کی تہذیب بھی

ہو اس سے مراد قرآن پاک ہے جو منزل سے اللہ نور ہدایت ہے اور اللہ و رسول کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے (ان تمام آیتوں کا سیاق سابق بھی یہی بتلاتا ہے) لیکن شیعہ روایات میں امام باقر، امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم سب سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ ان آیتوں میں "نور سے اللہ" سے قرآن نہیں بلکہ شیعوہ حضرت کے بارہ امام مراد ہیں اور اللہ و رسول کے ساتھ ان ہی پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اماموں کی اطاعت فرض ہے

اسی اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان ہے "باب فرض طاعة الائمة" اس باب کی ایک روایت ہے۔

عن ابی الصباح قال اشهد انی سمعت ابا عبد الله يقول اشهد ان علیا امام فرض الله طاعته، وان الحسن امام فرض الله طاعته، وان الحسین امام فرض الله طاعته، وان محمد بن الحسن امام فرض الله طاعته، وان محمد بن علی امام فرض الله طاعته۔

ابو الصباح سے روایت ہے انھوں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ علی امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی اور حسن امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حسین امام ہیں ان کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور علی بن محمد بن علی (عابدین) امام ہیں ان کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور ان کے بیٹے محمد بن علی (امام باقر) امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے۔

اصول کافی ص ۱۰۹

نیز اصول کافی کے اس باب میں امام جعفر صادق ہی سے روایت ہے کہ فرماتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِينَ فَرَضَ اللَّهُ طَاعَتَنَا
 لَا يَبْعَثُ النَّاسُ إِلَّا مَعْرِفَتَنَا وَلَا
 يَعْذِرُ النَّاسُ بِجَهْلِ النَّاسِ مَعْرِفَتَنَا
 كَانُوا مُؤْمِنًا وَمَنْ أَنْكَرْنَا كَانُوا كَافِرًا
 وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنَا وَلَمْ يَنْكُرْنَا كَانُوا
 ضَالِّينَ حَتَّىٰ يَرْجِعُوا إِلَى الْهَدْيِ الَّذِي
 افْتَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ طَاعَتِنَا
 الْوَاجِبَةِ

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض
 کی ہے، سب لوگوں کے لیے ہم کو پہچانا
 اور ماننا ضروری ہے پہلے سے اس میں
 ناواقفیت کی وجہ سے لوگ معذور قرار
 نہیں دیے جائیں گے، جو ہم کو پہچانا اور
 مانتا ہے وہ مومن ہے اور جو انکار کرتا ہے
 وہ کافر ہے اور جو ہم کو نہیں پہچانتا اور
 انکار بھی نہیں کرتا وہ گمراہ ہے یہاں تک کہ
 وہ راہ راست پر آجائے اور ہماری وہ اطاعت
 قبول کر لے جو فرض ہے۔

اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق کے والد ماجد امام باقر سے بھی روایت کی گئی
 ہے اس کے آخر میں ہے کہ امام باقر نے ائمہ کی امامت اور ان کی اطاعت کی فرضیت کا بیان
 کرنے کے بعد فرمایا: "هَذَا دِينُ اللَّهِ وَدِينُ مَلَائِكَتِهِ" (یہی اللہ کا اور اس کے فرشتوں
 کا دین ہے) اصول کافی ص ۱۱۱

ائمہ کی اطاعت رسولوں ہی کی طرح فرض ہے

عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْعِطَّارِ قَالَ
 سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ
 اشْرَكَ بَيْنَ الْأَوْصِيَاءِ وَالرُّسُلِ
 فِي الطَّاعَةِ - أَصُولُ كَافِي ص ۱۱۱

ابو الحسن عطاسے روایت ہے کہ میں نے
 امام جعفر صادق سے سنا فرماتے تھے کہ
 اوصیاء (یعنی ائمہ) کو اطاعت میں رسولوں
 کے ساتھ شریک کرو (یعنی جس طرح رسولوں

کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح اماموں کی اطاعت فرض سمجھو)
 اصول کافی کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے
 کہ "اشرك" امر کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور ماضی مجہول واحد غائب کا صیغہ بھی ہو سکتا
 ہے دونوں صورتوں میں حاصل مطلب وہی ہوگا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔
 الصافی شرح اصول کافی جزء سوم صفحہ اول

امر کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں

اصول کافی کتاب الحج باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں محمد بن سنان سے
 روایت ہے کہ میں نے ابو جعفر (محمد بن علی تقی) سے حلال و حرام کے بارے میں
 شیعوں کے باہمی اختلاف کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

یا محمد ان الله تبارك وتعالى
 لم يزل منفرداً ابوحداً نيتاً
 ثم خلق محمداً وعلياً وفاطمة
 فمكشواً فدهر ثم خلق جميع
 الاشياء فاشهدهم خلقها
 واجبرئ طاعتهم عليها وفوض
 امورها اليهم فهم يحملون ما
 يشاؤون ويحرمون ما يشاؤون
 ولن يشاءوا الا ان يشاء
 الله تبارك وتعالى۔

اے محمد اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت
 کے ساتھ منفرد رہا پھر اُس نے محمد اور علی او
 فاطمہ کو پیدا کیا پھر لوگ ہزاروں قرن
 ٹھہرے، اس کے بعد اللہ نے دنیا کی
 تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر ان مخلوقات کی
 تخلیق پر ان کو شاہد بنایا اور ان کی
 اطاعت اور فرمانبرداری ان تمام مخلوقات
 پر فرض کی اور ان کے تمام معاملہ ان کے
 پر کر دیے تو یہ جہت جس چیز کو چاہتے ہیں
 حلال کر دیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے

ہیں حرام کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے

مگر وہ جو اللہ باریک و تعالیٰ چاہتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ قزوینی نے اس حدیث کی شرح میں تصریح کی ہے کہ یہاں محمد اور علی اور فاطمہ سے مراد یہ تینوں حضرات اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تمام ائمہ ہیں۔ (الصافی شرح اصول کافی ج ۲ ص ۱۴۹)

بہر حال امام ابو جعفر ثانی محمد بن علی تقی (جونیس امام ہیں) ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ کو چونکہ یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں تو اس اختیار کے ماتحت کسی چیز یا کسی عمل کو ایک امام نے حلال قرار دیا اور دوسرے نے حرام قرار دے دیا تو اس وجہ سے ہمارے شیعوں کے درمیان چیزوں کی حلیت و حرمت کے بارے میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

ائمہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے ”باب نادرجامع فی فضل الامام وصفاته“ اس باب میں آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا ایک طویل خطبہ ہے اس میں ائمہ کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے بار بار ان کی معصومیت کی تصریح کی گئی ہے ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

الامام الطہر من الذنوب و

المبصر من العیوب

آگے اسی خطبہ میں امام کے بارے میں ہے۔

فہو معصوم مویذ، موفق

وہ معصوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص

مسدد قد امن من الخطاء
والزلل والعثاس، يخلصه الله
بذلك ليكون حجة على
عباده وشاهدة على خلقه
تأيد و توفيق اس کے ساتھ ہوتی ہے،
اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے وہ غلطی
بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و امان
ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معصومیت کی نعمت
کے ساتھ اس کو نھیں کرتا ہے تاکہ وہ
اصول کافی ۱۲۱، ۱۲۲

اس کے ہندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

ائمہ معصومین کے قیام حمل اور ان کی پیدائش کے بارے میں امام جعفر صادق کا عجیب و غریب بیان

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب موالید الائمة علیہم السلام" اس میں
ائمہ کی پیدائش سے متعلق عجیب و غریب روایتیں ہیں، اس باب کی سب سے پہلی روایت
جو خاص طور سے قابل ذکر ہے بہت طویل ہے اس لیے اس کا صرف حاصل اور خلاصہ ہی
ذیل میں درج کیا جا رہا ہے (پورا متن اصل کتاب میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے)
امام جعفر صادق کے خاص محرم راز مرید جناب ابو بصیر نے بیان فرمایا کہ:-

جس دن امام موصوف کے صاحبزادے امام موسیٰ کاظم پیدا ہوئے (جو
ساتویں امام ہیں) اس دن امام مدوح نے بیان فرمایا کہ ہر امام اور وصی کی
پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ جس رات کو رحم مادر میں ان کا حمل قرار پانا اللہ
تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
آنے والا (فرشتہ) نہایت لذیذ و نفیس شربت کا ایک گلاس لے کر ان کے
والد کے پاس آتا ہے وہ ان کو پلا دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اب تم اپنی بیوی

سے ہمبستری کرو تو وہ ہمبستر ہوتے ہیں تو آئندہ پیدا ہونے والے امام کا حمل
 رحم مادر میں قرار پا جاتا ہے۔ اس موقع پر امام جعفر صادق نے تفصیل
 سے بیان فرمایا کہ میرے پردادا (امام حسینؑ) کے ساتھ یہی ہوا اور اس کے
 نتیجہ میں میرے دادا امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے، پھر ان کے ساتھ بھی
 یہی معاملہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے والد امام باقرؑ پیدا ہوئے، پھر
 ان کے ساتھ بھی بالکل اسی طرح کا واقعہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں میں پیدا
 ہوا اور جس رات کو میرے اس نونو لود بیٹے (موسیٰ کاظمؑ) کا حمل میری بیوی
 کے رحم میں قرار پایا اس رات کو میرے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، کہ اللہ
 تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) نہایت لذیذ و نفیس شربت
 کا گلاس لے کر میرے پاس آیا اور بیوی سے ہمبستری کے لیے مجھ سے کہا تو
 میں نے ہمبستری کی، تو میرے اس بیٹے موسیٰ کاظمؑ کا حمل قرار پایا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اور وہی جب بطن مادر سے باہر آتے
 ہیں تو اس طرح آتے ہیں کہ ان کے ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں اور سر آسمان کی طرف
 اٹھا ہوتا ہے۔ ملخصاً اصول کافی ص ۲۴۴
 اسی باب کی آخری روایت بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

عام انسانی فطرت کے خلاف اماموں کی دس خصوصیات

جناب زرارہ راوی ہیں کہ امام باقرؑ نے فرمایا۔

للامام عشر علامات یولد مطہراً	امام کی دس خاص نشانیاں ہیں وہ
مختوناً و اذا وقع علی الارض	بالکل پاک متا پیدا ہوتا ہے اور خنہ شدہ

وقع علی راحتہ رافعا صوته
 بالشہادتین ولا یجنب و
 تنام عیناہ ولا ینام قلبہ
 ولا یتناوب ولا ینعطی ویری
 من خلفہ کمایری من امامہ
 ونحوہ کرائعۃ المسک و
 الارض مامورۃ بسترہ و
 ابتلاعہ واذا لبس درہم رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کانت دفعا
 واذا لبسها غایبہ من الناس
 طویلہم وقصیرہم نادات
 علیہ شبرا -

اصول کافی ص ۲۳۶

اور جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی دُعا (زرہ) پہنتا ہے تو وہ اس کے بالکل
 فٹ آتی ہے اور جب کوئی دوسرا آدمی وہی دُعا پہنتا ہے چاہے وہ آدمی طویل
 القامت ہو یا پستہ قد ہو تو وہ دُعا ایک بالشت بڑی رہتی ہے۔

اماموں کا حمل ماؤں کے رحم میں نہیں بلکہ پہلو میں

قائم ہوتا ہے اور وہ ان کی ران سے پیدا ہوتے ہیں

اصول کافی میں تو عام انسانی فطرت کے خلاف اماموں کی مندرجہ بالا اوصاف خصوصیات
 ہی بیان کی گئی ہیں لیکن علامہ مجلسی نے حق یقین میں گیارہویں امام حسن عسکری سے

پیدا ہوتا ہے اور جب بطن مادر سے
 زمین پر آتا ہے تو اس طرح آتا ہے کہ دونوں
 ہتھیلیاں زمین پر رکھے ہوتا ہے اور بلند
 آواز سے کلمہ شہادتین پڑھتا ہے اور اس کو
 کبھی جنا (غسل کی جگہ) نہیں ہوتی اور
 سونے کی حالت میں صرف اس کی آنکھ سوتی
 ہے اور دل بیدار رہتا ہے اور اس کو کبھی
 جگہ نہیں آتی، نہ کبھی وہ انگڑائی لیتا
 ہے، اور وہ جس طرح آگے کی جانب دیکھتا
 اسی طرح پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتا

ہے اور اس کے پانچان میں مشک کی

سوی خوشبو ہوتی ہے اور زمین کو اللہ کا

حکم ہے کہ وہ اس کو ڈھک لے اور نگل لے

یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ -

حمل ما اوصیائے پیغمبر ال در شکم نمی باشد در پہلوئے باشد و از رحم بیرون
نمی آئیم بلکہ از رانِ مادرانِ فرود می آئیم زیرا کہ ما نور خداوند تعالی ایم و
چرک و کثافت و نجاست را از یاد و گردانیدہ است۔

حق الیقین ص ۱۲۶ طبع ایران

ہم اوصیائے پیغمبر (یعنی ائمہ) کا حمل ماؤں کے پیٹ معنی رحم میں قرار نہیں
پاتا بلکہ پہلو میں ہوتا ہے، اور ہم رحم سے باہر نہیں آتے بلکہ ماؤں کی رانوں
سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہم خداوند تعالیٰ کا نور ہیں، لہذا ہم کو گندگی، اور
غلاظت و نجاست سے دور رکھا جاتا ہے۔

اصول کافی کی مندرجہ بالا روایت میں اماموں کی جو پہلی خصوصیت بیان کی گئی ہے
”یولد مطہراً“ (وہ پاک صاف پیدا ہوتے ہیں) شاید اس کا مطلب یہی ہو جو علامہ مجلسی
نے امام حسن عسکری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے:

انہی علامہ باقر مجلسی نے اپنی تصنیف حیات القلوب میں ارقام فرمایا ہے۔

”امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری امامت کا درجہ نبوت و پیغمبری

است (حیات القلوب جلد سوم ص ۱۲۶) سے بالاتر ہے۔

اُمہ معصومین کو امام ماننے والے (شیعہ) اگر ظالم اور فاسق
فاجر بھی ہیں تو جنتی ہیں اور ان کے علاوہ مسلمان
اگر متقی پرہیزگار بھی ہیں تو دوزخی ہیں۔

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب فیمن دان اللہ عزوجل بغير امام
من اللہ جل جلالہ"۔ اس باب میں امام باقر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔
ان اللہ لا یستحق ان یعذب اللہ تعالیٰ ایسی امت کو عذاب دینے
امۃ دانت بامام لیس سے باز نہیں رہے گا جو ایسے امام کو مانے
من اللہ وان کانت فی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نافرمان ہیں کیا
اعمالها برة تقیة وان اللہ گیا ہے (جیسے کہ حضرت ابوبکر و حضرت
لست حی ان یعذب امۃ عمر و حضرت عثمان کو امت کا امام اور
دانت بامام من اللہ وان خلیفہ برحق ماننے والے مسلمان) اگرچہ یہ
کانت فی اعمالها ظالمة امت اپنے اعمال کے اعتبار سے نیکو کا
مسیئة۔ اور متقی پرہیزگار ہو۔ اور ایسے لوگوں

اصول کافی ص ۲۳۸ کو عذاب دینے سے اللہ باز رہے گا جو

اللہ کی طرف سے نافرمان ہونے والے اماموں کو مانتے ہوں، اگرچہ یہ لوگ اپنی عملی
زندگی میں ظالم اور بدکار و بدکردار ہوں۔

اسی باب میں ایک روایت ہے کہ امام جعفر صادق کے ایک مخلص شیعہ مرید عبد اللہ
بن ابی یعقوب نے ایک دفعہ امام موصوف کی خدمت میں عرض کیا۔

انی اخالط الناس فیکثر
عجبی من اقوام لا یتولونکم
و یتولون فلانا و فلانا
لهم امانة و صدق و وفاء
واقوام یتولونکم لیس
لهم تلك الامانة ولا
الوفاء والصدق -

میں عام طور سے لوگوں سے ملتا جلتا
ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا
ہے کہ وہ لوگ جو آپ لوگوں کی ولایت
وامامت کے قائل نہیں ہیں (یعنی
شیعہ نہیں ہیں) اور فلاں و فلاں
(یعنی ابوبکر و عمر) کی ولایت و خلافت
کے قائل ہیں، ان میں امامتداری
صداقت شکاری اور وفائے عہد

کی صفات ہیں، اور وہ لوگ جو آپ کی ولایت و امامت کے قائل ہیں (یعنی
شیعہ ہیں) ان میں یہ امامتداری اور وفائے عہد اور صداقت شکاری کی صفات
نہیں ہیں (بلکہ وہ خیانت پیشہ جھوٹے اور دغا باز ہیں)

آگے عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ میری یہ بات سن کر امام جعفر صادق سیدھے
بیٹھ گئے اور غیظ و غضب کی سی حالت میں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا -

لا دین لمن دان الله بولایة
امام جائز لیس من الله
ولا عتب علی من دان بولایة
امام عادل من الله -

اس شخص کا دین اور کوئی دینی عمل
مقبول و معتبر نہیں جو کسی ایسے امام
جائز کی ولایت کا قائل ہو جو اللہ
تعالیٰ کی طرف سے نامزد نہیں ہے اور ایسے
شخص پر اللہ کی طرف سے کوئی عتاب

اصول کافی ص ۲۳۵

اور عذاب نہیں ہوگا جو ایسے امام عادل کی ولایت و امامت کا قائل ہو جو
اللہ کی طرف سے نامزد ہو - (مطلب یہ ہوا کہ آدمی کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اگر وہ
ائمہ اثناعشر کی امامت کا قائل ہے تو بخشا جائے گا۔)

اُمّ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر
اور ساری مخلوق اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام
سے بھی برتر اور بالاتر

اصول کافی کتاب الحجہ میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے بعد کے ائمہ
کی فضیلت اور درجہ و مرتبہ کے بیان میں امام جعفر صادق کا ایک طویل ارشاد نقل کیا گیا
ہے اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

ملجاء به علی اخذ به	جو احکام علی لائے ہیں ان پر عمل کرنا
وما نهى عنه انتهى عنه	ہوں اور جس چیز سے انھوں نے منع
جری له من الفضل مثل	کیا ہے اس کو نہیں کرنا، اس سے
ما جرى لمحمد، ولمحمد	باز رہتا ہوں، ان کی فضیلت مثل
الفضل علی جمیع خلق الله عز وجل	اس کے ہے جو محمد کو حاصل ہے اور محمد
المتعقب علیہ فی شیء	کو فضیلت حاصل ہے اللہ کی تمام مخلوق
من احکامه کا المتعقب	پر، اور ان کے (یعنی علی کے) کسی حکم
علی الله وعلی رسوله والراء	پر اعتراض کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا
علیہ فی صغیرة او کبیرة	کہ اللہ اور اس کے رسول پر اعتراض
علی حد الشوک بالله، کان	کرنے والا۔ اور کسی چھوٹی یا بڑی
امیر المؤمنین باب الله	بات میں ان پر رد و انکار کرنے والا
الذی لا یوتی الامنه و	اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے درجہ پر ہے

امیر المومنین اللہ کا وہ دروازہ تھے کہ
ان کے سوا کسی اور دروازہ سے اللہ
نہیں پہنچا جاسکتا، اور وہ اللہ کا
وہ راستہ تھے کہ جو کوئی اس کے سوا کسی
دوسرے راستہ پر چلا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

سبیلہ الذی من سلف
بغیرہ یهلك وکذا لک
جری لائمة الهدی
واحد بعد واحد۔

اور اسی طرح تمام ائمہ ہدی کے لیے فضیلت جاری ہے ایک کے بعد ایک کے لئے۔
(یعنی سب کا یہی درجہ اور یہی مقام و مرتبہ ہے)

امیر المومنین کا ارشاد کہ تمام فرشتوں اور تمام پیغمبروں نے
میرے لیے اسی طرح اقرار کیا جس طرح محمد کے لیے کیا تھا۔
اور میں ہی لوگوں کو جنت اور دوزخ میں بھیجنے والا ہوں۔

اسی مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ

امیر المومنین اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ
کی طرف سے جنت اور دوزخ کے درمیان
تقسیم کرنے والا ہوں (یعنی میں لوگوں کو
جنت اور دوزخ میں بھیجوں گا) اور
میرے پاس عھائے موسیٰ اور خاتم سلیمان
ہے اور میرے لیے تمام فرشتوں نے اور الرُح
نے بھی (جو جبریل امین اور تمام فرشتوں سے
عظیم اور بالاتر ایک مخلوق ہے) اور تمام

وکان امیر المومنین کثیرا
ما یقول انا قسیم اللہ بین
الجنة والنار وانا صاحب
العصا والمیسم ولقد اقرت
لی جمیع الملائكة والروح
والرسل مثل ما اقرتوا
به لمحمد۔

اصول کافی ص ۱۱

رسولوں نے، اسی طرح اقرار کیا جیسا اقرار انھوں نے محمدؐ کے لیے کیا تھا۔

اممہ کو ماکان و مایکون کا علم حاصل تھا، اور وہ علم میں
حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے بھی فائق تھے

اہل کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ”ان الائمة علیہم السلام
یعلمون ماکان و مایکون و انه لا یخفی علیہم شیء صلوٰۃ اللہ علیہم“
یعنی ائمہ کو ماکان و مایکون کا علم ہوتا ہے اور کوئی چیز بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں
ہوتی۔ — اس باب کی پہلی روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے خاص رازداروں
کی ایک مجلس میں فرمایا کہ۔

لو كنت بین موسیٰ والخضر

لاخبرتهما انی اعلم منهما

ولا نبأتهما مالیس فی

ایدیہما لان موسیٰ والخضر

علیہما السلام اعطیا علم

ماکان ولم یعطیا علم ما

یکون و ما هو کائن حتی

تقوم الساعة وقد ورثناه

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وراثۃ۔

اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو
میں ان کو بتلاتا کہ میں ان دونوں سے
زیادہ علم رکھتا ہوں، اور ان کو اس سے
باخبر کرتا جو ان کے علم میں نہیں تھا کیونکہ
موسیٰ اور خضر علیہما السلام کو ماکان
کا علم عطا ہوا تھا اور مایکون اور جو کچھ
قیامت تک ہونے والا ہے اس کا علم ان کو
نہیں دیا گیا تھا اور ہم کو وہ علم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے وراثۃً حاصل ہوا ہے۔

اُمّ قیامت کے دن اپنے زمانے کے لوگوں کے بائے میں شہادت دیں گے

اصول کافی میں ایک باب ہے "ان الائمة شهداء الله عزوجل علی خلقه" (یعنی اُمّ اللہ کی مخلوق کے بائے میں گواہی دیں گے) اس باب میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق سے اس آیت کے بائے میں پوچھا گیا۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی
هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا
کیا حال ہوگا اُس وقت جب ہم ہر امت
نے ایک شاہد لائیں گے اور اے پیغمبر کو
ان سب پر شاہد کی حیثیت سے لائیں گے۔
تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ۔

نزلت فی امة محمد خاصة
فی کل قرن منهم امام منا
شاہد علیہم و محمد شاہد
علینا۔
یہ آیت (دوسری امتوں سے متعلق نہیں
ہے) خاص امت محمدی سے متعلق ہے
ہر زمانے میں ایک امام ہم سے ان میں ہوگا
وہ اپنے اہل زمانہ کے بائے میں شہادت
دے گا اور محمد ہمارے بائے میں شاہد ہوں گے۔

اصول کافی ص ۱۱۲

اصول کافی کے اس باب کی آخری روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔

ان الله تبارک وتعالی طهرنا
وعصمنا وجعلنا شهداء
علی خلقه وحجة فی ارضه
اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو پاک بنایا اور
معصوم بنایا ہے اور اپنی مخلوق پر ہم کو
گواہ اور اپنی زمین میں اپنی حجت

قرار دیا ہے۔

انبیاء سابقین پر نازل ہونے والی تمام کتابیں تورات،
انجیل، زبور وغیرہ اُمک کے پاس ہوتی ہیں اور وہ ان کو
ان کی اصل زبانوں میں پڑھتے ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ان الائمة عندہم جميع
الكتب التي نزلت من عند الله عزوجل وانهم يعرفونها على اختلاف السننها
راؤمک کے پاس تمام وہ کتابیں تھیں اور ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف سے انبیاء سابقین پر
نازل ہوئی تھیں، اور وہ ان کی زبانوں کے اختلاف کے باوجود ان کو پڑھتے اور جانتے
ہیں۔

اس باب میں اسی مضمون کی روایات اور امام جعفر صادق اور ان کے بیٹے موسیٰ کاظم
کے اس سلسلہ کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں اور اسی اصول کافی میں اس سے پہلے باب
میں بھی اس مضمون کی روایات ہیں، مثلاً ایک روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔

وان عندنا علم التوراة ہمارے پاس تورات، انجیل اور زبور
والانجیل والزبور وتبيان کا علم ہے اور الواح میں جو کچھ تھا
ما فی الاواح ۳۷ اس کا واضح بیان ہے۔

اور اسی اصول کافی کے ایک دوسرے باب میں امام جعفر صادق ہی کا یہ ارشاد روایت کیا گیا
ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس الجفر الابيض ہے دریافت کیا گیا وہ کیا ہے؟ تو آپ نے
فرمایا کہ اس میں

زبور داؤد علیہ السلام داؤد علیہ السلام کا زبور اور موسیٰ
وتوراة موسیٰ وانجیل عیسیٰ علیہ السلام کی تورات اور عیسیٰ کی

انجیل ہے اور ابراہیمؑ کے صحیفے
ہیں۔

وصف ابراہیمؑ
اصول کافی ص ۱۳۴

اُمّ کے لیے قرآن و حدیث کے علاوہ علم کے دوسرے عجیب و غریب ذرائع

اصول کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "باب فیہ ذکر الصحیفۃ و
المحفر و الجامعۃ و مصحف فاطمۃ علیہا السلام" (اس باب میں ذکر ہے صحیفہ
کا اور جعفر اور جامعہ اور مصحف فاطمہ علیہا السلام کا)
اس باب کی پہلی روایت بہت طویل ہے اس لیے اس کو تلخیص اور اختصار ہی کے
ساتھ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

ابوبصیر (جو شیعی روایات کے مطابق امام جعفر صادق کے خاص محرم راز شیعوں میں سے
تھے) بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض
کیا کہ مجھے ایک خاص بات دریافت کرنی ہے یہاں کوئی غیاری تو نہیں ہے؟ امام صاحب
نے وہ پردہ اٹھایا جو اس گھر اور دوسرے گھر کے درمیان پڑا ہوا تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ اس
وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔ جو جی چاہے پوچھ سکتے ہو۔ چنانچہ میں نے سوال کیا (جس کا

لے شیعہ مذہب کی پوری حقیقت روایت کے اس ابتدائی حصہ سے سمجھی جاسکتی ہے۔ امام باقر اور
امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ سے شیعہ مذہب کی تعلیمات روایت کرنے والے ابوبصیر اور زرارہ وغیرہ مذہب
شیعہ کے خاص راوی جو اپنے کو امام جعفر صادق اور امام باقر کا خاص محرم راز بتلاتے تھے، اپنے حلقے کے
خاص لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ ائمہ ہم کو شیعہ مذہب کی باتیں رازداری کے ساتھ تنہائی میں بتاتے تھے
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تعلق حضرت علی مرتضیٰ اور ائمہ کے علم سے تھا) امام جعفر صادق نے اس کا تفصیل سے جواب عنایت فرمایا۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

وان عندنا الجفر وما یدرہم
ما الجفر، قال قلت وما الجفر؟
قال وعاء من ادم فیہ علم
النبيين والوصیین وعلم
العلماء الذین مضوا من
بنی اسرائیل

اور ہمارے پاس الجفر ہے، اور لوگوں
کو کیا معلوم کہ الجفر کیا ہے؟ میں نے عرض
کیا کہ مجھے بتلایا جائے کہ الجفر کیا ہے؟
امام نے فرمایا کہ وہ چمڑے کا ایک بورا (یا
تھیلا) ہے اس میں تمام نبیوں اور وصیوں
کا علم ہے اور بنی اسرائیل میں جو اہل علم

پہلے گزرے ان کا بھی اس میں علم ہے، (اس طرح وہ تمام گزشتہ نبیوں، وصیوں
اور علماء بنی اسرائیل کے علوم کا خزانہ ہے۔)

ثم قال وان عندنا المصحف
فاطمة علیہا السلام وما
یدرہم ما مصحف فاطمة
قال فیہ مثل قرآنکرم هذا
ثلث مرات، واللہ ما فیہ

اس کے بعد امام نے فرمایا کہ اور ہمارے
پاس مصحف فاطمہؑ علیہا السلام ہے۔
اور لوگوں کو کیا خبر کہ مصحف فاطمہ کیا ہے
امام نے فرمایا کہ اس میں تمہارے اس قرآن
سے تین گنا ہے اور اللہ کی قسم اس میں

(صور گزشتہ کا تقیہ)

جب کوئی دوسرا آدمی نہیں ہوتا تھا، اس طرح یہ لوگ چاہتے ان اماموں کی طر منسوب کر کے کہہ سکتے تھے اور
انہوں نے یہی کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی اصل حقیقت بس یہی ہے — ورنہ ہمارے اور جمہور
امتِ محمدیہ کے نزدیک یہ حضرات اللہ کے مقبول با صفا بندے اعلیٰ درجہ کے صاحب علم و تقویٰ تھے
ان کا ظاہر و باطن ایک تھا، وہ سب کو دین کی تعلیم علانیہ دیتے تھے ان کی زندگی میں نفاق کا
شائبہ بھی نہیں تھا جس کا نام شیعہ حضرات نے "تقیہ" رکھ لیا ہے۔

تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی
نہیں ہے۔

من قرآنکم حرف واحد
اصول کافی ص ۱۳۶

ایک ضروری انتباہ

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ روایت کے راوی ابوبصیر نے امام جعفر صادق کا جواب اور بیان نقل کیا ہے اس میں قرآن پاک کو دو دفعہ قرآنکم (تمہارا قرآن) کہا گیا ہے۔ اور مصحف فاطمہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تمہارے قرآن سے تین گنا ہے اور اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان ہی افزائش میں سے ہے جو ابوبصیر وغیرہ کی طرف سے اصول کافی وغیرہ کتب شیعہ کی روایات میں ائمہ اہل بیت کے بارے میں غالباً ہزاروں کی تعداد میں کیے گئے ہیں۔ کسی صاحب ایمان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے کو قرآن سے الگ رکھے اس کو دوسروں کا قرآن بتائے۔ ہاں ہم نے آریہ سماجی اور عیسائی مناظرین کو دیکھا ہے وہ مسلمانوں سے اس طرح کی بات کرتے ہیں۔ کہ تمہارے قرآن میں ایسا ہے اور تمہارے قرآن میں یہ ہے۔ بہر حال ہم کو یقین ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے ہرگز یہ بات نہیں فرمائی۔ دراصل اس طرح کی روایات ان لوگوں نے گھڑی ہیں جنہوں نے مذہب شیعہ تصنیف کر کے امام جعفر صادق امام باقر اور دوسرے بزرگان اہل بیت کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت کے راوی جناب ابوبصیر بھی انھیں میں سے ہیں اور ان کا اس کام میں بڑا حصہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بتا خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ابوبصیر اور زرارہ وغیرہ جو اس طرح کی روایتوں کے راوی ہیں (اور ہمارے نزدیک فی الحقیقت شیعہ مذہب کے مصنف ہیں) کو ذمہ دہتے تھے اور حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق مدینہ منورہ میں۔ یہ لوگ کوفہ سے کبھی کبھی مدینہ منورہ آتے اور یہاں سے واپس جا کر کوفہ میں اپنے خاص حلقہ میں ان ائمہ کی طرف منسوب کر کے اس طرح کی روایات بیان کرتے تھے۔ ان ہی روایات پر شیعہ مذہب کی بنیاد ہے۔

مصحف فاطمہ کیا ہے؟

مندرجہ بالا روایت میں مصحف فاطمہ کا ذکر آیا ہے، اس کے بارے میں امام جعفر صادق بنی کا تفصیلی بیان "اصول کافی" کے اسی باب کی دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے، ناظرین اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جناب ابوبصیر سی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ فرمایا کہ۔

ان الله لما قبض نبيه
عليه السلام دخل فاطمة
من الحزن ما لا يعلمه الا
الله عز وجل فارسل
اليها ملكا يسلي غمها
ومجد ثها فشكت ذلك
الى امير المؤمنين عليهما
السلام فقال لها اذا
احسستِ بذالك و
سمعت الصوت قولي
لى، فاعلمته بذالك
فجعل امير المؤمنين
عليه السلام يكتب كلما
سمع حتى اثبت من
ذالك مصحفًا (اصول کافی ص ۱۴۶)

اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو
اس دنیا سے اٹھایا اور آپ کی وفات
ہو گئی تو فاطمہؑ کو ایسا رنج و غم ہوا جس کو
اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو اللہ نے
ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو ان کے
غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں
کیا کرے۔ فاطمہ نے امیر المؤمنین کو یہ بات
بتلائی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تم کو
اس فرشتہ کی آواز کا احساس ہو اور اس کی
آواز سنو تو مجھ کو بتا دو تو اس کا آواز
پر میں نے ان کو بتلایا تو امیر المؤمنین
نے ایسا کیا کہ جو کچھ اس فرشتہ سے سنتے
اس کو لکھتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے
اس سے ایک مصحف تیار کر لیا (یہی مصحف
فاطمہ ہے۔)

ناظرین کو یہ بات پہلی روایت سے معلوم ہو چکی ہے کہ یہ مصحف فاطمہ قرآن مجید سے تین گنا تھا۔

ائمہ پر بھی بندوں کے دن رات کے اعمال پیش ہوتے ہیں

اصول کافی میں باب ہے ”باب عرض الاعمال علی النبی والائمة علیہ السلام“
(باب اس بیان میں کہ بندوں کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ائمہ پر پیش ہوتے ہیں)

اسی باب میں روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے اُن کے ایک خاص آدمی عبد اللہ بن ابان الزیات نے درخواست کی کہ۔

ادع اللہ لی ولاہل بیعتی میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے
فقال اولست افعل دعا فرمائیے! تو انھوں نے کہا کہ کیا
واللہ ان اعمالکم لتعرض علیّ فی کل یوم ولیلۃ میں دعا نہیں کرتا ہوں، خدا کی قسم
ہر دن اور رات میں تمھارے اعمال

میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں
(مطلب ہے کہ ہر دن اور رات میں جب تمھارے اعمال میرے سامنے آتے ہیں تو
میں تمھارے لیے دعا کرتا ہوں)

آگے روایت میں ہے کہ درخواست کرنے والے عبد اللہ بن ابان نے اس کو بڑی غیر معمولی
بات سمجھا تو ابام رضا نے کہا کہ کیا تم قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے ہو فَسَیَرَى اللہُ عَمَلُکُمْ
وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ (تمھارے اعمال کو اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے)
اس آیت میں ”المؤمنون“ سے مراد خدا کی قسم علی بن ابی طالب ہیں۔ (اصول کافی ص ۱۳۴)
اس کی شرح میں علامہ قزوینی نے لکھا ہے کہ ”امام رضا نے ”المؤمنون“ کی تفسیر

بیان کرتے ہوئے صرف حضرت علی کا ذکر کیا کیونکہ امامت کا سلسلہ ان ہی سے چلتا ہے ورنہ
مردودہ اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے ان کے بعد کے تمام ائمہ ہیں۔

(النسانی جز سوم حصہ اول ص ۱۴)

ائمہ کے پاس فرشتوں کی آمد ر رہتی ہے

اصول کافی میں ایک باب ہے ”ان الائمة معدن العلم و شجرة النبوة و
مختلف الملائكة“ ائمہ علم کا معدن (سرچشمہ) ہیں اور شجرہ نبوت ہیں اور ان کے پاس
ملائکہ کی آمد ر رہتی ہے۔ اس باب میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق
نے فرمایا۔

نحن شجرة النبوة وبيت
الرحمة و مفاتيح الحكمة و
معدن العلم و موضع الرسالة
و مختلف الملائكة۔
ہم لوگ نبوت کے درخت ہیں اور ر
کے گھر ہیں، اور حکمت کی کنجیاں ہیں
اور علم کا خزانہ ہیں اور رسالت
کی جگہ ہیں اور ہائے پاس ملائکہ کی
آمد ر رہتی ہے۔

۱۴۵

ہر شب جمعہ میں ائمہ کو معراج ہوتی ہے وہ عرش تک پہنچا جاتے ہیں

اور وہاں ان کو بے شمار نئے علوم عطا ہوتے ہیں

اسی اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔
ان لنا فی لیا لی الجمعة
لثانا من الشان ...
ہم جمعہ کی راتوں میں ایک
عظیم شان ہوتے ہیں۔ وفات یافتہ

یوزن لارواح الانبیاء
الموتی علیہم السلام
وارواح الاوصیاء الموتی
وروح الوصی الذی
بین اظہرکم یخرج بها
الی السماء حتی توافی
عرش ربها فتطوف به
اسبوعاً فتصلی عند
کل قائمة من قوائم
العرش رکعتین ثم ترد
الی الابدان الی کانت
فیہا فتصبح الانبیاء
والاوصیاء قد ملئوا
سروراً ویصبح الوصی
الذی بین ظہرانیکم
وقد زید فی علمہ
مثل الجم الغفیر۔

اصول کافی ص ۱۵۵

انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور
اسی طرح فوت شدہ دھیوں کی روحوں
کو اور اس زندہ دھی کی روح کو
جو تھکے دریاں موجود رہتا ہے
اجانت دی جاتی ہے ان کو آسمان
کی طرف اٹھایا جاتا ہے یہاں تک
کہ وہ سب عرش الہی تک پہنچ جاتی
ہیں وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ
طواف کرتی ہیں، پھر عرش الہی کے
ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی
ہیں، پھر ان سب روحوں کو ان کے
ان جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے
جن میں وہ پہلے تھیں۔ پھر تمام نبی
اور دھی اس حالت میں صبح کرتے
ہیں کہ مسرت سے لہریں ہوتے ہیں اور
وہ دھی جو تھکے دریاں ہیں اس
حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں
مثل جم غفیر کے اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس روایت کے بعد اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں۔

ائمہ کو وہ سب علوم حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

فرشتوں اور نبیوں رسولوں کو عطا ہوئے ہیں

اور اس کے علاوہ بہت سے ایسے علوم بھی جو نبیوں اور

فرشتوں کو بھی عطا نہیں ہوئے

اصول کافی میں باب ہے ان الائمة علیہم السلام یعلمون جمیع العلوم
التي خرجت الى الملائكة والانبیاء والرسل علیہم السلام (۱۵۶) (ائمہ
علیہم السلام ان تمام علوم کے عالم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں اور انبیاء و
رسل علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں۔)
اسی باب کی پہلی حدیث ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان لله تبارک و
تعالیٰ علمین، علما اظهر
علیه ملائکته وانبیاءه
ورسله فما اظهر
علیه ملائکته ورسله
وانبیاءه فقد علمناه
وعلمنا استاثرا لله فاذا
بدء الله بشیئ منه

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے دو قسم کے علم ہیں ایک
قسم ان علوم کی ہے جن کی اطلاع
اس نے اپنے فرشتوں اور نبیوں اور
رسولوں کو دی ہے تو ان کی اطلاع
اور ان کا علم ہم کو بھی ہے اور اللہ
تعالیٰ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے
جس کو اس نے اپنے لیے خاص کر لیا
ہے (یعنی نبیوں اور رسولوں اور

اعلمنا ذالک و عرض علی
الائمة الذین کانوا من
قبلنا
فرضوں کو بھی اس کی اطلاع نہیں
دی ہے) توحید اللہ تعالیٰ اپنے اس
خاص علم میں سے کسی چیز کو شروع کرنا
ہے تو ہم کو اس کی اطلاع دیتا ہے
اصول کافی ص ۱۵۶
اور حوائج المسلمین سے پہلے گزر چکے ہیں، ان پر بھی اس کو پیش کر دیتا ہے۔

الحمد لله ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب
نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور الروح لے کر آتے ہیں

اصول کافی باب البزائین امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انھوں نے قرآن پاک
کی آیت "يَعُوذُ بِاللّٰهِ مَا يَشَاءُ وَيُفِيْتُ وَعِنْدَآءُ عَلَمُ الْكِتَابِ" کی تفسیر اور وضاحت
کرتے ہوئے فرمایا کہ کتاب میں سے

وہی چیز نائی جاتی ہے جو پہلے موجود
تھی اور وہی چیز ثابت کی جاتی ہے
جو پہلے نہیں تھی۔
دھل بھی الا ما کان ثابتاً
دھل یثبت الا ما لم یکن
۸۵

اس کی شرح اور وضاحت کرتے ہوئے اصول کافی کے شارح علامہ قزوینی نے لکھا

۸۶

برائے ہر سال کتاب علیحدہ است مراد
کتاب است کہ درال تفسیر احکام حوادث
کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر
نازل شوند بآں کتاب ملائکہ و روح
ہر سال کے لیے ایک کتاب علیحدہ ہوتی
ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں
ان احکام حوادث کی تفسیر ہوتی ہے
جن کی ضرورت امام وقت کو آئندہ

در شب قدر بر امام زماں
سال تک ہوگی، اس کتاب کو لے کر
(الصافی شرح اصول کافی ج ۲۲۹)
ملا لکھ اور الروح شب قدر میں امام نماں
پر نازل ہوتے ہیں۔

واضح ہے کہ شیعوں کے نزدیک ”الروح“ سے روح الامین جبریل مراد نہیں ہیں
بلکہ ان کے نزدیک ”الروح“ ایک مخلوق ہے۔ جبریل امین سے اور تمام فرشتوں سے زیادہ
عظیم الشان (الصافی شرح اصول کافی میں یہ بات صراحت سے لکھی گئی ہے۔)
اور اسی اصول کافی میں آگے ایک باب ہے ”باب فی شان انا انزلناہ فی

لیلة القدر“
اس باب میں امام باقر سے ایک طویل روایت نقل کی گئی ہے اس میں امام موصوف
تے فرمایا ہے۔

ولقد قضی ان یکون فی کل
سنة لیلة یهبط فیہا بتفسیر
الامور الی مثلها من
السنة المقبلة۔
(اصول کافی ص ۱۵۳)
اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے
مقرر ہو چکی ہے کہ ہر سال میں ایک آ
ہوگی جس میں اگلے سال کی اسی رات
کے سارے معاملات کی وضاحت اور
تفصیل نازل کی جائے گی۔

اس روایت کا مطلب اور حاصل بھی وہی ہے جو ”الصافی“ کی مندرجہ بالا عبارت سے
معلوم ہو چکا ہے یعنی ہر سال کی شب قدر میں امام پر ایک کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
نازل ہوتی ہے جس میں آئندہ سال کی لیلة القدر تک پیش آنے والے معاملات و واقعات
کا بیان ہوتا ہے۔

اُمّہ انہی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور انکی موت
اُن کے اختیار میں ہوتی ہے

اصول کافی میں باب ہے جس کا عنوان ہے "ان الائمة علیہم السلام
یعلمون متی یموتون وانہم لا یموتون الا باختیار منہم" (۱۵۸) اُمّہ علیہم السلام
جانتے ہیں کہ کب ان کی وفات ہوگی، اور ان کی وفات ان کے اپنے اختیار ہی سے ہوتی ہے۔
اس باب میں چودہ ائمہ سے نقل کی گئی ہیں ان کا حاصل یہی ہے —
البتہ اس باب کی آخری روایت شیعوہ حضرات کے لیے خاص طور سے قابل غور ہے اس لیے
یہاں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام	نام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ
قال انزل اللہ عزوجل	اللہ عزوجل نے (کر بلا میں) حسین علیہ السلام
النصر علی الحسین علیہ	کے لیے آسمان سے مدد (ملائکہ کی فوج)
السلام حتی کان بین	بھیجی تھی، وہ آسمان اور زمین کے
السماء والارض ثم خیر	درمیان آگئی تھی، پھر اللہ نے حسین
النصر ولقاء اللہ فاختر	علیہ السلام کو اختیار دیا کہ وہ خدا کی
لقاء اللہ عزوجل	(آسمانی فوج) کی مدد قبول کریں اور
اصول کافی ص ۱۵۹	اس سے کام لیں یا اللہ کی ملاقات

(یعنی شہادت اور وفات) کو پسند کریں، تو انھوں نے اللہ کی ملاقات (یعنی شہادت)
کو پسند کیا۔

شیعوہ حضرات کو اس روایت کی روشنی میں حضرت حسین کی شہادت پر اپنے نوحہ و ماتم کے

روبر کے بائے میں غور فرمانا چاہیے۔

اُم کے پاس انبیاء سابقین کے معجزات بھی تھے

اصول کافی میں ایک باب ہے ”باب ماعند الائمة من آیات الانبیاء“
(یعنی انبیاء سابقین کے اُن معجزات کا بیان جو ائمہ کے پاس تھے)۔

اس باب میں پہلی روایت امام باقر علیہ السلام کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ عصا جو اُن کا خاص معجزہ تھا جس کا قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے وہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا تھا جو ان سے منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ تک پہنچا تھا اور اب وہ ہمارے پاس ہے اور وہ اسی طرح منتقل ہو کر آخری امام (مہدی) تک پہنچے گا اور وہ وہی کام کرے گا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کرتا تھا۔ (اصول کافی ۱۳۱)
آگے اسی باب میں امام باقر ہی کی روایت ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی مرتضیٰ) ایک رات میں عشاء کے بعد باہر نکلے اور آپ فرماتے تھے۔

خروج علیکم الامام علیہ	امام زماں نکل کر تھارے سامنے آیا ہے
فیص آدم و فی یدہ خاتم	اس کے جسم پہ حضرت آدم علیہ السلام کی قمیص
سلیمان وعصا موسیٰ	ہے اور اس کے ہاتھ میں حضرت سلیمان
(اصول کافی ص ۱۳۲)	کی انگشتری ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔

اُم دنیا اور آخرت کے مالک ہیں وہ جس کو

چاہیں دے دیں اور بخش دیں

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب ہے ”باب ان الارض کلھا لامام علیہ السلام“ (یعنی ساری زمین امام علیہ السلام کی ملکیت ہے) اس باب میں

جناب ابوبصیر سے روایت ہے کہ میرے ایک سوال کے جواب میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

اما علمت ان الدنيا و
الأخرة للامام يضعها
حيث شاء ويدفعها الى
من يشاء (امول کافی ص ۲۵۹)
کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں
کہ دنیا اور آخرت سب امام کی
ملکیت ہے وہ جس کو چاہیں دیدیں
اور عطا فرمادیں۔

امامت، نبوت اور الوہیت کا مرکب :

ائمہ اور امامت کے بارے میں شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں سے جو کچھ یہاں تک نقل کیا گیا وہ یہ جانتے اور سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اثنا عشری مذہب کی رو سے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام کے تمام خصال و کمالات اور معجزات تک حاصل تھے اور ان کا درجہ تمام انبیاء سابقین یہاں تک کہ انبیاء اولوالعزم حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے بھی برتر و بالا اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل برابر ہے۔ اور اس سے بھی آگے یہ کہ وہ صفات الوہیت کے بھی حامل ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ وہ عالم ماکان و مایکون ہیں، کوئی چیز ان سے مخفی اور ان کے لیے غیب نہیں (لا یخفی علیہم شیء) اور یہ کہ ان کے بارے میں غفلت اور سہو و نسیان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور کائنات کے ذرہ ذرہ پر انکی تکوینی حکومت ہے، یعنی انکو کن فیکونی اقتدار حاصل ہے، اور وہ دنیا و آخرت کے مالک ہیں جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں۔ ان عقائد میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شیعیت اور مسیحیت میں کتنا قرب اور کیسی مشابہت ہے۔

قرآن مجید سے

امامت اور ائمہ کا بیان

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ”باب فیہ نکات و نکت من التنزیل فی الولاية“ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ائمہ معصومین کی وہ روایات اور وہ ارشادات درج کیے جائیں گے جن میں مسئلہ امامت اور ائمہ کی شان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب مبین قرآن مجید کے نکات و رشحات بیان فرمائے گئے ہیں (یہ باب بہت طویل ہے، اس میں قریباً ایک سو روایات اس موضوع سے متعلق درج کی گئی ہیں۔ اور قریباً سب ہی اس کی مستحق ہیں کہ ان کو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے لیکن مقالہ کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہاں ان میں سے صرف چند ہی بطور ”مثبت نمونہ از خروارے“ پیش کریں گے۔

(ہمیں یقین ہے کہ علم و عقل رکھنے والے سب ہی ناظرین محسوس کریں گے کہ اس باب کی قریباً سب ہی روایتیں قرآن مجید کے ساتھ مذاق بلکہ اس کی روح پر ظلم کی عبرتناک مثالیں ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر جو امامت
پیش کی تھی اور جس کا بار اٹھانے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا
وہ امامت کا مسئلہ تھا

(۱۱) سورہ الزاب کی آیت ۲۷ ہے "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ
كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا"

اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے
آپ نے فرمایا "ہی ولایۃ امیر المؤمنین علیہ السلام" (اصول کافی ص ۳۱)
یعنی اس آیت میں "الامانة" سے امیر المؤمنین (حضرت علی رضی) کی امامت مراد
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت کا مسئلہ آسمانوں اور زمین اور
پہاڑوں پر پیش کیا تھا اور ان سے اس کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آسمان
اور زمین اور پہاڑ امیر المؤمنین کی امامت کے اس مسئلہ کو قبول کرنے کا بار عظیم اٹھانے
کی ہمت نہیں کر سکے اور خون زدہ ہو گئے اور انکار کر دیا۔

اس پر بس یہی تبصرہ کیا جاسکتا ہے کہ آیت کے لفظ "الامانة" سے امیر المؤمنین
کی امامت مراد لینا ایسی ہی مہمل اور بے تکی بات ہے جیسے کوئی قادیانی دعوے
کے کہ اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لانا ہے۔
اس باب کی تمام روایتوں کا یہی حال ہے واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایسی

روایات ان ائمہ (حضرت امام جعفر صادق یا ان کے والد ماجد حضرت امام باقر) کی طرف منسوب کی ہیں، انھوں نے ان کی علمی اور دینی حیثیت کو سخت مجروح کیا ہے۔ یہی وہ روایات ہیں جن پر شیعیت کے اساسی مسئلہ امامت کی بنیاد ہے۔

قرآن مجید نہیں، امامت کا مسئلہ

(۲) قرآن مجید سورہ شعراء کے آخری رکوع کی آیت ۱۹۳-۱۹۴ ہے۔ "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۖ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ" جس کا صاف سیدھا مطلب یہ ہے کہ روح الامین یعنی جبریل اس قرآن کو لے کر جو واضح اور فصیح عربی زبان میں ہے اے رسول تمھارے قلب پر نازل ہوئے (یعنی تمھارے دل تک پہنچایا) تاکہ تم لوگوں کو بُرے انجام سے آگاہی دینے والے ہو جاؤ۔ لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ہی الولاية لامير المؤمنين
عليه السلام۔

کہ جبریل جو میرے کر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوئے، وہ امیر المؤمنین

(حضرت علی) کی ولایت و امامت کا مسئلہ تھا۔

اصول کافی ص ۲۶۱

مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت قرآن مجید کے بابے میں نہیں ہے بلکہ امامت کے مسئلہ سے متعلق ہے۔

(۳) قرآن مجید سورہ مائدہ کے نویں رکوع کی آیت ۶۶ ہے "وَلَوْ أَنَّهُمْ قَامُوا التَّوْبَةَ وَالْإِحْسَانَ وَمَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مِنْ يَدِهِمْ... الخ" اس آیت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے بابے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ تورات و انجیل پر اور اس تازہ وحی قرآن مجید پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لیے نازل ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک

عمل کرتے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتیں — لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں بھی یہی فرمایا کہ ”الولاية ص ۲۶۲“ مطلب یہ ہوا کہ ”مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ“ سے قرآن مراد نہیں بلکہ امامت کا مسئلہ مراد ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ جو شخص قرآن پاک کھول کر ان آیتوں کو سیاق و سباق کے ساتھ دیکھے گا اس کو حیرت ہوگی کہ جن لوگوں نے امام باقر جیسے صاحب علم اور صاحب تقویٰ بزرگ کے بارے میں یہ روایتیں گھڑیں۔ وہ کس قدر بے علم، بد عقل اور نا فہم تھے۔

قرآن میں ”بیعتیں پاک“ اور تمام ائمہ کے نام تھے وہ نکال دیے گئے اور تحریف کی گئی

(۴) قرآن مجید سورہ طہ کی آیت ۵۷ اس طرح ہے۔ ”وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسٰى وَلَمْ يُجِدْ لَهٗ عَزْمًا اَلَا“ (جس کا مطلب ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے ہی ایک حکم دے دیا تھا اگر اس رخت کے پاس نہ جاییو!) پھر وہ آدم اس کو بھول گئے) اب سنئے اصول کافی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے قسم کھا کے فرمایا کہ یہ پوری آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

اور ہم نے پہلے ہی حکم دیا تھا آدم کو

کچھ باتوں کا محمد اور علی اور فاطمہ اور

حسن اور حسین اور ان کی نسل سے

پیدا ہونے والے باقی اماموں کے بارے

میں۔ پھر وہ آدم بھول گئے۔ (امام

وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اِلٰى اٰدَمَ

مِنْ قَبْلِ كَلِمَاتٍ فِى مُحَمَّدٍ

وَعَلٰى وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَ

الْحُسَيْنَ وَالْاِثْمَةَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ

فَنَسٰى ... هٰكذَا وَاللّٰهُ

انزلت علی محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم۔
جعفر صادق نے فرمایا (خدا کی قسم
یہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی
اصول کافی ص ۲۶۳) طرح نازل ہوئی تھی۔

ظاہر مطلب یہی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اس طرح نازل ہوئی تھی کہ اس میں یہ سب نام تھے (اور مطلب یہ تھا کہ ہم نے
آدم کو علی، فاطمہ اور حسن اور حسین اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے اماموں کے
بائے میں کچھ خاص احکام دیے تھے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد (شیعی عقیدہ کے مطابق) جو لوگ غاصبانہ طور پر خلیفہ اور امیر المومنین بن گئے تھے انھوں نے
قرآن میں جو تصرفات کیے اور جو تحریفیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورہ طہ کی
اس آیت میں سے خط کشیدہ حصہ نکال دیا جس میں نام بنام بنی نضیر اور ان کی نسل
سے پیدا ہونے والے ائمہ کا ذکر تھا۔

قرآن پاک میں اس طرح کی تحریفات کا ذکر اصول کافی کی بلا ما بالغہ سیکڑوں روایات
میں ہے۔

قرآن میں سی طرح کی ایک دوسری تحریف

(۵) سورہ بقرہ کے شروع ہی میں آیت ۲۳ ہے "إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا
نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ....." ظاہر ہے کہ اس آیت میں اسلام
اور قرآن کے منکروں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے اور چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم کو کچھ
شک ہے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں جو ہم نے اپنے اس بندے (محمد
صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے تو تم اس کے مثل ایک ہی سورت (بنا کر یا بنوا کر)
لے آؤ۔

لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت کیا گیا ہے کہ۔

نزل جبرئیل بھذہ الایۃ
علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم ہکذا "ان کنتم
فی ریب مما نزلنا علی عبدنا
فی علی فاتوا بسورۃ من
مثلہ" ۲۶۳

جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت
اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ
اس میں "علی عبدنا" کے بعد اور
"فاتوا" سے پہلے "فی علی" کا لفظ تھا
(اور اس طرح اس آیت میں حضرت علی
کی امامت کا ذکر تھا)

ظاہر مطلب روایت کا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد جو لوگ غاصبانہ طور پر برسرِ اقتدار آگئے تھے انھوں نے اس آیت میں سے یہ لفظ ساقط
کر دیا اور یہ تحریف کر دی۔

(۶) قرآن مجید سورہ روم کی آیت ۳ میں ہے "فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا"
جس کا صاف مطلب ہے کہ ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ کر لو دین اسلام کی پیروی اور
اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف۔ لیکن اصول کافی میں ہے کہ امام باقر علیہ السلام
نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ

ہی الولاية ۲۶۴ اس سے مراد ولایت و امامت کا مسئلہ ہے (یعنی آیت میں
اس کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے)

معاذ اللہ! حضرت علی کی ولایت و امانت ماننے کی وجہ
حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام قطعی کا فسر و مرتد

(۷) قرآن مجید سورہ نساء کے بیسویں رکوع کی آیت ۱۳ ہے "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
ثُمَّ كَفَرُوا تَمَّ أَمْنُهُمْ كُفْرًا وَآمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آذَادُوا كُفْرًا لَّيْكُنَ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ الْآيَةُ

اس میں ایسے بد بختوں کے بارے میں جنہوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن اس کے بعد پٹ گئے اور کفر کا طریقہ اپنا لیا اس کے بعد پھر ایمان کا اظہار کیا اور اس کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور پھر کفر ہی میں آگے بڑھتے رہے (تو ایسے بد بختوں کے بارے میں اس آیت میں) فرمایا گیا ہے کہ ان کی ہر گز مغفرت نہیں ہوگی، ظاہر ہے کہ ایسے ایسے منافقوں کو آگاہی دی گئی ہے جو اپنی دنیوی مصلحتوں اور مفادات کے تقاضوں کے مطابق کبھی مسلمانوں میں شامل ہو جاتے تھے اور کبھی کافروں سے جا ملتے تھے۔ لیکن سنئے کہ اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا۔ (روایت پڑھنے سے پہلے ناظرین یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ شیعہ روایات میں جہاں فلاں و فلاں کے الفاظ آتے ہیں تو ان سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ ہوتے ہیں اور جہاں یہ لفظ تین دفعہ آتا ہے وہاں تیسرے فلاں سے حضرت عثمانؓ مراد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ناظرین کرام اصل روایت ملاحظہ فرمائیں، اصول کافی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے فرمایا۔

نزلت فی فلان و فلان و	یہ آیت فلاں اور فلاں اور فلاں
فلان امنوا بالنبی صلی اللہ	(یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کے بارے میں
علیہ وسلم فی اول الامر و کفروا	نازل ہوئی ہے۔ یہ تینوں شروع میں
حیث عرضت علیہم الولاية حين	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
قال النبی صلی اللہ علیہ الہ وسلم	لائے اور جب ان کے سامنے حضرت علیؓ کی
من کنت مولاه فهذا علی	ولایت و امامت کا مسئلہ پیش کیا گیا اور

۱۔ اصول کافی کی شرح الحافی میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "امام" گفت این آیت

نازل شد در ابوبکر و عمر و عثمان ... الخ الحافی جز سوم حصہ دوم ص ۹۱

مولاہ ثم امنوا بالبیعة
 لا میر المؤمنین علیہ السلام
 آپ نے فرمایا من کنت مولاہ
 فہذا علی مولاہ تو یہ تینوں سے
 منکر ہو کر کافر ہو گئے، پھر حضور کے فرمانے
 سے انھوں نے امیر المؤمنین کی بیعت کر لی
 اور اس طرح پھر ایمان لے آئے، پھر جب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال
 ہو گیا تو پھر یہ (امیر المؤمنین علی کی)
 بیعت کا انکار کر کے کافر ہو گئے پھر یہ
 کفر میں اور آگے بڑھ گئے جب انھوں نے

اصول کافی ص ۲۶۵

ان لوگوں سے بھی بیعت خلافت لے لی جو امیر المؤمنین سے بیعت کر چکے تھے تو اب
 یہ سب اس حال میں ہو گئے کہ ان میں ایمان ذرا سا بھی باقی نہیں رہا۔ (قطعی
 کافر ہو گئے)

(۸) اصول کافی ہی میں مندرجہ بالا روایت کے بعد متصلاً امام جعفر صادق ہی
 سے روایت ہے کہ آپ نے قرآن مجید سورہ محمد کی آیت ۲۵ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰرْتَدُّوا عَلٰی
 اَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس
 آیت میں جن لوگوں کے کافر مرتد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ

فلان وفلان وفلان ارتدوا
 عن الایمان فی ترک
 ولایۃ امیر المؤمنین
 علیہ السلام

فلان اور فلان اور فلان (یعنی
 خلفائے ثلاثہ) ہیں یہ تینوں امیر المؤمنین
 علیہ السلام کی ولایت و امامت
 ترک کر دینے کی وجہ سے ایمان و اسلام

اصول کافی ص ۲۶۵ سے مرتد ہو گئے۔

ایمان کے معنی امیر المؤمنین علیؑ کفر کا مطلب ابو بکرؓ

فسق سے مراد عمر اور عسیان سے عثمان۔ (معاذ اللہ)

(۹) سورہ حجرات کی آیت میں ہے ”وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ“ جس کا صاف سیدھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اے اصحاب محمدیہ انعام فرمایا ہے کہ ایمان کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا کر دی اور تمہارے قلوب کو ایمان کی زینت سے مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے اندر پیدا کر دی۔ اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ اب سنئے کہ (اصول کافی کی روایت کے مطابق) امام جعفر صادق نے اس آیت کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

قوله حبب اليكم الايمان	”حبب اليكم الايمان“ میں ایمان
وزينه في قلوبكم يعني امير	کا مطلب ہے امیر المؤمنین علیہ السلام
المؤمنين عليه السلام وكره	(کی ذات شریف) اور آگے ”كره اليكم
اليكم الكفر والفسوق والعصيان	الكفر والفسوق والعصيان“ میں
الاول والثاني والثالث	کفر کا مطلب ہے خلیفہ اول (ابوبکر) اور
اصول کافی ص ۲۶۹	فسق کا مطلب ہے خلیفہ ثانی (عمر)

اور عسیان کا مطلب ہے خلیفہ ثالث (عثمان) (استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله) (یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو عقل اور نور ایمانی کی دولت سے محروم نہیں کیا ہے وہ ان روایتوں کی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام باقر وغیرہ بزرگان اہل بیت سے بدظن نہ ہوں گے بلکہ وہ ان روایات کو اسلام اور امت مسلمہ کے دشمنوں

کی سازش کے سلسلہ کی کڑی ہی سمجھیں گے۔ یہی روایات ہیں جن پر شیعہ مذہب کی بنیاد ہے)

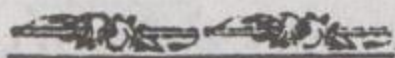
امیر المؤمنین کی امانت ماننے والے جہنمی ہیں

(۱۰) قرآن مجید سورہ بقرہ کی آیت ۸۱ ہے ”بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“ جس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بدی ہی کی کمائی کریں اور بس بدکاری ہی کو اپنا سرمایہ بنالیں اور انکی خطا کاری اور بدکاری ان کو محیط ہو جائے اور پوری طرح چھا جائے (جو کفار و مشرکین کا حال ہوتا ہے) تو یہ لوگ جہنمی ہیں اور یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اب سنئے اصول کافی میں امام جعفر صادق سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ	یعنی آیت کا مطلب ہے کہ جو لوگ
بِهِ خَطِيئَتُهُ قَالَ إِذَا جُحِدَ	امیر المؤمنین کی امانت کا انکار کریں گے وہ
إِمَامَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَأُولَٰئِكَ	جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	رہیں گے (ملفوظ ہے کہ یہاں امامت
اصول کافی ص ۲۷۲	مراد شیعہ حضرت کی اصطلاحی امامت ہے

جس کا مطلب ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے)

اصول کافی کے اس باب میں اس طرح کی بیسیوں روایتیں ہیں۔ نمونے کے لیے یہی دس کافی ہیں۔



جس طرح نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہوئے ہیں اسی طرح
امیر المؤمنین (علیؑ) سے لیکر بارہ امام قیامت تک کے لیے
اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں۔ خود امام کو بھی اختیار
نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بعد کے لیے اپنا جانشین امام مقرر کرے

اہل کافی میں ایک باب ہے: باب ان الامامة عهد من اللہ عزوجل معہود من
واحد الی واحد علیہم السلام (مطلب یہ ہے کہ امامت اللہ کی طرف سے ایک عہد ہے جو ایک
امام سے دوسرے امام کی طرف اللہ کے حکم کے مطابق منتقل ہوتا ہے)۔ اس باب میں روایت
ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الامامة عهد من اللہ عزوجل معہود لرجال
مسئومین علیہم السلام لیس
امامت ایک عہد ہے اللہ عزوجل کی
طرف سے متعین شخصوں کے لیے امام کو
بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بعد کے لیے
نام زد امام کے ہوا کسی دوسرے
کی طرف امامت منتقل کرے۔

نیز اسی باب کی ایک روایت میں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے اپنے
اپنے خاص اصحاب سے فرمایا۔

اتدرون الموصی منا یوصی
الی من یرید؟ لا واللہ ولكن
عهد من اللہ ورسولہ صلی اللہ
کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے وصیت
کرنے والا امام اپنے بعد کے لیے جس کو
چاہے وصی یعنی امام بنائے (اس کا

علیہ وآلہ لرجل فرجل حتی ینتھی الامرائی صاحبہ
 اس کو اختیار ہے؛ ہذا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عہد و پیمان ہے متعین

اصول کافی ص ۱۴
 اشخاص کے لیے یکے بعد دیگرے یہاں تک کہ یہ سلسلہ ختم ہوگا صاحب الامر امام آخر الزماں یعنی امام غائب (تک پہنچ کر۔

اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ امام نامزد ہو چکے ہیں، ان کی نامزدگی اور ان کا تقرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح ہوا ہے جس طرح اس کی طرف سے نبیوں رسولوں کا تقرر ہوتا ہے۔ جس میں کسی مخلوق کی رائے اور اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔

ہر امام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سربراہ لفاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جس میں اس امام کیلئے خاص ہدایات تھیں، وہ ہر امام کو سربراہ ہی ملتا رہا۔

اصول کافی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ائمہ کی نامزدگی اور خاص ہدایت وصیت کے سلسلہ میں امام جعفر صادق سے ایک بہت طویل حدیث روایت کی گئی ہے۔ پوری روایت اصول کافی ص ۱۴۱ و ۱۴۲ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں اس کا صرف حاصل اور خلاصہ ہی نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

امام جعفر صادق نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل کے ذریعہ آسمان سے امامت اور ائمہ کے بارے میں وصیت نامہ سربراہ کتاب کی شکل

میں نازل ہوا تھا، اس کے علاوہ کوئی چیز بھی سرِ مہر مکتوب کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی۔ اس میں ہر امام کے لیے الگ الگ سرِ مہر لکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب حضرت علی کے حوالہ کئے۔ حضرت علی نے صرف اپنے نام کے لکھے کی ہر نوڑ کر اپنے سے متعلق وصیت نامہ پڑھا، پھر اسی طرح ہر امام کو ان کے نام کا لفاظہ سرِ مہر ہی ملتا رہا اور وہ امام ہی اپنے لفاظہ کی ہر نوڑ کر اس کو پڑھتے تھے یہاں تک کہ آخری لفاظہ اسی طرح بارہویں امام مہدی (امام غائب) کو ملے گا۔ (ملخصاً اصول کافی ص ۱۷۱ و ۱۷۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا اصل روایت بہت طویل ہے اگر روایت کا متن اور ترجمہ لکھا جاتا تو ۵-۶ صفحات پر آتا اس لیے صرف اس کا حاصل اور خلاصہ ہی نذرِ ناظرین کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ اماموں کی نامزدگی

اور آسمان سے نازل ہونے والی ایک عجیب و غریب تختی کا قصہ

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب ہے ”باب ملجاء فی الاثنی عشر و النص علیہم“ اس باب میں وہ روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں بارہ اماموں کے ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت کے لیے ان کی نامزدگی صراحتہً بیان کی گئی ہے۔ اس باب کی ایک روایت میں آسمان سے نازل ہونے والی سبز رنگ کی ایک تختی کا عجیب و غریب قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس پر نورانی حروف میں نمبر وار بارہ اماموں کے نام ان کے تفصیلی تعارف کے ساتھ درج تھے۔ یہ روایت بھی بہت طویل ہے اس لیے اس کا بھی صرف حاصل ہی یہاں نذرِ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

جناب ابوبصیر نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ میرے والد ماجد (امام باقر) نے جابر بن عبد اللہ انصاری (صحابی) سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک خاص کام ہے، آپ کے لیے کب سہولت ہوگی کہ میں تنہائی میں آپ سے ملوں اور ایک معاملہ کے بارے میں کچھ پوچھوں؟ جابر نے کہا جب آپ چاہیں آ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن میرے والد ان کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ مجھے اُس تختی کے بارے میں بتائیے جو آپ نے ہماری (پردادی) اماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے ہاتھ میں دیکھی تھی اور اس تختی کے بارے میں جو کچھ انھوں نے آپ کو بتایا تھا، اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا۔ تو جابر بن عبد اللہ نے کہا میں اللہ کو گواہ بن سکے یہ واقعہ بیان کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی (پردادی) اماں حضرت فاطمہ کے پاس ان کے بیٹے حسین کی ولادت کی مبارکباد دینے کے لیے گیا تھا تو میں نے ان کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کی تختی دیکھی، میں نے خیال کیا کہ وہ زمرہ کی ہے اور اس میں سورج کی طرح چمکدار سفید رنگ میں کچھ لکھا ہوا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ اے رسول اللہ کی صاحبزادی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بتائیے کہ یہ تختی کیا ہے اور کیسی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تختی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے پاس بھیجی ہے اس میں میرے ابا جان (رسول اللہ) کا نام ہے اور میرے شوہر (علیؑ) کا اور میرے دونوں بیٹوں (حسن و حسینؑ) کے اور میری اولاد میں جو اور وصی ہونے والے ہیں ان سب کے نام ہیں۔ میرے ابا جان (رسول اللہ) نے مجھے بشارت دینے کے لیے یہ تختی مجھ کو عطا فرمادی ہے۔

اس کے آگے ہے کہ جابر نے (امام باقر سے) بیان کیا کہ پھر تمھاری (پردادی) اماں فاطمہؑ نے دیکھنے کے لیے وہ تختی مجھے عنایت فرمادی، میں نے اس کو پڑھا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا اس کو نقل کر کے اپنے پاس رکھ لیا (اس واقعہ کے نقل کرنے والے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ) میرے والد (امام باقر) نے جابر سے کہا کہ کیا آپ وہ نقل مجھے دکھا سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ تو میرے والد جابر کے ساتھ اُن کے گھر گئے، انھوں نے جھلی کا لکھا ہوا ایک ورق نکالا، میرے والد نے کہا کہ تم اپنا لکھا ہوا دیکھو میں تم کو پڑھ کر سناؤ ہوں (جو اس تختی میں لکھا ہوا تھا) چنانچہ میرے والد (امام باقر) نے پڑھ کر سنایا تو ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں تھا جو جابر نے لکھا تھا۔ تو جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ میں اللہ کو شاہد بنا کر شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اُس تختی میں بالکل اسی طرح لکھا ہوا دیکھا تھا۔ (اصول کافی ص ۳۲۳)

آگے روایت میں اس تختی کا پورا متن نقل کیا گیا ہے جو اصول کافی کے پوے ایک صفحہ پر ہے، اس میں حضرت علیؑ سے لے کر بارہویں امام (امام غائب) تک تفصیلی تعارف کے ساتھ تذکرہ ہے (اصول کافی ص ۳۲۳)

حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانہ میں ایک دن ان کا ہاتھ پکڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرادی، آپ نے ابوبکر کو علی اور ان کی اولاد میں گیارہ اماموں پر ایمان لانے کی، اور خلافت کے بارے میں جو کچھ کیا اس سے توبہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔

اصول کافی کے اسی باب (باب ماجاء فی الاثنی عشر والنص علیہم) کی یہ عجیب و غریب روایت اور پڑھ لی جائے۔

ان امیر المؤمنین علیہ السلام
قال لابی بکر یوما لا تحسبن
الذین قتلوا فی سبیل اللہ
امواتا بل احياء عند ربهم
یزفون " واشهد ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
مات شهیدا وانه لیا تینک
فایقن اذا جاءک، فان
الشیطان غیر متغیل بہ،
فاخذ علی بید ابی بکر،
فاراه النبی فقال یا ابابکر

امیر المؤمنین (حضرت علی) علیہ السلام
نے ایک دن ابوبکر سے کہا کہ (قرآن پاک
میں فرمایا گیا ہے کہ) جو لوگ راہ خدا
میں شہید ہوئے ان کو مراہوا نہ سمجھو،
بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، وہ
ان کو عالم غیب کا رزق دیا جاتا ہے اور
میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ راہ خدا میں شہید ہو
ہیں، خدا کی قسم وہ تمہارے سامنے
آئیں گے، توجب آپ تشریف لائیں تو
یقین کر لیا کہ آپ ہی ہیں کیونکہ شیطان

امن بعلی و باحد عشر

من ولده انهم مثلی الا

النبوة وتب الی اللہ منابیدک

وانہ لاحق لک فیہ

ثم ذهب فلم یمر ۳۴

آپ کی شکل بنا کر کسی کے خیال میں

نہیں آسکتا۔ پھر علیؑ نے ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا

اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو دکھایا، آپؐ فرمایا کہ اے ابوبکرؓ علیؑ پر

ایمان لاؤ اور ان کی اولاد میں سے

گیارہ اماموں پر، وہ سب میری مثل ہوں گے بجز نبوت کے اور اے ابوبکرؓ تم نے

جو خلافت پر قبضہ کر لیا ہے اللہ کے حضور میں اس سے توبہ کرو تمہارا اس میں کوئی

حق نہیں ہے۔ حضور یہ فرما کر تشریف لے گئے پھر نظر نہ آئے۔

امام غائب اثنا عشری عقیدہ میں

ایک طلسماتی داستان

امیر المومنین حضرت علیؑ سے لے کر بارہویں امام آخر الزماں تک ائمہ اثنا عشری انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزدگی اور ان کے مقام و مرتبہ اور اُن پر ایمان لانے کے تاکیدی حکم کے بارے میں جو روایات یہاں تک رُج کی گئیں، امید ہے کہ وہ اس بارے میں اثنا عشری موقف و عقیدہ سمجھنے کے لیے کافی ہوں گی۔ لیکن یہ موضوع تشنہ اور نامکمل رہے گا اگر امام آخر الزماں (امام غائب) کی پیدائش اور پھر ان کی غیبت کے بارے میں اثنا عشری حضرات کا عقیدہ نہ بیان کیا جائے جو یقیناً اس دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے کہ اگر شیعہ حضرات کی کتابیں سامنے رکھ کر جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے اس کو صرف نقل کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف وہی لکھیں گے جس سے اپنے ناظرین کو واقف کرنا ضروری سمجھیں گے۔

بارہویں امام غائب کی پیدائش و غیبت کا عجیب قصہ

خاندان والوں کو ان کی پیدائش ہی سے انکار

اثنا عشریہ کے نزدیک جو بارہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں اور جن پر ایمان لانا ضروری اور شرط نجات ہے، ان میں گیارہویں امام حسن عسکری بن علی ہیں جو اصول کافی کے بیان کے مطابق رمضان ۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور قریباً صرف ۲۸ سال کی عمر پاکر رجب الاول ۳۲۶ھ میں وفات پائی (اصول کافی ص ۳۲۲) ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ حسن عسکری لا ولد فوت ہوئے اور حکومت کے ذمہ داروں کو بھی تحقیق و تفتیش سے یہی ثابت ہوا، اسی بنیاد پر ان کا ترکہ شرعی قانون کے مطابق ان کے بھائی اور دوسرے موجود وارثوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ بھی اصول کافی ہی کی روایات میں بیان کیا گیا ہے (اصول کافی ص ۲۰۶)

اثنا عشریہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تیسرے امام حسین کے بعد امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے، اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے "باب اثبات الامامة فی الاعقاب (ص ۱۷۵)" اس میں ائمہ معصومین کی متعدد روایات ہیں، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے کوئی دوسرا عزیز قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ انھیں روایات پر اس عقیدہ کی بنیاد ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے عوام اثنا عشریہ کو یہ مشکل پیش آئی کہ گیارہویں امام حسن عسکری کے بعد "امامت" کا سلسلہ کیسے چلے اور بارہواں اور آخری امام کس کو قرار دیا جائے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا گیا اور مشہور کیا گیا کہ امام حسن عسکری کی وفات سے چار یا پانچ

سال پہلے (ایک روایت کے مطابق ۲۵۵ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵۶ھ میں) اُن کے ایک صاحبزائے ان کی ایک کیز کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جن کو عام نظروں سے چھپا کے رکھا جاتا تھا اس لیے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے غائب ہو گئے اور وہ تمام چیزیں اور سائے سامان جو حضرت علی سے منتقل ہو کر ہر امام کے پاس رہتے تھے اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھے (مثلاً حضرت علی کا جمع کیا اور لکھا ہوا اصلی اور کامل قرآن اور اس کے علاوہ قدیم آسمانی کتابیں، تورات، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحیفے اپنی اصل شکل میں، اور مصحف فاطمہ، اور آنحضرت اور آلجماعہ والا بورا اور انبیاء سابقین کے معجزات، عھلے موسیٰ، قمیص آدم اور سلیمان علیہ السلام کی انگٹری وغیرہ جن کے متعلق تفصیلی روایات اصول کافی کے حوالہ سے ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں) انہیں شیعی روایات اور شیعی عقیدہ کے مطابق چار یا پانچ سال کی عمر والے یہ صاحبزائے یہ سائے سامان تنہا اپنے ساتھ لے کر غائب اور اپنے شہر "سُرْمَن رَای" ہی کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے شیعوں صاحبان کا عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکری کے یہی صاحبزائے امام آخر الزماں ہیں ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ جب تک یہ دنیا ہے ایک امام معصوم بھی دنیا میں موجود ہے ورنہ دنیا قائم نہیں

لہ اصول کافی میں امام حسن عسکری کے والد ماجد دسویں امام علی رضا سے اس مضمون کی متعدد روایات نقل کی گئی ہیں کہ انھوں نے امام حسن عسکری کے بعد ہونے والے امام (یعنی بارہویں امام) کے بارہ میں فرمایا "انکم لاترون شخصہ" دوسری روایت کے الفاظ ہیں "لا یرئی جمہ" دونوں روایتوں کا مطلب یہی ہے کہ تم اس کو دیکھ نہیں پاؤ گے وہ تم کو نظر نہیں آئے گا (اصول کافی ص ۲۰)

ہے گی اس لیے یہ امام آخر الزمان قیامت تک زندہ رہیں گے اور اسی طرح غائب و روپوش رہیں گے اور جب وہ وقت آئے گا جو ان کے ظہور کے لیے مناسب ہوگا اس وقت وہ غار سے برآمد اور ظاہر ہوں گے اور پھر ساری دنیا میں انہی کی حکومت ہوگی۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔

ان بارہویں امام کی پیدائش اور پھر غیبت و روپوشی سے متعلق روایات اصول کافی کے متعدد ابواب میں درج کی گئی ہیں۔ باب الاشارة الى صاحب الداد عليه السلام اور باب تسمية من رآه ۴ (ص ۲۰۲ تا ۲۰۷) اور اس کے آگے "باب مولد صاحب الزمان عليه السلام" (ص ۲۲۲ تا ۲۲۷) ہمارا خیال ہے کہ ان روایات کے مطالعہ ہی سے ہر اس شخص کا تاثر جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت و فراست کی نعمت کا کچھ بھی حصہ عطا فرمایا ہے یہی ہوگا کہ "مقدمہ" بنایا گیا ہے لیکن اچھا نہیں بنایا جاسکا اور بظاہر امام حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی اور دوسرے اہل خاندان ہی کا بیان صحیح اور قرین عقل و قیاس ہے کہ حسن عسکری لا اولد فوت ہو۔ واللہ اعلم بہر حال اس وقت ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ دونوں باتوں میں سے کون بات صحیح اور قرین عقل و قیاس ہے۔ ہم کو تو یہاں بارہویں امام (امام غائب) کے بارہ میں شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہی بیان کرنا ہے جو بجائے خود عجیب و غریب اور ہر تمبرہ سے بالاتر ہے۔ پہلے اُن کی والدہ محترمہ کا قصہ ملاحظہ فرمایا جائے جو کتب شیعہ میں بیان کیا گیا ہے، ان کا نام مُلکیہ اور ان کو شاہ روم کی پوتی بتایا گیا ہے۔ دوسرا نام ان کا زکس بھی روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام غائب کی والدہ محترمہ کی حیرت انگیز داستان یا افسانہ

علامہ مجلسی نے "جلا الراعیون" اور "حق البقین" میں بارہویں امام (امام غائب)

کی والدہ محترمہ کی انتہائی حیرت انگیز داستان (جو عشق و محبت کی بھی بے مثال کہانی ہے) ابن بابویہ اور شیخ طوسی کی روایات کے حوالہ سے بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے (جو مذہب شیعہ کے اساطین میں سے ہیں) معتبر سندوں سے بشر بن سلیمان سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں واقعہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ بہت طولانی ہے یہاں اس کو اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے (پوری روایت حق یقین طبع ایران اور جلال العیون باب چہار دہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکری کے شہر سرمن راسی میں ان کے پڑوس ہی میں ایک شخص بشر بن سلیمان رہتا تھا، وہ انکے والد ماجد امام علی نقی کے بھی شیعان خاص (یعنی مخلص اور معتقد مریدوں) میں سے تھا۔ وہ بردہ فروشی (یعنی غلاموں باندیوں کی خرید و فروخت) کا کاروبار کرتا تھا، اس نے بیان کیا کہ امام علی نقی نے ایک دفعہ فرنگی (انگریزی) زبان اور اسی کے رسم الخط میں ایک خط لکھ کر مجھ کو دیا اور اس کے ساتھ دو سو بیس اشرفی بھی دیں اور فرمایا کہ یہ لے کر بغداد چلے جاؤ (جو اس وقت دارالحکومت تھا) وہاں دریا کے ساحل پر تم کو ایک کشتی نظر آئے گی جس میں فروختنی کنیزیں ہوں گی، تم دیکھو گے کہ ان میں ایک کنیز ہے جو پردہ میں ہے اور اس کو اس سے انکار ہے کہ کوئی اس کو دیکھے۔ ایک عرب جوان اس کو خریدنا چاہے گا اور تین سو اشرفی قیمت لگاے گا لیکن وہ کنیز اس کے ساتھ جانے پر کسی طرح راضی نہ ہوگی اس وقت تم کنیز کے مالک سے کہنا کہ تم میرا یہ خط اس کنیز تک پہنچا دو۔ (بشر کا بیان ہے کہ) میں امام علی نقی کے حکم کی تعمیل میں بغداد روانہ ہو گیا اور وہ سارے واقعات پیش آئے جو جناب امام نے پہلے ہی بیان فرمادیئے تھے۔ آخر الامر امام مسدوح کا وہ خط اس کنیز تک پہنچ گیا، جیسے ہی اس نے خط دیکھا بار بار اس کو چوما اور مالک سے

کہا کہ مجھے تم اس خط والے کے ہاتھ فروخت کر دو ورنہ میں خود کشی کر لوں گی مالک
دوسواثرنی لے کر اسے میرے حوالہ کر دینے پر راضی ہو گیا اور میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا
اس کنیز نے مجھے بتایا کہ میں بادشاہ روم کی پوتی ہوں اور میرا نام مُلیکہ ہے اور
میری والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وحی شمعون کی اولاد میں سے ہیں۔ میرا قصہ یہ ہے
کہ جب میں تیرہ سال کی تھی، میرے دادا نے اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ میری شادی طے
کر دی اور مقررہ دن پر شادی کی تقریب میں ایک عظیم الشان جشن منعقد ہوا۔ تخت پر
صلیب رکھی گئی، دوٹھا کو اس تخت پر بٹھایا گیا، پادری صاحبان ہاتھوں میں انجیل
لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنے طریقہ کے مطابق میرے عقد کی کارروائی شروع
کر دی کہ اچانک ایسا ہوا کہ صلیب سرنگوں ہو کر گر پڑی اور تخت ٹوٹ گیا اور میرا چچا زاد
بھائی جس کے ساتھ میرا عقد ہو رہا تھا وہ تخت کے اوپر سے نیچے آگرا اور بیہوش ہو گیا۔
— اس نامبارک حادثہ کے بعد میرے دادا نے اپنے ایک دوسرے بھتیجے کے ساتھ
میرا عقد کرنے کا ارادہ کیا اور مقررہ دن پر اسی طرح جشن منعقد ہوا لیکن عین عقد کے وقت
پھر اسی طرح کا واقعہ ہوا جیسا کہ پہلے ہوا تھا۔ میرے دادا کو بہت ہی رنج ہوا۔
اسی رات کو میں نے خواب دیکھا کہ حضرت مسیح اور اُن کے وحی شمعون اور ان کے
علاوہ حواریین کی ایک جماعت یہ سب حضرات میرے دادا کے اسی شاہی محل میں آئے
اور نور کا ایک منبر رکھا گیا، اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور
دوسرے اماموں کے ساتھ تشریف لائے اور نور کے اس منبر پر رونق افروز ہوئے اور
آپ نے حضرت مسیح سے فرمایا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ مُلیکہ کو جو تمھارے وحی شمعون
کی بیٹی (یعنی ان کی اولاد میں سے) ہے، اپنے اس فرزند کے لیے تم سے مانگوں،
اور آپ نے یہ فرماتے ہوئے امام حسن عسکری کی طرف اشارہ فرمایا جو اس وقت
آپ کے ساتھ تھے اور سامنے موجود تھے (ملیکہ نے بشر بن سلیمان کو یہ سارا قصہ سنا کہ

اُن سے کہا کہ یہی امام حسن عسکری ہیں جن کے والد کا خط تم نے مجھے دیا ہے۔ آگے ملکہ نے اپنے خواب کا باقی حصہ سنانے ہوئے بشر بن سلیمان سے کہا کہ حضرت مسیح اور اُن کے وصی شمعون نے خوشی سے اس کو قبول کیا، اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نے خطبہ نکاح پڑھا اور حضرت مسیح نے مجھے امام حسن عسکری کے نکاح میں دے دیا۔

ملکہ نے اپنے خواب کا یہ قصہ سنانے کے بعد بشر بن سلیمان سے کہا کہ میں نے اپنے اس خواب کا کسی سے ذکر نہیں کیا لیکن اسی وقت سے اس خورشید فلک امامت امام حسن عسکری کے عشق کی آگ میرے سینہ اور دل میں بھڑکنے لگی اور چین و سکون رخت اور کھانا پینا بھی ختم ہو گیا، اور اس آتش عشق کے آثار باہر بھی ظاہر ہونے لگے۔

اس کے بعد میں نے ایک دن خواب دیکھا کہ حضرت مریم تشریف لائیں اور ان کے ساتھ حضرت فاطمہ زہرا بھی تھیں اور ہزار ہا عورتیں۔ حضرت مریم نے مجھ سے فرمایا کہ یہ خاتون سیدۃ النساء فاطمہ زہرا ہیں، تمہارے شوہر کی یہ ماں ہیں۔ میں نے یہ سنتے ہی ان کا دامن پکڑ لیا اور میں بہت روئی اور میں نے عرض کیا کہ آپ کے فرزند حسن عسکری کبھی مجھے دیکھنے اور اپنی صورت دکھانے بھی نہیں آتے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ کیسے آسکتے ہیں، تم عیسائی ہو اور تمہارا عقیدہ مشرکانہ ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا کی یہ بات سن کر میں نے اسی وقت خواب میں کلمہ شہادہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔ جب خواب سے بیدار ہوئی تو میری زبان پر کلمہ شہادہ جاری تھا۔ (اس کے بعد ملکہ نے بیان کیا کہ) اس کے بعد سے کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ میرے وہ شوہر امام حسن عسکری خواب میں میرے پاس نہ آئے ہوں اور مجھے شربت وصال سے شاد کام و مسرور نہ فرمایا ہو۔ اب انہی کے فرمانے کے مطابق میں نے ایسا کیا کہ ہمارے ملک کا ایک لشکر جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے جا رہا تھا میں کسی طرح اس لشکر کے ساتھ لگ گئی، جب مسلمانوں کے لشکر نے روئی لشکر کو شکست دیدی تو دوسری بہت سی خواتین کے ساتھ میں بھی گرفتار کر لی گئی،

اور اس طرح میں تمھارے پاس پہنچ گئی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔

(ملخصاً از "جلاء العیون" و "حق یقین" از علامہ باقر مجلسی)

علامہ مجلسی نے ان دونوں کتابوں میں جس طرح یہ قہ ذکر کیا ہے وہی یہاں اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس سے ہم کو بحث نہیں کہ کیا اس میں کچھ بھی واقعیت ہے یا یہ از اول تا آخر صرف تراشیدہ افسانہ ہے۔

بہر حال علامہ مجلسی کی اس روایت کے مطابق شاہ روم کی یہ پوتی ملیکہ (زرگس) اس طرح ایک زر خرید کیز کی حیثیت سے شیعوں حضرات کے گیارہویں امام معصوم امام حسن عسکری کے حرم میں داخل ہوئیں۔ شیعی روایات کے مطابق ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں انہی کے بطن سے یہ بارہویں امام پیدا ہوئے (اور ان کی ولادت کو بھی مخفی اور ان کو مولود فرزند کو نظر دل سے چھپا کے رکھا گیا) اور پھر جیسا کہ ذکر کیا گیا امام حسن عسکری کی وفات سے دس دن پہلے ۴ یا ۵ سال کی عمر میں یہ صاحبزادے معجزانہ طور پر غائب ہو گئے۔ شیعوں حضرات کی خاص مذہبی زبان میں ان کو "الحجۃ" "القامم" "المنتظر" اور صاحب الزماں کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کے بارہ میں عقیدہ یہ ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو دنیا بھر میں انہی کی حکومت ہوگی اور وہ ہوگا جو دنیا میں کبھی نہیں ہوا۔

راسخ العقیدہ شیعوں حضرت آجوان باتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے خیر کا انتظار کرتے رہے ہیں، اور بولنے اور لکھنے میں ان کے ذکر کے ساتھ "عجل اللہ فرجہ" لازمی طور پر کہتے اور لکھتے ہیں (جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلدی ان کو باہر لے آئے) لیکن جیسا کہ خمینی صاحب کی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" سے بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ ان کی غیبت پر ایک ہزار سال سے زیادہ (اب ساڑھے گیارہ سو سال کی مدت گزر چکی ہے اور ممکن ہے کہ ابھی اسی طرح ہزاروں

سال اور گزر جائیں۔ (الحکومت الاسلامیہ ص ۲۶)

امام آخر الزماں کی غیبت صغریٰ اور کبریٰ

اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ بارہویں امام صاحب الزماں (امام غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض اکمال شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتلایا اور باور کرایا کہ "صاحب الزماں" کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمد رفت ہے اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی ایجنٹ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا۔ ان میں آخری علی بن محمد سمیری تھے جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (امام غائب) تک پہنچانے کے لیے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیے تحفے دیتے تھے اور یہ امام صاحب الزماں کی طرف سے ان کے جوابات لا کر دیتے تھے جن پر امام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کاروبار استہانی رازداری سے ہوتا تھا۔ رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے۔ ہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چالاک لوگوں کا کاروبار تھا جو اپنے کو امام غائب کا سفیر بتلاتے تھے۔ لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضرات علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (امام غائب) کے بتلا کر لوگوں کو دیے وہ امام معصوم کے ارشادات اور دینی حجت ہیں اور ان کی کتب حدیث و روایات میں اسی حیثیت سے جمع کیے گئے ہیں۔ ان کا اچھا خاصہ ذخیرہ "احتجاج طبرسی" کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جناب خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" میں دینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص نظریے "دلیلیہ فقیہہ" پر ان کے

استدلال بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "الحکومت الاسلامیہ ص ۷۷") یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (اُن کے عقیدہ کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا "غیبت صغریٰ" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کاروبار جو انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اسکی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹا رہے ہیں، اس کے بعد سے یہ سلسلہ بند ہو گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب غیبت صغریٰ کا دور ختم ہو کر غیبت کبریٰ کا دور شروع ہو گیا اور اب صاحب الزماں کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اب بس اُن کے ظہور کا انتظار کیا جائے۔

صاحب الزماں (امام غائب) کا ظہور کب ہوگا؟

امام آخر الزماں (امام غائب) سے متعلق اس سلسلہ کلام کو اب ہم اس سوال کے جواب پر ختم کرتے ہیں کہ شیعہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات کے مطابق اُن کا ظہور کب ہوگا؟

"احتجاج طبرسی" جو شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتابوں میں ہے، اس میں نویں امام معصوم محمد بن علی بن موسیٰ کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے "القائم" (امام آخر الزماں) کے بارے میں فرمایا۔

هو الذی یخفی علی الناس	ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی
ولادته و ینیب عنہم	ولادت خفیہ ہوگی لوگوں کو پتہ ہی
شخصه یجتمع الیہ من	نہیں ہوگا اور ان کی شخصیت لوگوں

کی نگاہوں سے غائب ہے گی۔
 دنیا کے کناروں سے اہل بدر کے
 عدد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳)
 ان کے اصحاب ان کے پاس جمع
 ہو جائیں گے۔۔۔ جب تین سو تیرہ
 اہل اخلاص اُن کے لیے جمع ہو جائیں گے
 تو اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو ظاہر
 فرمادے گا (یعنی وہ غائب سے باہر آکر
 اپنا کام شروع فرمادیں گے)

اصحابہ عددۃ اہل بدر
 ثلاث مائة وثلاثة عشر
 رجلا من اقاصی الارض
 فاذا اجتمعت له
 هذه العددۃ من اہل
 الاخلاص اظہرا للہ
 امرہ۔

احتجاج طبرسی طبع ایران ۲۲۰

ایک لمحہ فکریہ؟ امام آخر الزماں کا اب تک ظاہر نہ ہونا اثناعشری حضرات
 کے ان امام معصوم محمد بن علی بن موسیٰ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی دلیل ہے
 کہ ۲۶۰ھ سے اب تک کے قریباً ساڑھے گیارہ سو سال کے عرصہ میں امام آخر الزماں
 کا ساتھ دینے والے ۳۱۳ مخلص شیعہ کبھی نہیں ہوئے اور آج بھی نہیں ہیں ورنہ
 ان کا ظہور ہو گیا ہوتا۔ معلوم نہیں جناب خمینی صاحب جیسے شیعہ علماء و مجتہدین
 اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، کیا ان حضرات کے نزدیک بھی واقعہ ایسا
 ہی ہے؟

امام غائب کے بارے میں دو قابل مطالعہ روایتیں

بارہویں امام مہدی (امام غائب) کے بارہ میں شیعہ روایات کی روشنی میں
 جو کچھ لکھنا ہم نے ضروری سمجھا وہ نذر ناظرین کر دیا۔ آخر میں دو قابل مطالعہ اور قابل

عبرت روایتیں اُن سے متعلق ذکر کر کے ہم اس تذکرہ کو ختم کرتے ہیں۔
رسول خدا امام مہدی کی بیعت کریں گے۔

علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب ”حق الیقین“ میں امام باقر سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
و سلم بیرون آید خدا اور یاری کند
جب قائم آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ)
(یعنی مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا
بملائکہ و اول کسے کہ با او بیعت کند
فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا
محمد باشد و بعد از ان علی۔
اور سب پہلے اُن سے بیعت کرنے والے
محمد ہوں گے اور آپ کے بعد دوسرے
(حق الیقین مطبوع ایران ص ۱۳۹)
نمبر پر علی اُن سے بیعت کریں گے۔

حضرت عائشہ کو زندہ کر کے سزا دیں گے۔

اسی حق الیقین میں علامہ باقر مجلسی نے ابن بابویہ کی ”علل الشرائع“ کے حوالہ سے امام باقر ہی سے روایت نقل کی ہے کہ۔

چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را
زندہ کند تا بر او حد بزند و
جب ہم سے قائم (یعنی مہدی) ظاہر
ہوں گے تو وہ (موافق اللہ) عائشہ کو
انتقام فاطمہ ما از وی کشد۔
زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے اور فاطمہ
کا انتقام اُن سے لیں گے۔
حق الیقین ص ۱۳۹

واضح رہے کہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب ”کشف الاسرار“ میں علامہ باقر مجلسی کی فارسی تصانیف کا تعریف کے ساتھ ذکر کر کے ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور خواص

”حق الیقین“ (جس سے مذکورہ بالا دو روایتیں نقل کی گئیں) اس کی بعض روایات انھوں نے اپنی اس کتاب میں نقل بھی کی ہیں (ملاحظہ ہو کشف الاستار ص ۱۲۱) امام مہدی سے متعلق ایک اور روایت جس سے شیعہ اور شیعہ ذہنیت کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو کافروں سے پہلے سینوں کو قتل کریں گے انہی علامہ مجلسی کی اسی کتاب حق الیقین میں اسی سلسلہ کی ایک روایت ہے۔

وقتیہ قائم علیہ السلام ظاہری شود جس وقت مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو پیش از کلام ابتدا بہ سنیاں خواہد کرد با علما ایشاں و ایشاں را خواہد کشت (حق الیقین ص ۱۲۱)

وہ کافروں سے پہلے سینوں اور جگر کے عالموں سے کارروائی شروع کریں گے اور ان سب کو قتل کر کے نیست و نابود کر دیں گے۔

مذہب شیعہ کی اصل و اساس ”مسئلہ امامت“ کے بارے میں یہاں تک اُن کے ائمہ معصومین کے جوار شادات نقل کیے گئے اور جو کچھ لکھا گیا امید ہے کہ اس سے ناظرین کرام نے اس بنیادی مسئلہ کی حقیقت اور شیعہ مذہب میں ائمہ کے مقام و مرتبہ کو پوری طرح سمجھ لیا ہوگا۔ اب ہم چند وہ روایات ذکر کر کے اس سلسلہ کلام کو ختم کریں گے جن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امامت و ولایت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی اور حجۃ الوداع سے واپسی میں ”غدير خُم“ کے مقام پر غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اس کے اعلان اور تمام مہاجرین و انصار اور دیگر رفقاء سفر سے اس کے لیے عہد و اقرار اور بیعت لینے کا اور ساتھ ہی اس سلسلہ میں شیخین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) اور دوسرے اکابر صحابہ کے (معاذ اللہ) منافقانہ رویے اور کافرانہ کردار کا ذکر کیا گیا ہے۔

(استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت و امامت کے منصب پر
 حضرت علی کی نامزدگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اس کے عام اعلان کا حکم، اور صحابہ کے مخالفانہ رد عمل
 کے خطر سے آپ کا تردد و توقف، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 شدید تاکید اور عدم تعمیل کی صورت میں عذاب کی وعید
 اس کے بعد غدرِ خم پر آپ کا اعلان، اور حضور کی شان
 میں ابوبکر و عمر و ابو عبیدہ وغیرہ (اکابر صحابہ) کی انتہائی درجہ
 کی گستاخی اور کافرانہ کردار (معاذ اللہ عنہم اذ اللہ)

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب ما نض اللہ ورسولہ علی الائمة
 علیہم السلام واحدًا فواحدًا" اس باب میں ائمہ معصومین کی وہ روایات ذکر
 کی گئی ہیں جن میں اللہ و رسول کی طرف سے حضرت علی اور آپ کے بعد گیارہ اماموں
 کی امامت و ولایت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم اور مقرر
 الطاعة جانشین کی حیثیت سے امت کی دینی و دنیوی سربراہی اور حاکمیت) کے منصب
 پر نامزدگی اور تقرر کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت علی کی نامزدگی،
 اور غدرِ خم پر اس کے اعلان سے متعلق روایات درج کی گئی ہیں۔ اس وقت اس
 عنوان کے تحت ہم صرف انہی روایات کا ذکر کریں گے لیکن چونکہ یہ روایات بہت

طویل ہیں۔ اس لیے ہم ان کے متن اور ترجمہ کے بجائے بقدر ضرورت ان کا حاصل اور خلاصہ ہی یہاں نذرِ ناظرین کریں گے۔ (روایات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے)

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ پر حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کے بارے میں اللہ کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ **إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا**۔ الایۃ تو لوگوں نے یعنی عام مسلمین نے اس سے پوری بات نہیں سمجھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول علیہ السلام کو حکم آیا کہ وہ منصب ولایت کی تفصیل و تشریح اور اس منصب پر حضرت علیؑ کے فائز کیے جانے کی وضاحت اور اس کا اعلان کر دیں تاکہ سب لوگ سمجھ لیں اور باخبر ہو جائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا دل سخت پریشان ہوا اور آپ کو یہ خوف ہوا کہ علیؑ علیہ السلام کی ولایت و جانشینی کی بات سن کر لوگ مرتد ہو جائیں گے اور آپ کی تکذیب اور مخالفت کریں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اللہ تعالیٰ سے اس حکم پر نظر ثانی کی درخواست کی (یعنی یہ کہ یہ اعلان مجھ سے نہ کرایا جائے) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ
تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۖ

اے رسول جو حکم تمہاری طرف تمہارے
رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تم
اس کو صفائی اور صراحت کے ساتھ
لوگوں کو پہنچا دو اور اگر تم نے یہ نہیں کیا

تو تم نے اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اللہ تمہاری حفاظت کرے گا لوگوں کے شر سے۔

اسی واقعہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے بیان فرمایا۔

کہ جب میرے دل میں لوگوں کے ازداد کا خطرہ اور تکذیب اور مخالفت کا خیال پیدا ہوا اور اس حکم کی تعمیل کے لیے میرا دل آمادہ نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی قسم کی تاکید اور قطعیت کے ساتھ حکم آیا کہ تم کو اس حکم کی تعمیل کرنی ہے اور تعمیل نہ کرنے کی صورت میں مجھے عذاب کی دھمکی دی گئی۔ (روایت کے الفاظ ہیں۔ وادعنی ان لہا بلغ ان یعد بنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شدید وعید اور عذاب کی دھمکی نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے غدیر خم کے دن اس کا اعلان فرمایا۔ آپ نے اس اعلان کے لیے سب لوگوں کو جمع کرایا اور ان کے سامنے علی علیہ السلام کی ولایت اور امامت اور جانشینی کا اعلان فرمایا۔ ۱۷۸، ۱۷۹

اسی سلسلہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اور تاکید سے فرمایا کہ "فوما نسلما علیہ بامرة المؤمنین" (تم دونوں اٹھو اور علی کو امیر المؤمنین کہہ کر سلامی دو یعنی کہو السلام علیک یا امیر المؤمنین) اور انھوں نے اسی طرح سلامی دی۔

اثنا عشریہ کی ایک دوسری معتبر ترین کتاب "احتجاج طبرسی" میں مصنف نے اپنی پوری سند کے ساتھ امام باقرؓ سے غدیر خم کا یہ واقعہ بہت سے اضافوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ روایت اس کے صفحہ ۲۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۵ پر ختم ہوئی ہے۔ اس میں بڑے عجائبات ہیں۔ اگر اس مقالہ میں اختصار پیش نظر نہ ہوتا تو کم از کم اس

روایت کا حاصل اور خلاصہ ہی نذرِ ناظرین کیا جاتا، لیکن اس کا حاصل اور خلاصہ بھی ۸۔۱۰ صفحہ سے کم میں نہ آسکے گا۔ اس وقت اس کے حوالہ سے صرف یہی عرض کرنا ہے کہ اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی ولایت و امامت کے متعلق اپنا طویل خطبہ ختم فرمانے کے بعد تمام حاضرین سے حضرت علی کی ولایت کے بارہ میں اپنے دست مبارک پر بیعت لی اور سب سے پہلے ابوبکر اور عمر اور عثمان نے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار اور تمام حاضرین نے اور بیعت کا یہ سلسلہ رات تک چلتا رہا یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کی نمازیں ایکسا پڑھی گئیں۔ (احتجاج طبرسی ۳۵ طبع ایران ۱۳۲۲ھ)

اصول کافی کی اسی سلسلہ کی ایک روایت میں ہے کہ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجة الوداع سے واپس ہوئے اور غدیر خم پر پہنچے تو جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ "يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ" تو آپ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلان کرایا اور اس جگہ جہاں بول کے چند درخت تھے وہاں کا میدان کانٹوں وغیرہ سے صاف کرایا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے (کچھ تمہیدی مضمون کے بعد) اعلان فرمایا "من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا تو لوگوں کے دلوں میں نفاق کا کینہ پیدا ہو گیا اور انھوں نے آپس میں کہا کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہرگز نازل نہیں ہوا ہے، بلکہ محمد اپنے چچا زاد بھائی علی کا مرتبہ بڑھا کر ان کو ہمارے اوپر مسلط کرنا چاہتے ہیں (مواعظ اللہ) اصول کافی ص ۱۸۲

اسی واقعہ سے متعلق ایک روایت فروع کافی میں ہے اس کا بھی حاصل ہی نذرِ ناظرین

کیا جا رہا ہے (اس میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذلیہ و حضرت
ابو عبیدہ ابن الجراح اکابر صحابہ پر حضور کی شان میں غلیظ ترین کافرانہ گستاخی کی
تہمت لگائی گئی ہے)

حسان شتر بان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امام جعفر صادق علیہ السلام
نے میرے اونٹ پر مدینہ سے مکہ کا سفر کیا جب غدر خم کے پاس پہنچے
تو امام موصوف نے (وہاں بنی ہوئی) مسجد کی بائیں جانب دیکھا اور
کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
نے علی علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر ان کی ولایت
و امامت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”من كنت مولاه
فعلى مولاه“ اس کے بعد امام موصوف نے مسجد کی دوسری جانب
دیکھا اور فرمایا یہاں خیمہ تھا الو فلاں اور فلاں کا (یعنی ابو بکر اور
عمر کا) اور سالم مولیٰ ابی حذلیہ اور ابو عبیدہ ابن الجراح کا، جب ان
لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو دونوں ہاتھوں سے
علی کو اوپر اٹھائے ہوئے اُن کی ولایت و امامت کا اعلان کرتے
ہوئے دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

انظروا الی عینیہ تدور ذرا اس کی (یعنی معاذ اللہ رسول اللہ
کا نہما عینا مجنون صلی اللہ علیہ وسلم کی) آنکھیں تو دیکھو
کیسی گھوم رہی ہیں جیسے کہ کسی پاگل دیوانے کی آنکھیں ہیں۔

تو جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ ”وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِيَذُبُّوكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ
لَمَجْنُونٌ ۚ“ فروع کافی ص ۵۹۲

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

’اصول کافی‘ اور ’فروع کافی‘ کے مؤلف جناب ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی کی ایک کتاب ”کتاب الروضہ“ ہے۔ یہ گویا اُن کی اصل کتاب ”الجامع الکافی“ کا آخری حصہ ہے۔ فروع کافی جلد سوم طبع لکھنؤ کے آخر میں شامل ہے۔ اس میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کا ایک طویل خطبہ روایت کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کے آخر میں حضرت مدوح نے غدیر خم کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم پہنچے تو وہاں آپ کے حکم سے آپ کے لیے ایک منبر ساتیا رکھا گیا۔

ثم علاء واخذ بعضی حتی
رأى بياض ابطیه
رافعا صوته قائلا في
محفلہ من كنت مولاه
فعلى مولاه اللهم والي
من والاه وعاد من
عاداه۔

پھر آپ اس منبر کے اوپر چڑھے اور
میرے دونوں بازو پکڑ کے مجھے اس طرح
اوپر کو اٹھایا کہ آپ کی دونوں بغلوں
کی سفیدی نظر آنے لگی اور اس مجمع میں
اپنے بلند آواز سے فرمایا کہ میں جس کا
دوست و محبوب ہوں علی بھی اس کے
دوست و محبوب ہیں۔ اے اللہ جو علی سے

محبت کا تعلق رکھے تو اس سے محبت فرما
کتاب الروضہ ص ۱۳ ص ۱۴

(محقق گذشتہ کا حاشیہ) آیت کا مطلب ہے کہ یہ کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو اے رسول یہ آپ کو تیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو پھسلا کر گرا دیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پاگل اور دیوانہ ہے (ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق کفار مکہ سے ہے ان ہی بد بخوتوں بد نصیبوں کا یہ حال تھا اور وہ حضور کی شان میں ایسی گستاخیاں کرتے تھے لیکن فروع کافی کی اس روایت میں امام جعفر صادق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اس کا اصل مصداق بتلایا) (معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت کا معاملہ فرما۔

حضرت علی کے اس خطبہ کی روایت میں آگے ذکر کیا گیا ہے کہ غدرِ خیم کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام نے "الاشقیان" کے لفظ کے ساتھ (معاذ اللہ) حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا ذکر کیا (الاشقیان کے معنی ہیں اعلیٰ درجہ کے بد بخت و بد نصیب اور محروم) اور مرنے کے بعد آخرت اور دوزخ میں ان دونوں کا جو حال ہونے والا ہے وہ بڑی تفصیل سے الفاظ کے پورے اسراف کے ساتھ (امیر المومنین) نے بیان فرمایا۔ اس کے آگے (اسی خطبہ میں حضرت علی کی زبان مبارک سے) ان تمام مہاجرین و انصار پر کسی کا نام لیے بغیر) بدترین قسم کا تبرائے جھفوں نے ان دونوں کو خلیفہ تسلیم کیا۔ گویا اس وقت کی پوری امت مسلمہ اور تمام ہی صحابہ کرام پر

ضروری انتباہ :

یہاں ہم اپنے ناظرین کو دو باتوں پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول یہ کہ غدرِ خیم کے فقہ سے متعلق مندرجہ بالا روایات میں (اور مختلف عنوانات کے تحت ان سے پہلے درج ہونے والی بہت سی روایات میں بھی) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اخلاف خصوصاً امام باقر اور ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق کی طرف نسبت کر کے حضرات شیخین اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے بارے میں جو انتہائی نازیبا اور ناشائستہ باتیں نقل کی گئی ہیں (معاذ اللہ! ان کو شقی بلکہ اشقی کافر و مرتد اور لعنتی و دوزخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور آپے غداری کا مرتکب کہا گیا ہے) تو ان شیعہ روایات کی وجہ سے ہمارے ناظرین ان محترم بزرگوں کے بارے میں کسی بدگمانی کے وسوسہ کو بھی دل میں نہ آنے دیں، یہ ساری خرافات ان مقدس بزرگوں پر ان روایتوں کے ان راویوں کی افترا پرداز

اور بہتان طرازی ہے جن کا مشن اور مقصد ہی اسلام کی تخریب اور امت مسلمہ میں
 تفریق پیدا کرنا تھا۔ ورنہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
 نے بھی عام صحابہ مہاجرین و انصار کی طرح شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و جانشین اور امیر المومنین مان کر ان کی بیعت کی تھی
 اور وہ ان کے معتمد ترین مشیروں گویا وزیروں میں تھے، انھوں نے زندگی میں کبھی
 کسی مجمع میں اس بابے میں اپنے اختلاف کا اظہار نہیں فرمایا اور غدیر خم کا یہ قصہ
 ذکر کر کے ان کے مقابلہ میں اپنی امامت و خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جمہور امت
 محمدیہ کے نزدیک (اور غیر مسلم مورخین کے نزدیک بھی) ان کا یہ رویہ صدق دل کے
 ساتھ اور غلغلہ نہ تھا ہرگز (بقیہ کی بنیاد پر) منافقانہ نہیں تھا (جیسا کہ شیعہ حضرات کا
 دعویٰ ہے)۔ اس کا سبب بڑا عملی ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے
 اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا اور ان کو اسی طرح اپنا داماد
 بنایا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو داماد بنایا تھا، یہاں
 ہم اس سلسلہ میں اتنے ہی پر اکتفا کریں گے۔ اگے انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو
 کی جائے گی۔

دوسری بابت جس پر اپنے ناظرین کو یہاں متنبہ کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ
 اہل سنت کی بعض کتب حدیث میں بھی حجۃ الوداع کے سفر کے اُس خطبہ نبوی کا ذکر کیا
 گیا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا ”من کنت مولاً فعلی مولاً“ لیکن اس کا
 مسئلہ امامت و خلافت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ حجۃ الوداع
 سے ۷-۸ مہینے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو قرباتین سو
 افراد کی جمعیت کے ساتھ یمن بھیج دیا تھا وہ حجۃ الوداع میں یمن سے آکر ہی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے۔ یمن کے زمانہ قیام میں ان کے بعض ساتھیوں کو

ان کے بعض اقدامات سے اختلاف ہوا تھا۔ وہ لوگ بھی حجۃ الوداع میں شرکت کے لیے ان کے ساتھ میں آئے تھے، انھوں نے اگر دوسرے لوگوں سے بھی حضرت علی کے ان اقدامات کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بلاشبہ یہ ان لوگوں کی غلطی تھی شیطان ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں میل اور افتراق پیدا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو آپ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ حضرت علی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت و محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس سے لوگوں کو آگاہ فرمائیں اور اس کے اظہار و اعلان کا اہتمام فرمائیں۔ اسی مقصد سے آپ نے وہ خطبہ دیا جس میں فرمایا: **مَنْ كُنْتُ مَوْلَاَهُ فَعَلِيَ مَوْلَاَهُ** اللہم وال من والاہ دعاد من عاداہ۔ عربی زبان میں مولیٰ کے معنی آقا کے بھی ہیں، غلام کے بھی ہیں، آزاد کردہ غلام کے بھی ہیں، حلیف کے بھی ہیں، مددگار کے بھی ہیں، دوست اور محبوب کے بھی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں وہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس حدیث میں آخری دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں جس کا محبوب ہوں، علی بھی اس کے محبوب ہیں، لہذا جو مجھ سے محبت کرے اس کو چاہیے کہ وہ علی سے بھی محبت کرے آگے آپ دعا فرمائی کہ اے اللہ جو بند علی سے محبت مولا کا تعلق رکھے تو اس سے محبت و والات کا معاملہ فرما اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرمایا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا یہ دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ محبوب اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مسئلہ امامت و خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں ہم اس موضوع سے متعلق اتنے ہی پر اکتفا کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس حدیث کی شرح و توضیح میں ایک مستقل مقالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔

اثنا عشریہ کے چند اوقابلِ مطالعہ عقائد و مسائل

جو مسئلہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں

یہ ”ضروری انتباہ“ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو اختصار کے ارادہ اور کوشش کے باوجود کچھ طویل ہو گیا۔ اب اصل موضوع کی طرف آجائیے۔

اثنا عشریہ کی مسلم و مستند کتابوں سے ان کے مذہب کی اصل و اساس مسئلہ امامت سے متعلق جو روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے جوارشادات ہم کو پیش کرنے تھے، وہ قریباً ہم عنوانات کے تحت ہم نے پیش کر دیئے، امید ہے کہ ان سے ناظرین کرام نے اس مسئلہ کی حقیقت اور اس کے طول و عرض کو پوری طرح سمجھ لیا ہوگا۔ اب ہم اثنا عشریہ کے چند دوسرے عقائد و مسائل کا ذکر کریں گے جو دراصل اس مسئلہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں، اور شیعہ اثنا عشریہ کی سمجھنے اور ان کے بارہویہ رائے قائم کرنے کے لیے ان عقائد و مسائل کا مطالعہ اور ان پر غور و فکر بھی ضروری ہے اور انشاء اللہ وہی کافی ہے۔ ان عقائد و مسائل کے بارے میں بھی جو کچھ عرض کیا جائے گا وہ ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور ان کی مستند کتابوں کے حوالوں ہی سے عرض کیا جائے گا۔ واللہ ولی التوفیق



(معاذ اللہ) عام صحابہ کرام خاص کر خلفائے ثلاثہ

کافر و مرتد، اللہ و رسول کے غدار، جہنمی اور لعنتی

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے مقام پر تمام رفقاء سفر خواص و عوام صحابہ کرام کو خاص اہتمام سے جمع کر کے، خود منبر پر چڑھ کر اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے (تاکہ سب حاضرین دیکھ بھی لیں) اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے حوالہ سے اپنے بعد کے لیے، ان کی ولایت و امامت یعنی اپنے جانشین کی حیثیت سے امت کی دینی و دنیوی سربراہی اور حاکمیت کا اعلان فرمایا تھا، اور سب سے اس کا عہد و اقرار لیا تھا، اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو حکم دیا تھا کہ وہ "السلام علیک یا امیر المؤمنین" کہہ کر حضرت علی کو سلامی دیں، اور انھوں نے اس حکم کی تعمیل میں اسی طرح سلامی دی تھی، اور احتجاج طبرسی کی مذکورہ روایت کے مطابق آپ نے خود اپنے دست مبارک پر حضرت علی کی اس امامت و ولایت کی سب حاضرین سے بیعت بھی لی تھی اور سب سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے آپ کے دست مبارک پر یہ بیعت کی تھی (بہر حال اگر اس کو واقعہ تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اثنا عشریہ کی مستند کتابوں میں ان کے ائمہ معصومین سے روایت کیا گیا ہے اور یہی ان کا بنیادی عقیدہ اور گویا جزو ایمان ہے) تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جب اس واقعہ کے قریب صرف اسی دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جانے پر سب نے حضرت علی کو بالکل چھوڑ کے حضرت ابوبکر کو آپ کے خلیفہ و جانشین کی حیثیت سے امت کا دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم بنالیا اور سب نے ان سے

بیعت کر لی، تو (معاذ اللہ) ان سب کے اللہ و رسول سے غداری کی اور سب کافر و مرتد ہو گئے، خاص کر خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان) جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ عہد و اقرار کیا تھا اور خود اپنے دست مبارک پر سب سے پہلے بیعت لی تھی۔

اگر بالفرض شیعہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں ان کو کافر و مرتد اور جہنمی نہ کہا گیا ہوتا اور ان پر لعنت نہ کی گئی ہوتی، تب بھی مسئلہ امت اور غدیر خم کے مقام پر غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اس کے اعلان اور اس کے لیے عہد و اقرار اور بیعت لینے کے لازمی اور منطقی نتیجہ کے طور پر یہی ماننا پڑتا۔ لیکن ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں ”الجامع الکافی“ وغیرہ کے حوالہ سے وہ روایات اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات پڑھ چکے ہیں جن میں اسی بنیاد پر صحابہ کرام خاص کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو کافر و مرتد اور جہنمی کہا گیا ہے اور ان قرآنی آیات کا مصداق قرار دیا گیا ہے جو بدترین قسم کے کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق چند روایات اور بھی یہاں نہ ناظرین کو ردی جائیں۔

شیخین کے بارے میں ...

کلبینی کی کتاب الروضۃ میں روایت ہے کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید نے شیخین (حضرت ابوبکر و عمر) کے بارے میں ان سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا۔
 مانسألنی عنہما مامات منا تم ان دونوں کے بارے میں مجھ سے کیا

لے یہ روایتیں ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

میت الا سا خطا علیہما
یوصی بذلک الکبیر منا
الصغیر انہما ظلمنا ناحقنا
وکانا اول من ركب اعناقنا
واللہ ما اسمت من بلیۃ
ولا قضیۃ تجری علینا اهل
البیت الا ہما اسسا
اولہما فلیہما لعنۃ اللہ
والملعکۃ والتاس
اجمعین

کتاب الروضہ ص ۱۱۵

پوچھنے ہو، ہم اہل بیت میں سے جو بھی
دنیا سے گیا ہے، ان دونوں سے سخت
ناراض کیا ہے، ہم میں سے ہر بڑے
نے چھوٹے کو اس کی وصیت کی ہے۔
ان دونوں نے ظالمانہ طور پر ہمارا
حق مارا، یہ دونوں سب سے پہلے ہم اہل بیت
کی گردنوں پر سوار ہوئے، ہم اہل بیت
پر جو بھی مصیبت اور آفت آتی ہے
اس کی بنیاد انہی دونوں نے ڈالی
ہے۔ لہذا ان دونوں پر لعنت ہو
اللہ کی اور فرشتوں کی اور بنی آدم
کی سب کی۔

اسی کتاب الروضہ میں اسی صفحہ پر حضرات شیخین سے متعلق ایک اور روایت
ہے کہ امام باقر کے انہی مخلص مرید نے (جنہوں نے شیخین کے بارے میں وہ سوال کیا
تھا جو جواب کے ساتھ اوپر مذکور ہوا) حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان بیٹوں کے بارے
میں جنہوں نے چھوٹے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل کے ایک کنوئیں میں
پھینک دیا تھا (اور قرآن مجید میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسباط کے
لفظ سے جا بجا کیا گیا ہے) ان کے بارے میں امام باقر سے دریافت کیا کہ وہ نبی
نہیں تھے (سائل کا مطلب غالباً یہ تھا کہ جب انہوں نے اتنا بڑا ظلم اور گناہ کیا تھا
تو ان کا ذکر قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیوں کیا گیا ہے) اس کے جواب
میں امام باقر نے فرمایا۔

لاولكنهم كانوا اسباط اولاد
الانبياء ولم يكن يفارق
الدنيا الاسعداء تابوا و
تذكروا ما صنعوا وان
الشيخين فارقا الدنيا ولم
يتوبوا ولم يتذكروا ما صنعوا
بامير المؤمنين عليه السلام
فعليهما لعنة الله والملائكة
والناس اجمعين۔

کتاب الزہدہ ص ۱۱۱

انھوں نے توبہ نہیں کی اور اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ لہذا ان پر اللہ کی اور
اس کے فرشتوں کی اور بنی آدم کی سب کی لعنت ہے۔

اور ”رجال کشی“ میں روایت نقل کی گئی ہے کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید
کمیت بن زید نے امام موصوف سے عرض کیا کہ میں ان دونوں آدمیوں (ابوبکر و عمر)
کے بارے میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو انھوں نے فرمایا۔

یا کمیت بن زید ما اھربق
فی الاسلام محبة دم ولا
اکتسب مال من غیر حله
ولا نکه فوج حرام الا و
ذالك فی اعناقھما الی یوم
یقوہ قائمنا۔ (رجال کشی ص ۱۳۵)

اے کمیت بن زید اسلام میں جس کا بھی
ناحق خون بہایا گیا اور جو بھی ناجائز مال
کما یا گیا اور جو بھی زنا ہوا یا ہو گا ہمارے
امام مہدی کے ظہور کے دن تک اس
سب کا گناہ انہی دونوں کی گردنوں
پر ہو گا۔

آخر میں کلینی کی "کتاب الروضۃ" کی اسی سلسلہ کی ایک روایت اور بھی پڑھ لی جائے۔

ابوبکر کی بیعت سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی :

ابو جعفر یعقوب کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی سے ایک روایت کتاب الروضۃ میں نقل کی ہے، روایت بہت طویل ہے اس لیے اس کا جو حصہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے اس کا بھی خلاصہ ہی نذر ناظرین کیا جا رہا ہے، متن کے صرف وہ جملے ہی نقل کیے جائیں گے جن کا ہمارے موضوع سے خاص تعلق ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کی بیعت کا فیصلہ ہو گیا اور وہاں سے مسجد نبوی میں آکر ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کیا تو سلمان فارسی نے اس منظر کو دیکھ کر حضرت علی کو جاکر اس کی اطلاع دی، انھوں نے سلمان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اُس وقت ابوبکر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کس نے کی؟ سلمان نے کہا کہ میں اُس آدمی کو تو نہیں جانتا، لیکن میں نے ایک بوڑھے بزرگ کو دیکھا تھا وہ اپنے عصا کے سہارے بڑھ کر آئے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا وہی آدمی سب سے پہلے ابوبکر کی طرف بڑھا، وہ روتا تھا اور کہہ رہا تھا۔

الحمد لله الذی لم یمتنی ساری حمد اس اللہ کے لیے جس نے
من الدنیا حتی رأیتک مجھے موت دے کر اُس وقت تک دنیا
فی هذا المكان ابسط یدک سے نہیں اٹھایا کہ میں نے تم کو اس

فبسط یدہ فبايعہ
 مقام پر دیکھ لیا، تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ!
 تو ابو بکر نے ہاتھ بڑھایا اور اس بوڑھے بزرگ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔
 حضرت علی نے سلمان سے یہ بات سن کر فرمایا "ہل تدری من
 ہو؟" (تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟) سلمان نے کہا کہ میں نہیں
 جانتا تو حضرت علی نے فرمایا "ذالک ابلیس لعنہ اللہ" (یہ
 بوڑھے بزرگ کی صورت میں آنے والا اور ابو بکر کے ہاتھ پر سب سے
 پہلے بیعت کرنے والا آدمی ابلیس ملعون تھا۔)

آگے روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ
 حضرت علی نے فرمایا کہ خلافت کے بائے میں یہ جو کچھ ہوا مجھے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس کی خبر دیدی تھی۔ آپ نے مجھے
 بتلایا تھا کہ "غدر خیم کے مقام پر اپنے بعد کے لیے امامت و ولایت کے
 لیے میری نامزدگی کا جو اعلان آپ نے کیا تھا اس سے شیطان اور
 اس کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی ہے اور وہ اس کے خلاف سازش کریں گے
 اور اس کے نتیجہ میں میری وفات کے بعد لوگ پہلے سقیفہ بنی ساعدہ
 میں اور اس کے بعد مسجد میں آکر ابو بکر کی بیعت کریں گے۔" روایت
 کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

ثمریاتون المسجد فیکون
 پہلے (سقیفہ بنی ساعدہ) سے یہ لوگ مسجد میں آجائیں
 اول من یبايعہ علی منبری
 گے، یہاں میرے منبر پر ابو بکر سے بیعت سب سے
 ابلیس لعنہ اللہ فی صورۃ
 پہلے ابلیس ملعون کرے گا جو ایک بوڑھے
 شیخ یقول کذا وکذا۔
 بزرگ کی صورت میں آئے گا اور یہ یہ کہتا ہوگا
 (جو سلمان فارسی نے اس کے بارہ میں بیان کیا تھا)
 (کتاب الروضہ ص ۱۵۹)

فاروق اعظم کی شان میں:

حضرات شیخین سے متعلق کتب شیعہ کی جو روایتیں اور ان کے ائمہ معصومین کے جو ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائے، اگرچہ وہ بھی یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ حضرات کا کیا عقیدہ اور رویہ ہے اور ان کے علماء و مجتہدین اور مصنفین اپنے عوام کو ان کے بارے میں کیا بتلاتے ہیں۔ تاہم خاص انہی سے متعلق ایک اور شیعہ روایت جو ان کے گیارہویں امام حسن عسکری سے نقل کی گئی ہے اس سلسلہ میں ہم یہاں نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تنہا یہ روایت شیعیت کی حقیقت اور شیعہ ذہنیت کو جاننے سمجھنے کے لیے بھی بالکل کافی ہے۔

ملا باقر مجلسی جو دسویں گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے شیعہ محدث، مجتہد اور مصنف ہیں اور علمائے شیعہ ان کو "خاتم المحدثین" کہتے اور لکھتے ہیں، اور ان کی تصنیفات شیعوں میں (جہاں تک ہمارا اندازہ ہے) غالباً دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں (اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے جناب آیۃ اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے بھی انکی تصنیفات کی تعریف کی ہے اور ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ (کشف الاسرار ص ۱۲۱) اور افسوس ہے کہ ان کے تعارف میں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ ملا صاحب شیعوں کے بڑے مجتہد اور بڑے محدث ہونے کے باوجود انتہائی درجہ کذب زبان ہیں۔ اپنی کتابوں میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ "عمر بن الخطاب علیہ اللعنة والعذاب"، (معاذ اللہ) — ان ہی ملا باقر مجلسی کی ایک کتاب "زاد المعاد" ہے اس میں انھوں نے تاریخ ۹ رجب الاول کی فضیلت اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلایا تھا کہ اس تاریخ (۹ ربیع الاول) میں (معاذ اللہ) تمہارا اور تمہارے اہل بیت کا دشمن عمر ہلاک ہوگا، تو آپ نے ۹ ربیع الاول کو عید کی طرح جشن منایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وہ حیرت انگیز فضیلتیں بیان فرمائیں جو ناظرین روایت میں پڑھیں گے۔ یہ روایت چونکہ بہت ہی طویل ہے اگر پوری روایت ترجمہ کے ساتھ درج کی جائے تو کم از کم کتاب کے ۱۵-۲۰ صفحے گھیر لے گی، اس لیے ہم روایت کو تلخیص اور اختصار کے ساتھ درج کریں گے اور فارسی نہ جاننے والے حضرات کے لیے اس کا عام فہم حاصل مطلب ہی اردو میں لکھیں گے۔ اب ناظرین کرام یہ عجیب غریب روایت ملاحظہ فرمائیں۔

فاروق اعظم کا یوم شہادت، سب سے بڑی عید
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر افرات کی بدترین مثال

ملا مجلسی "معتبر سند" کے حوالہ سے شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ

بدرستے کہ خبر داد مرا پدرم کہ حذیفہ	میرے والد (میں امام علی نقی)
بن یمان در روز نہم ربیع الاول	نے مجھے بیان فرمایا کہ (شہو صحابی)
داخل شد بر جدم رسول خدا حذیفہ	رسول خدا بن یمان سے روایت
گفت کہ دیدم امیر المؤمنین و حضرت	ہے کہ ایک دفعہ میں نویں ربیع الاول
امام حسن و امام حسین را کہ با حضرت	کو رسول خالی خدمت میں حاضر ہوا
رمالت پناہ طعام تناول مے نمودند	تو میں نے کہا کہ امیر المؤمنین علی نقی

آں حضرت برائے ایثاں تبسمے
 فرمود: و با امام حسن و امام حسین
 گفت کہ بدرستے کہ ایں روز نیست
 کہ حق تعالیٰ ہلاک می کند دشمن شما
 و دشمن جد شما را و مستجاب می گرداند
 اندر ایں روز دعائے مادر شما را،
 بخورید ایں روز نیست کہ حق تعالیٰ
 قبول نمی کند اعمال شیعیان و محبان
 شما در ایں روز.... بخورید کہ ایں
 روز نیست کہ شکست می شود در ایں روز
 شوکت دشمن جد شما و یاری کننده دشمن
 دشمن جد شما و یاری کننده دشمن
 شما بخورید کہ ایں روز نیست کہ ہلاک
 می شود در ایں روز فرعون اہل بیت
 من دستم کننده بر ایثاں و غضب
 کننده حق ایثاں،
 حذیفہ گفت کہ من گفتم یا رسول اللہ
 آیا در میان امت تو کسی خواهد
 بود کہ ہتک ایں حرمتہا نماید، حضرت
 فرمود کہ اسی حذیفہ تہ از منافقان
 بر ایثاں سرگرم خواهد شد، و دعویٰ

اور امام حسن و امام حسین بھی ہیں
 اور سب کھانا تناول فرما ہے ہیں
 اور حضور بہت خوش ہیں اور تبسم فرما
 ہے ہیں اور صاحبزادگان حسن و حسین
 سے کہہ رہے ہیں کہ بیٹا آج وہ دن
 ہے کہ جس دن کہ اللہ تعالیٰ تمہارے
 دشمن اور تمہارے نانا کے دشمن کو
 ہلاک کرے گا اور تمہاری اما جان
 (فاطمہ زہرا) کی بددعا قبول فرمائے گا
 کھاؤ بیٹا کھاؤ، آج وہ دن ہے
 کہ خدا تمہارے شیعوں اور محبوں کے
 اعمال قبول کرے گا۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ
 کہ آج کی تاریخ وہ ہے جس میں تمہارا
 نانا کے دشمن اور تمہارے دشمن کی
 شوکت ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل
 جائے گی،۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ، آج
 وہ دن ہے کہ اس میں میرے اہل بیت
 کا فرعون اور ان پر ظلم و ستم
 کرنے والا اور ان کا حق غضب کرنے
 والا ہلاک ہوگا۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض

ریاست در میان ایشان خواہد کرد
 و مردم را بسوی خود دعوت خواہد
 نمود و تازیانہ ظلم و ستم را بردوش
 خود خواہد گرفت و مردم را از راہ خدا
 منح خواہد نمود و کتاب خدا را تحریف
 خواہد نمود، و سنت مراغیہ خواہد داد
 و زیادتی بروستی من علی بن ابی
 طالب خواہد کرد و دختر مرا از حق خود
 محروم خواہد گردانید پس دختر من
 اورا نفیس خواہد کرد و حق تعالی
 نفیس اورا مستحاب خواہد کرد۔
 حذیفہ گفت یا رسول اللہ چرا
 دعائی کنی کہ حق تعالی اورا در حیا
 شما ہلاک کند؟ حضرت فرمود کہ ای
 حذیفہ درست نمی دارم کہ جرأت کنم
 بر قضای خدا و از او طلب کنم تغیر
 امرے را کہ در علم او گزشتہ است،
 ولیکن از حق تعالی سوال کردم
 کہ فصیلت دہد آں روز را کہ در آں
 روز او بچہم میرود بر سائر روز ہا
 تا آنکہ احترام آں روز سننے گردد

کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی امت
 میں کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسی
 حرکتیں کرے گا؟ آنحضرت نے
 فرمایا کہ اے حذیفہ منافقوں میں سے
 ایک بُت (صنم) ہوگا جو منافقوں کا
 سر گرہ ہوگا، وہ ظلم و ستم کا کوزہ اپنے
 ہاتھ میں رکھے گا اور لوگوں کو حق کے
 پلے سے روکے گا اور کتاب اللہ
 میں تحریف کرے گا اور میری سنت
 اور میرے طریقہ کو بدل ڈالے گا اور میرے
 وصی علی بن ابی طالب پر زیادتی کرے گا
 اور میری بیٹی فاطمہ کو اس کے حق سے
 محروم کرے گا، تو میری بیٹی اس پر لعنت
 اور بددعا کرے گی، حق تعالی اسکی
 لعنت اور بددعا کو قبول فرمائے گا۔
 حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض
 کیا یا رسول اللہ آپ یہ دعا کیوں
 نہیں کرتے کہ خدا اس ظالم اور فرعون
 کو آپ کی زندگی ہی میں ہلاک کرے
 حضرت نے فرمایا اے حذیفہ میں سب
 نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کے قضا و قد

در میان دوستان من و شیعیان
 اہل بیت من پس حق تعالیٰ وحی کرد
 کہ اے محمد در علم سابق من گزشتہ است
 در یاد ترا و اہل بیت ترا غتھا و بلا
 دنیا و ستہائے منافقان و غضب
 کنندگان اے محمد نے رسول علی
 بمنزلت زمر با نچ میر سدا و از
 بلاہ از فرعون او غضب کنندہ حق او
 من امر کردہ ام ملائکہ ہفت آسمان
 خود را کہ برائے شیعیان و محبان دین
 شامعید کنند۔ آں روئے را کہ آں
 ملعون کشتہ می شود... و امر کردہ ام
 ملائکہ نویسندگان اعمال را کہ از میں
 روز تاسر روز قلم از مردم بردارند و نہ
 نویسندگان ایشاں را برائے
 کرامت تو و وصی تو۔ اے محمد ایں رو
 را عیدے گردانیدم برائے تو و اہل بیت
 تو و برائے ہر کہ تابع ایشاں باشد از
 مومنان و شیعیان ایشاں، و گویند
 باد میکنم بغزت و جلال خود و علو
 منزلت و مکان خود کہ عطا کنم کرے

کے فیصلہ میں دخل دوں اور جو کچھ علم
 الہی میں طے ہو چکا ہے اس میں تبدیلی
 کی درخواست کروں، لیکن میں نے
 اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جس دن
 وہ ظالم و فرعون و اصل جہنم ہو رہی
 ہلاک کیا جائے اس دن کو دوسرے
 تمام دنوں پر فضیلت دی جائے تاکہ
 اس دن کا احترام میرے شیعیان اہل بیت
 میں ایک سنت بن جائے۔ تو اس تعویذ
 نے وحی فرمائی کہ میرے علم قدیم میں
 طے ہو چکا ہے کہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت
 کو غضب کرنے والے منافقوں کی طرف سے
 طرح طرح کی تکلیفیں اور شتہیں پہنچیں گی۔
 اے محمد علی کو تمہارا مرتبہ ان تکلیفوں
 ہی کی وجہ سے عطا کیا جائے گا جو انکا
 حق غضب کرنے والے اس امت کے
 فرعون کی طرف سے ان کو پہنچیں گی....
 میں نے ساتوں آسمان کے
 فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ جس دن وہ
 مارا جائے اس دن اہل بیت کے شیعیان
 اور محبان کے لیے عید منائیں اور میں نے

کہ عید کند اس روز را از برائے من
 ثواب آں کہ مدو در عرش کردہ اند،
 و قبول کنم شفاعت اوراد خویشان
 او، و زیادہ کنم مال اور اگر کشادگی
 دہد بر خود و بر عیال خود دریں روز
 و ہر سال در این روز ہزار ہزار کس
 از موالیان و شیعیان شمار از آتش
 جہنم آزاد گردانم و اعمال ایشان را
 قبول کنم و گناہان ایشان را بامرزہ
 حذیفہ گفت پس برخواست حضرت
 رسول خدا و خانہ ام سلمہ رفت من
 برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر،
 تا آنکہ بعد از وفات رسول دیدم کہ او
 چہ فتنہا بر انگیخت و کفر اصلی خود را
 اظہار کرد و ازین دین برگشت و دامان
 بیجائی و وقاحت برائے غضب امت
 و خلافت بزد و قرآن را تحریف کرد
 و آتش در خانہ وحی و رسالت زد...
 و یہود و نصاریٰ و مجوس را از خود
 راضی کرد و نور دیدہ مصطفیٰ را بنخشم
 آورد و رضا جوئی اہل بیت رسالت

بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں
 (کرانا کا تبیین) کو حکم دیا ہے کہ
 اس دن کے احرام میں کس روز
 سے تین دن بعد تک گناہ لکھنے سے
 قلم روکے رہیں (کسی زانی، شرابی
 چور ڈاکو وغیرہ کا کوئی گناہ نہ لکھیں)
 اے محمد تین دن تک گناہوں کی یہ
 عام چھٹی اور اجانت تھکے اور
 تھکے وحی کے احرام میں ہی گئی
 ہے۔ اے محمد اس دن کو میں نے
 تھکے لیے اور تھکے اہل بیت کے
 لیے اور ان کے متبعین و محبین کے
 لیے روز عید قرار دیا ہے، اور مجھے قسم
 ہے اپنے عزت و جلال کی جو شخص
 اُس دن عید منائے گا میں اس کو
 عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کے
 برابر ثواب عطا کروں گا اور اس کے
 عزیزوں قرابت داروں کے بارے
 میں اس کی شفاعت قبول کر دوں گا،
 اور اگر وہ اس دن خود اپنے پر اور
 اپنے اہل و عیال پر ہاتھ کھول کے

نکرد و جمع سنتہائے رسول خدا را
بر طرف کرد، و تدبیر کشتن امیر المومنین
کرد و جو رو ستم در میان مردم
علانیہ کرد، و ہر چہ خدا حلال
کردہ بود حرام کرد و ہر چہ
حرام کردہ بود حلال کرد۔۔
و در بر رو و شکم فاطمہ علیہا السلام
زد۔۔۔

خرچ کہے گا تو میں اس کے مال
و دولت میں اضافہ کروں گا۔ اور ہر
سال اس دن کے آنے پر تھائے
شیعوں میں سے ہزار ہا ہزار کا آتش
جہنم سے آزادی دوں گا ان کے
اعمال قبول کروں گا اور ان کے گناہ
بخش دوں گا۔

حذیفہ گفت پس حق تعالیٰ دعا
برگزیدہ خود و دختر پیغمبر خود را در
حق او منافق مستجاب گردانید
و قتل اورا بر دست کشندہ اورا
رحمہ اللہ جاری ساخت ۔

زاد المعاد ۳۳۳ تا ۳۳۶

حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ یہ سب کچھ فرما کے
اٹھ گئے اور ام سلمہ کے گھر میں چلے
گئے اور مجھے آنحضرت سے یہ باتیں
سن کر عمر کے کفر کے بارہ میں یقین
ہو گیا، کوئی شبہ نہیں رہا۔ یہاں
تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
کی وفات کے بعد میں نے دیکھ لیا

کہ اس نے کیا کیا فتنے برپا کئے اور اپنے اندر کے کفر کو اُس نے ظاہر کر دیا اور
دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا اور امامت و خلافت غضب کرنے کے لیے انتہائی سبھا
سے کام لیا، اور قرآن میں تحریف کر ڈالی اور کاشانہ وحی و رسالت میں
(یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقدس گھر میں) آگ لگائی۔ اور یہود
و نصاریٰ اور مجوسوں کو راضی اور خوش کیا اور نور نظر مصطفیٰ فاطمہ زہرا اور تمام
ہی اہل بیت کو ناراض کیا، اور امیر المومنین کو مروا ڈالنے کی سازش اور تدبیر کی

اور خدا نے جو حلال کیا تھا اس کو حرام کیا اور جو خدا نے حرام کیا تھا اس کو حلال کیا... اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے چہرے اور شکم پر دروازہ بے مارا.... (یہ سب بیان کر کے) حذیفہ نے کہا کہ پھر حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر اور اُن کی صاحبزادی کی بددعا اس منافق کے بائے میں قبول فرمائی اور اس کے قاتل (ابو لولو ایرانی) کے ہاتھ سے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے اس قاتل پر اللہ کی رحمت ہو۔

اس روایت سے متعلق کچھ ضروری اشارات :

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس تحریری کاوش کا مقصد اہل سنت میں سے اُن لوگوں کو، خاص کر اُن اہل علم اور دانشور حضرات کو جو شیعیت سے ناواقف ہیں شیعہ عقائد و نظریات اور ان کی بنیاد ان کے "اُمّ المسؤمین" کی روایات سے واقف کرانا ہے، ان پر بحث و تنقید اس مقالہ کا موضوع نہیں ہے۔ تاہم حضرت فاروق اعظم سے متعلق اس روایت کے بائے میں چند نکات کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلانا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

اول یہ کہ روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ ربیع الاول کو عید اور جشن منانے اور اس کے فضائل و برکات کے بائے میں اس مجلس میں اتنی لمبی بات فرمائی (جس کا صرف حامل اور خلاصہ ناظرین کرام نے گذشتہ ۶ صفحات میں پڑھا ہے) لیکن اس طویل سلسلہ کلام میں اُس ظالم اور مجرم اور اپنے اہل بیت کے "فرعون" کا نام کہیں نہیں لیا جس کی ہلاکت کی خوشی اور تقریب میں یہ عید منائی جا رہی تھی، صرف اشاروں اور کنایوں سے کام لیا۔ روایت کی تنہید

میں علامہ مجلسی کے بیان سے اور آخر میں روایت کے راوی حذیفہ بن یمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ آپ نے عمر بن الخطاب کے بارے میں فرمایا تھا۔ شیعہ فلسفہ کے مطابق اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ (معاذ اللہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب سے اتنا ڈرتے تھے کہ اپنے گھر کے اندر بھی ان کے خلاف کوئی بات کرتے تو ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ گھر کے در و دیوار بھی نہ سن پائیں، گویا آپ کی یہ سخت احتیاط دیوار ہم گوش دارد کے خطرہ کی بنیاد پر تھی۔ یا یہ کہ آپ کو حذیفہ بن یمان ہی سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ بات عمر تک نہ پہنچا دیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے قریباً ۲۰ سال تک ساتھ رہنے کے باوجود کبھی اس کا اشارہ بھی آپ نے عمر بن الخطاب سے نہیں کیا کہ تم ایسے ہو، ویسے ہو، بلکہ ان کو ایک قابل اعتماد ساتھی کی حیثیت سے ساتھ لگائے رہے، گویا حضور ابتداءً دروہ نبوت سے وفات تک اس بارے میں تقیہ کرتے رہے اور اپنے اس طرز عمل سے اپنی امت کو بھی (معاذ اللہ) آپ نے دھوکے میں مبتلا کیا۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دوسرا نکتہ اس روایت میں قابل غور یہ ہے کہ بندوں کے اعمال نویں فرشتوں کو خود اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ جب ۹ ربیع الاول کی تاریخ آئے تو تین دن تک گناہ کرنے والوں کا کوئی گناہ نہ لکھا جائے (ظاہر ہے کہ یہ رعایت اور آزادی صرف شیعہ مومنین ہی کے لیے ہوگی)۔ سوچا جائے اور تحقیق کی جائے کیا دنیا کے کسی مذہب میں چوری، ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا اور بالجبر زنا جیسے گناہوں کے لیے اس طرح کی چھٹی اور آزادی کی مثال مل سکتی ہے؟ ہمارے نزدیک اس روایت کے مطابق صرف شیعہ مذہب میں ہے، اور وہ بھی عمر بن الخطاب کی ہلاکت کی خوشی میں۔

تیسرا قابل غور نکتہ اس روایت میں یہ ہے کہ ۹ ربیع الاول کو یہ عید منانے پر شیعوہ صاحبان کو عرش الہی کا طواف کرنے والے فرشتوں کے برابر ثواب عطا ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ مکمل طور پر عید اور جشن منانے کی صورت یہی ہوگی کہ اس عید کے دن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی گناہوں کی آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ گویا (العیاذ باللہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے شیعوہ صاحبان کو صلائے عام ہے کہ عمر بن الخطاب کی ہلاکت کی یادگار کی خوشی میں ہر سال ۹-۱۰-۱۱ ربیع الاول کو اپنے نفس کی خواہشوں کے مطابق طرح کے گناہ کریں۔ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ہر چاہت اور ہر خواہش پوری کریں۔ اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کے برابر ثواب حاصل کریں۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ روایت میں حذیفہ بن یمان کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے (حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولؤ اور ایرانی مجوسی) کے حق میں فرمایا ”رحمہ اللہ“ (اس پر خدا کی رحمت ہو)

ہم نے شیعہ مذہب اور اس کی بنیاد ان کے ائمہ کی روایات سے ناواقفوں کو واقف کرانے کے مقصد سے ”نقل کفر کفر نباشد“ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ روایت نقل کر دی ہے لیکن اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ یہ خرافاتی روایت از اول تا آخر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے مقرب و معتمد صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پر ہی نہیں بلکہ حسن عسکری اور ان کے والد ماجد علی نقی پر بھی افترا اور محض افترا ہے۔ ان بزرگان اہل بیت کا دامن ان خرافات کی نجاست سے یقیناً پاک ہے۔

وَسَيَعْلَمَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مَنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

ان خرافات کے افتراء محض ہونے کی روشن ترین دلیل، عقد ام کلثوم

مجلسی کی "زاد المعاد" کی اس روایت اور حضرت فاروق اعظم کے مومن صادق
بھنے کی نفی کرنے والی اس جیسی تمام خرافاتی روایات کے افتراء محض ہونے کی
سببوں عقلی و نقلی دلیلوں میں اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ روشن یہ
واقعاتی دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا
(جو شیعوں مورخین کے بیان کے مطابق بھی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن
سے سب سے بڑی صاحبزادی تھیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں
نکاح کیا اور وہ ان کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے ان کے گھر میں رہیں اور ان سے
حضرت عمر کے ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی زید تھا۔

اس مبارک نکاح کے واقعہ سے دو باتیں بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کے نزدیک حضرت عمر مومن صادق تھے اور اس
لائق تھے کہ اپنی اور سیدہ فاطمہ زہرا کی لخت جگر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نواسی کا ان سے نکاح کر دیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارہ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا

۱۔ تاریخ طراز مذہب مظفری جس کے مصنف ایک ایرانی شیعہ ہیں، انھوں نے اس کتاب
میں حضرت عمر کے ساتھ ام کلثوم کے نکاح کے بیان کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے جو کتاب کے صفحہ ۴۲
سے شروع ہو کر صفحہ ۶۷ پر ختم ہوا ہے۔ اس باب میں ایک فقرہ یہ ہے "ام کلثوم کبریٰ
دختر فاطمہ زہرا، در سال ۶۷ عمر بن خطاب بود و ازوے فرزند سیاورد۔"

بحوالہ "باقیات صالحات" ص ۱۹۲ (طبع بمبئی)

کہ وہ اپنی صاحبزادی کا ایسے آدمی سے نکاح کر دیں جس کو وہ مومن صادق، خدا و رسول کا سچا وفادار اور مقبول بارگاہ خداوندی نہ سمجھتے ہوں بلکہ (معاذ اللہ) منافق اور دشمن خدا و رسول جانتے ہوں۔

دوسری بات اس مبارک نکاح سے یہ ثابت ہو گئی کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمر کے درمیان ایسا تعلق اور ایسی محبت و مودت تھی جس کی بنا پر یہ مبارک رشتہ ہوا۔

بہر حال اس واقعہ نکاح نے ثابت کر دیا کہ کتب شیعہ میں جو سیکڑوں روایتیں ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) منافق، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے دشمن کی حیثیت سے دکھلایا گیا ہے۔ اور اسی طرح وہ سب روایتیں جن میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمر کے درمیان انتہائی درجہ کی عداوت و دشمنی دکھلانی لگئی ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا تک پر حضرت عمر کے مظالم بیان کیے گئے ہیں کہ یہ سب ان لوگوں کی کھڑی ہوئی کہانیاں ہیں جو ابن سبا کی شروع کی ہوئی تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہوتے رہے جس کا مقصد اسلام کی تخریب اور امت مسلمہ میں اختلاف پیدا کر کے اس کی طاقت کو ختم کرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ علام لغیب کی حکمت بالغہ کا کرشمہ ہے کہ اس نے یہ رشتہ قائم کر کے ان تمام فرافاتی کہانیوں کی حقیقت واضح فرمادی جن سے شیعہ حضرات کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، اور انہی روایات پر مذہب شیعہ کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ اللہم لك الحمد ولك الشکر

عقد ام کلثوم اور شیعہ علماء و مصنفین :

راقم سطور کو معلوم ہے کہ شیعہ علماء و مجتہدین اور ان کے مصنفین نے اس نکاح کے بارے میں کیا کیا کہا اور لکھا ہے اور اس کی کیسی کیسی عجیب و غریب اور

مضمک خیز تاویلیں اور توجہیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب نے امیر المومنین پر اس کے لیے شدید باؤ ڈالا کہ وہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا ان سے نکاح کر دیں اور اس سلسلہ میں سخت دھمکیاں بھی دیں تو امیر المومنین نے اپنی معجزانہ قدرت سے ایک جلیہ کو اپنی بیٹی ام کلثوم کی شکل میں تبدیل کر دیا اور اسی کو اپنی بیٹی ام کلثوم بتا کر اس کا نکاح عمر بن الخطاب سے کر دیا تھا وہی ان کی بیوی بن کر ان کے گھر میں رہی۔ اصلی ام کلثوم جو امیر المومنین اور سیدہ فاطمہ زہرا کی بیٹی تھیں ان کا نکاح عمر بن الخطاب سے نہیں ہوا۔ اور بعض مصنفین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس نکاح کی ساری روایتیں ناقابل اعتبار ہیں، نکاح کا واقعہ ہوا ہی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ظاہرہ ام کلثوم کے نکاح کا یہ واقعہ شیعہ حضرات کے لیے بلائے بے درماں اور مصیبت عظمیٰ بن گیا ہے کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا تھا اس واقعہ نکاح سے مذہب شیعہ کی پوری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ اس طرح کے بحث اس مقالہ کے موضوع سے باہر ہیں اس لیے ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کریں گے۔ ناظرین میں سے جو حضرات اس موضوع پر تحقیق و تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہیں وہ نواب محسن الملک مرحوم کی ”آیات بینات“ حصہ اول میں اس نکاح کی بحث کا مطالعہ فرمالیں جو بڑے سائز کے پورے چالیس صفحات پر ہے۔ حق یہ ہے کہ

۱۔ یہ عجیب و غریب اور مضمک خیز دعویٰ شیعوں کے قطب الاقطاب قطب الدین راوندی صاحب نے کیا ہے اور ان کے مجتہد اعظم دیدار علی صاحب نے ”مواعظ حنیئہ“ میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (آیات بینات حصہ اول ص ۱۷۶)

۲۔ یہ موقف شیعوں کے دوسرے مجتہد اعظم سید محمد حائمی نے اختیار کیا ہے (آیات بینات حصہ اول ص ۱۳)

اللہ کے اس بندے نے (جو پہلے خود شیعہ اور شیعہ خاندان کا ایک فرد تھا) تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور شیعہ دنیا پر حجت تمام کر دی ہے۔ جزا اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ہم یہاں صرف کلینی کی "کجامع الکافی" سے (جو شیعہ حضرات کے نزدیک صحیح الکتاب ہے) اس نکاح سے متعلق ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کریں گے، اس روایت میں اس نکاح کے بارے میں امام جعفر صادق کا بیان ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نکاح یقیناً ہوا، اور حضرت علی مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ زہرا کی بیٹی ام کلثومؑ کے ساتھ ہوا لیکن شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت عمرؓ کو (معاذ اللہ) منافق و کافر اور دشمن خدا و رسول ماننے کی بنیاد پر اس نکاح کے بارے میں جو معذرت یا توجیہ امام جعفر صادق سے نقل کی گئی ہے، جیسا کہ ناظرین کرام محسوس کریں گے وہ انتہائی شرمناک ہے اور اس سے خود حضرت علی مرتضیٰ اور صاحبزادگان امام حسن و حسین کی شخصیتیں بھی سخت مجروح ہوتی ہیں اور ان پر ایسا الزام آتا ہے کہ اس سے زیادہ شرمناک الزام سوچا نہیں جاسکتا۔

۱۔ نواب محسن الملک مرحوم شیعہ خاندان اور گھرانے میں پیدا ہوئے، بڑے تعلیم حاصل کی، ان کی کتاب "آیات بنیات" علم میں ان کی بلند مقام کی شاہد ہے۔ وہ شیعہ ہی تھے، پھر ذاتی مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اہل سنت کا مذہب ہی حق ہے، چنانچہ اسی کو اختیار کر لیا اور اس کے نتیجہ میں خاندان سے کٹ گئے، مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر شیعوں کی ہدایت اور ان پر حجت تمام کرنے کے لیے "آیات بنیات" لکھی، جس نے فی الحقیقت شیعہ حضرات پر حجت حق تمام کر دی ہے۔ یہ کتاب تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں لکھی گئی تھی۔ اور پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ھ میں چھپی تھی۔

شیعوں کے رئیس المحدثین ثقہ الاسلام ابو جعفر یعقوب کلینی کی فروع کافی جلد دوم میں اس نکاح سے متعلق ایک مستقل باب ہے، جس کا عنوان ہے ”باب فی ترویج ام کلثوم“ (یعنی یہ باب ہے ام کلثوم کے نکاح کے بیان میں) اس باب میں امام جعفر صادق کے خاص شیعہ راوی جناب زرارہ سے روایت ہے، اور یہ باب کی پہلی روایت ہے۔

عن زرارة عن ابي عبد الله عليه السلام في ترويح

ام كلثوم فقال "ان ذالك فرج غصبناه" (فرع کافی جلد دوم)

ناظرین کرام میں جو حضرات عربی داں ہیں انھوں نے تو سمجھ لیا ہوگا کہ یہ جملہ جو زرارہ

صاحب نے امام جعفر صادق کا ارشاد بتا کر روایت کیا ہے (ذالك فرج غصبناه)

کس قدر شرمناک اور حیا سوز ہے جو ہرگز کسی شریف آدمی کی زبان سے نہیں نکل سکتا

نیز یہ کہ اس سے خود حضرت علی مرتضیٰ پر کتنا شدید الزام عائد ہوتا ہے اور معاذ اللہ وہ کس قدر

بزدل اور بے غیرت ثابت ہوتے ہیں۔ اور ناظرین میں جو حضرات عربی داں نہیں

ہیں ان کو سمجھانے کے لیے ٹھیک عوامی اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرنے سے توجہ

اور شرافت مانع ہے، تاہم ان کے لیے حتی الوسع محتاط اور مناسب الفاظ میں عرض

کیا جاتا ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ”عمر بن الخطاب کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح

شرعی قاعدہ کے مطابق ان کے والد اور شرعی ولی حضرت علی مرتضیٰ کی اور خود ام کلثوم

کی رضامندی سے نہیں ہوا تھا بلکہ (معاذ اللہ) عمر بن الخطاب نے اپنے دور خلافت

میں ان کو زبردستی حضرت علی سے چھین کے اور غاصبانہ قبضہ کر کے اپنے گھر میں بیوی

بنا کے رکھ لیا تھا یعنی جو کچھ ہوا با بکبر ہوا۔ استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کے ساتھ سیدہ طاہرہ ام کلثوم کا نکاح

چوں کہ ایسا واقعہ ہے جس سے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاروق اعظم کے درمیان

محبت و مودت کا ہونا اور فاروقِ اعظم کا مومن صادق ہونا آفتابِ نیروز کی روشنی کی طرح ثابت ہو جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا اس واقعہ سے مذہبِ شیعہ کی پوری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ اس لیے زرارہ نے (جو مذہبِ شیعہ کے خاص معماروں میں ہے اور شیعہ روایات کے بڑے حصہ کا وہی راوی ہے اور جو جانتا تھا کہ یہ نکاح ہوا ہے اور سیدہ طاہرہ ام کلثوم حضرت فاروقِ اعظم کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے انکی شہادت تک ان کے گھر میں رہیں اور ان کے بطن سے حضرت عمر کے ایک فرزند بھی پیدا ہوئے اس لیے وہ نکاح کا انکار نہیں کر سکتا تھا، لہذا اس نے) مذہبِ شیعہ کی عمارت کو انہدام سے بچانے کے لیے امام جعفر صادق کی طرف سے گھر کے شیعہ صاحبان کو یہ حدیثِ سنادی اور اس واقعہ کو تسلیم کر کے اس کی تاویل و توجیہ امام موصوف کی طرف نسبت کر کے بیان کر دی کہ یہ نکاح شرعی قاعدہ کے مطابق رضامندی سے نہیں ہوا تھا بلکہ (معاذ اللہ) ام کلثوم کو زبردستی چھین کے گھر میں رکھ لیا تھا۔ اس ظالم نے یہ نہیں سوچا کہ اس تاویل و توجیہ کو تسلیم کرنے کے نتیجہ میں حضرت علی مرتضیٰ پر کتنا شدید الزام عائد ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی کو جو سیدہ فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں اور اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ایک ایسے شخص نے جو زرارہ اور شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق منافق و کافر اور اس امت کا فرعون تھا ناجائز طور پر غصب کر کے اور زبردستی چھین کے بیوی بنا کے اپنے گھر میں رکھ لیا اور انھوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حالانکہ آپ فطری طور پر مثالی شجاع اور بہادر تھے، اسی لیے آپ کو "اسد اللہ" (شیر خدا) کہا جاتا ہے، آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار تھی، عصائے موسیٰ بھی تھا جو اژدہا بن جاتا تھا، حسنین و جوانِ صاحبزادے تھے، اس کے علاوہ ساتھ دینے کے لیے آپ کا قبیلہ بنی ہاشم موجود تھا اور ایسے معاملہ میں تو ہر شریف آدمی آپ کا ساتھ دیتا۔ ان سب باتوں کو پیش نظر

رکھنے کے بعد اس میں شہ نہیں رہتا کہ اس نکاح کے بارے میں "ذالک فرج غصبناہ" ہرگز امام جعفر صادق کا ارشاد نہیں ہے، یہ اُن پر جناب زرارہ کا اقرار ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے نکاح کیا تھا اور یہ اس کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ ان کو مومن صادق خلیفہ برحق مقبول بارگاہ خداوندی اور اس کا اہل سمجھتے تھے کہ اپنی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو ان کی زوجیت میں دیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عثمان کو مومن صادق اور اہل سمجھ کر اپنی صاحبزادیوں کا ان سے نکاح کیا اور دامادی کا شرف عطا فرمایا۔

اختصار کے ارادہ کے باوجود فاروق اعظم سے متعلق علامہ باقر مجلسی کی "زاد المعاد" کی روایت پر کلام طویل ہو گیا۔ اب دل پر جبر کر کے حضرات شیخین سے متعلق ایک روایت اور پڑھ لی جائے۔

شیخین سے متعلق خون کھولا دینے والی ایک روایت امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو شیخین کو قبروں سے کھالیں گے اور زندہ کر کے ہزاروں بار سولی پہ چڑھائیں گے

وہی علامہ باقر مجلسی جن کی کتاب "زاد المعاد" سے حضرت فاروق اعظم سے متعلق مندرجہ بالا شیعی روایت نقل کی گئی ہے، اُن ہی کی ایک کتاب "حق یقین" ہے، یہ بھی فارسی زبان میں خاصی ضخیم کتاب ہے (اور جیسا کہ پہلے ایک جگہ ذکر کیا جا چکا ہے) ختمی صاحب اپنی کتاب "کشف الاسرار" ص ۱۳۱ پر مجلسی صاحب کی عام فارسی تصانیف کی تعریف کرتے ہوئے اُن کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور خاص طور سے اس کتاب "حق یقین"

کی عبارتیں اپنے ایک دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ بہر حال اسی حق یقین میں مجلسی صاحب نے شیعوں کے خاص عقیدہ رجعت کے بیان میں امام جعفر صادق کے ایک خاص مرید مفصل بن عمر سے ایک بہت طویل روایت نقل کی ہے، اس میں امام جعفر صادق کی زبان سے امام غائب مہدی کے ظہور کا بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، روایت کی نوعیت یہ ہے کہ مفصل سوالات کرتے ہیں، اور امام جعفر صادق جواب دیتے ہیں۔ ہم اس روایت کے بیشتر حصہ کا عام فہم ترجمہ ہی یہاں نذر ناظرین کریں گے اور صرف اس حصہ کا فارسی متن بھی درج کریں گے جس میں (معاذ اللہ) شیخین کو قبروں سے نکال کے زندہ کر کے دنیا بھر کے گناہگاروں کے گناہوں کی سزا میں ہر روز ہزاروں بار سولی پر چڑھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان خرافات کا مطالعہ بھی سخت مجاہدہ ہے لیکن شیعیت کی حقیقت اور شیعی ذہنیت واقف کرانے کے لیے دل پر جبر کر کے اس کو لکھا جا رہا ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امام جعفر صادق نے بیان فرمایا کہ صاحب الامر (امام غائب) جب ظاہر ہوں گے تو پہلے مکہ معظمہ آئیں گے اور وہاں یہ اور وہ کریں گے آگے ناظرین روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں (ناظرین کی سہولت فہم کے لیے ایک حد تک آزاد ترجمہ کرنا مناسب سمجھا گیا ہے)

مفصل نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! صاحب الامر (امام مہدی) مکہ معظمہ کے بعد دوسرے کس مقام کا رخ کریں گے؟

آپ نے فرمایا کہ ہمارے نانا رسول خدا کے شہر مدینہ جائیں گے، وہاں ان سے ایک عجیب بات کا ظہور ہوگا جو مومنین کے لیے خوشی و شادمانی کا اور کافروں منافقوں کے لیے ذلت و خواری کا سبب بنے گی۔

مفصل نے پوچھا وہ عجیب بات کیا ہوگی؟ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب وہ

اپنے نانا رسول خدا کی قبر کے پاس پہنچیں گے تو وہاں کے لوگوں سے پوچھیں گے کہ لوگو بتلاؤ کیا یہ قبر ہمارے نانا رسول خدا کی ہے؟ لوگ کہیں گے کہ ہاں یہ انہی کی قبر ہے۔ پھر امام پوچھیں گے کہ یہ اور کون لوگ ہیں جو ہمارے نانا کے پاس دفن کر دیے گئے ہیں؟ لوگ بتلائیں گے کہ یہ آپ کے خاص مصاحب ابوبکر اور عمر ہیں۔ حضرت صاحب الامر (امام مہدی) اپنی سوچی سمجھی پالیسی کے مطابق (سب کچھ جاننے کے باوجود) ان لوگوں سے کہیں گے کہ ابوبکر کون تھا؟ اور عمر کون تھا؟ اور کس خصوصیت کی وجہ سے ان دونوں کو ہمارے نانا رسول خدا کے ساتھ دفن کیا گیا؟ لوگ کہیں گے کہ یہ دونوں آپ کے خلیفہ اور آپ کی بیویوں (عائشہ و حفصہ) کے والد تھے، اس کے بعد جناب صاحب الامر فرمائیں گے کہ کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس کو اس باپے میں شک ہو کہ یہی دونوں یہاں مدفون ہیں؟ لوگ کہیں گے کہ کوئی ایسا نہیں ہے جس کو اس باپے میں شک شبہ ہو، سب یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس یہی دو بزرگ مدفون ہیں۔

پھر تین دن کے بعد صاحب الامر حکم دیں گے کہ دیوار توڑی جائے اور ان دونوں کو ان کی قبروں سے باہر نکالا جائے۔ چنانچہ دونوں کو قبروں سے نکالا جائے گا، ان کا جسم تازہ ہوگا اور صوف کا وہی کفن ہوگا جس میں یہ دفن کیے گئے تھے۔ پھر آپ حکم دیں گے کہ ان کا کفن الگ کر دیا جائے (ان کی لاشوں کو برہنہ کر دیا جائے) اور ایک بالکل سوکھے درخت پر لٹکا دیا جائے۔ اُس وقت مخلوق کے امتحان و آزمائش کے لیے یہ عجیب واقعہ ظہور میں آئے گا کہ وہ سوکھا درخت جس پر لاشیں

لٹکانی جائیں گی، ایک دم سرسبز ہو جائے گا، تازہ ہری پتیاں نکل آئیں گی
 اور شاخیں بڑھ جائیں گی، بلند ہو جائیں گی، پس وہ لوگ جو ان دونوں
 سے محبت رکھتے اور ان کو مانتے تھے (یعنی اہل سنت) کہیں گے کہ واللہ
 یہ ان دونوں کی عند اللہ مقبولیت اور عظمت کی دلیل ہے اور ان کی
 محبت کی وجہ سے ہم نجات کے مستحق ہوں گے۔ اور جب سوکھے
 درخت کے اس طرح سرسبز ہو جانے کی خبر مشہور ہوگی تو جن لوگوں کے دلوں
 میں ان دونوں کی ذرہ برابر بھی محبت و عظمت ہوگی وہ اس کو دیکھنے
 کے شوق میں دور دور سے مدینہ آجائیں گے۔ تو خواب قائم صلا اللہ
 کی طرف سے ایک منادی نداۓ گا اور اعلان کرے گا کہ جو لوگ ان
 دونوں (ابوبکر و عمر) سے محبت و عقیدت رکھتے ہوں وہ ایک طرف الگ
 کھڑے ہو جائیں۔ اس اعلان کے بعد لوگ دو گھنٹوں میں بٹ جائیں گے۔
 ایک گروہ ان دونوں سے محبت کرنے والوں کا ہوگا اور دوسرا ان پر بغت
 کرنے والوں کا۔ اس کے بعد صاحب الامران لوگوں سے جو ان دونوں
 سے محبت کرنے والے ہوں گے (یعنی سنیوں سے) مخاطب ہو کر فرمائیں گے
 کہ ان دونوں سے بیزاری کا اظہار کرو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو تم پر ابھی
 خدا کا عذاب آئے گا۔ وہ لوگ جواب دیں گے کہ جب ہم ان کی عند اللہ
 مقبولیت کے بارے میں پوری طرح جانتے بھی نہیں تھے، اس وقت بھی
 ہم نے ان سے بیزاری کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ تو اب جبکہ ہم نے ان کے
 مقرب اور مقبول بارگاہ خداوندی ہونے کی علامت آنکھوں سے دیکھ لی
 تو ہم کیسے ان سے بیزاری کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ بلکہ اب ہم تم سے
 بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور ان سب لوگوں سے جو تم پر ایمان لائے، اور

جہنوں نے تمہارے کہنے سے ان بزرگوں کو قبروں سے نکال کر ان کے ساتھ توہین و تذلیل کا یہ معاملہ کیا۔ ان لوگوں کا یہ جواب سن کر امام مہدی کالی آندھی کو حکم دیں گے کہ وہ ان لوگوں پر چلے اور ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ پھر امام مہدی حکم دیں گے کہ ان دونوں (ابوبکر و عمر) کی لاشوں کو درخت سے اتارا جائے، پھر ان دونوں کو قدرت الہی سے زندہ کر دیں گے۔

وام فرمایہ خلافت را کہ سہ جمع شوند
اور حکم دیں گے کہ تمام مخلوق جمع ہو
پس ہر ظلم و کفر کے ازا دل عالم
پھر یہ ہو گا کہ دنیا کے آغاز سے اس کے
ختم تک جو بھی ظلم اور جو بھی کفر ہوا
تا آخر شد گناہش را برابر ایشاں لانا
اس سب گناہ ان دونوں پر لازم
آورد، و زدن سلمان فارسی و
کیا جائے گا اور انہی کو اس کا زرد
آتش افروختن بدرخواستہ امیر المؤمنین
را و فاطمہ حسن و حسین را برائے
قرار دیا جائے گا۔ (خاص کر)
سلمان فارسی کو پیٹنا اور امیر المؤمنین
اور فاطمہ زہرا اور حسن و حسین کو جلا
دینے کے لیے ان کے گھوکے دروازے
میں آگ لگانا اور امام حسن کو
زہر دینا اور حسین اور ان کے بچوں
اور حجازی بھائیوں اور ان کے
ساتھیوں مددگاروں کو کر بلا میں
قتل کرنا، اور رسول خدا کی اولاد
کو قید کرنا اور ہر زمانے میں آلِ محمد

را و فاطمہ حسن و حسین را برائے
قرار دیا جائے گا۔ (خاص کر)
سلمان فارسی کو پیٹنا اور امیر المؤمنین
اور فاطمہ زہرا اور حسن و حسین کو جلا
دینے کے لیے ان کے گھوکے دروازے
میں آگ لگانا اور امام حسن کو
زہر دینا اور حسین اور ان کے بچوں
اور حجازی بھائیوں اور ان کے
ساتھیوں مددگاروں کو کر بلا میں
قتل کرنا، اور رسول خدا کی اولاد
کو قید کرنا اور ہر زمانے میں آلِ محمد

کا خون بہانا اور ان کے علاوہ جو

بھی ناحق خون کیا گیا ہو اور کسی

عورت کے ساتھ جہاں کہیں بھی

زنا کیا گیا ہو، اور جو سود یا جو بھی

حرام کا مال کھایا گیا ہو اور جو بھی

گناہ اور جو ظلم و ستم قائم آل محمد

(یعنی امام غائب مہدی) کے ظہور

تک دنیا میں کیا گیا ہو، اس سب کو

ان دونوں کے سامنے گنا یا جائے گا

اور پوچھا جائے گا کہ یہ سب کچھ تم

اور تمہاری وجہ سے ہوا ہے؟ وہ

دونوں اقرار کریں گے (کہ ہاں ہماری

ہی وجہ سے ہوا) کیونکہ اگر (رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے

بعد) پہلے ہی دن خلیفہ حق (علی

کا حق یہ دونوں مل کر غضب کرنے

توان گناہوں میں سے کوئی بھی

نہ ہوتا۔ اس کے بعد صاحب الامر

حکم فرمائیں گے کہ جو لوگ حاضر و موجود

ہیں وہ ان دونوں سے قصاص لیں

اور ان کو سزا دی جائے۔ پھر

آل محمد ہمد را بایشان بشمارد کہ

از شمشادہ و ایشان اعتراف کنند

زیرا کہ اگر در روز اول غضب حق

خلیفہ حق نمی کردند اینہا نے شد

پس امر فرماید کہ از برائے مظلوم

ہر کہ حاضر باشد از ایشان قصاص

نمایند پس ایشان را بفرماید کہ از

درخت برکشند و کشتے را فرماید کہ

از زمین بیرون آید و ایشان را

بسوزاند با درخت، و باوے را

فرماید کہ خاکستر ایشان را بدریا یا

پاشد، مفصل گفت اے سید من

ایں آخر عذاب ایشان خواهد بود؛

فرمود کہ مہمات اے مفصل !

واللہ کہ سید اکبر محمد رسول اللہ و

صدیق اکبر امیر المؤمنین و فاطمہ زہرا

و حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا و

جمع ائمہ ہدیٰ ہمگی زندہ خواہند

شد و ہر کہ ایمان محض خالص داشتہ

و ہر کہ کافر محض بودہ ہمگی زندہ خواہند

شد و از برائے جمع ائمہ و مومن

ایشاں را عذاب خواہند کرد حتی
آنکہ در شبانہ روزے ہزار مرتبہ
ایشاں را بکشد و زندہ کنند
پس خدا ہر جا کہ خواہد ایشاں را
ببرد و مغرب گرداند۔
حق یقین ہے (در بیان رحمت)
پر چھڑک دے۔ مفصل نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ ان لوگوں کو آخری
عذاب ہوگا؟۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے مفصل ہرگز نہیں۔ خدا کی
قسم سید اکبر محمد رسول اللہ اور صدیق اکبر امیر المومنین (علی) اور سیدہ فاطمہ
زہرا اور حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا، اور تمام ائمہ معصومین سب زندہ
ہوں گے اور جو خالص مومن ہوں گے اور جو خالص کافروں کے سب زندہ
کیے جائیں گے اور تمام ائمہ اور تمام مومنین کے حساب میں ان دونوں کو غذا
دیا جائے گا یہاں تک کہ دن رات میں ان کو ہزار مرتبہ مار ڈالا
جائے گا اور زندہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد خدا جہاں چاہے گا
ان کو لے جائے گا اور عذاب دیتا ہے گا۔



ازواج مطہرات کی نشان میں

حضرات شیخین اور ان کے رفقا دیگر اکابر صحابہ سے متعلق جو شیعی روایات (قریباً چالیس صفحات میں) یہاں تک ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں، وہ یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر ابتداء ہی میں لبیک کہنے والے اور اللہ اور اس کے دین کے راستہ کی مصیبتوں میں آپ کا پورا ساتھ دینے والے اور اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے ان سابقین اولین کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ اور رویہ کیا ہے۔ اب ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اس کے بعد عام صحابہ کرام کے بارے میں ایک دو روایتیں اور پیش کر کے اس موضوع کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

معلوم ہے کہ قرآن مجید میں سورہ احزاب کے آغاز ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے تعلق کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، "الَّتِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُمْ" اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو "مؤمنین" کی مائیں بتلایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق اور رشتہ سے آپ کی ازواج مطہرات کی وہ عظمت ہونی چاہیے جو ماؤں کی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ادب و احترام کا رویہ رہنا چاہیے، وہ ایمان کے رشتہ سے اہل ایمان کی مقدس مائیں ہیں جو خون کے رشتہ سے بدرجہا زیادہ احترام کا مستحق ہے۔ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ چونکہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی صاحبزادیاں ہیں اس لیے ان کے ساتھ بھی شیعہ صاحبان کو وہی عداوت ہے۔

حضرات شیخین کے ساتھ ہے اور ان کی روایات میں ان مطہر و مقدس ماؤں کے لیے بے تکلف منافقہ و کافرہ جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان پر وہ سنگین ترین تہمتیں لگائی گئی ہیں جو اس کی دلیل ہیں کہ ان کے تراشے والے اور بیان کرنے والے، ایمان ہی سے نہیں انسانیت اور اس کے خاص امتیاز جو عقل سے بھی محروم ہیں۔

(معاذ اللہ) حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ منافقہ تھیں انھوں نے حضورؐ کو زہر دے کے ختم کیا

وہی علامہ باقر مجلسی جن کی دو کتابوں (زاد المعاد اور حق لیقین) سے مندرجہ بالا دو روایتیں نذر ناظرین کی گئی ہیں، ان کی ایک تیسری کتاب "حیات القلوب" ہے، یہ ان کی اہم تصانیف میں سے ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں، اس کی جلد دوم کے صفحہ ۴۲ پر ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان ہے۔

باب پنجاہ و پنجم در بیان احوال باب ۵۵ عائشہ و حفصہ کے
شقاوت مآل عائشہ و حفصہ بدخجائے حالات کے بیان میں

اس باب میں اور کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی ان دونوں امہات المؤمنین کو مجلسی نے بار بار منافقہ لکھا ہے۔ پھر اسی کتاب کی اسی جلد میں آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں لکھا ہے۔

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق اور عیاشی نے معتبر سند سے امام
روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ جنہما دے زہر کیا ہے کہ عائشہ
آنحضرت را زہر شہید کردند (منہ) و حفصہ نے آنحضرت کو زہر دیکر شہید کیا تھا۔

اور اسی کتاب کی اسی جلد میں مجلسی صاحب نے اپنے اسلاف علی بن ابراہیم اور عیاشی کی روایت سے یہ خرافاتی کہانی بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو رازداری کے ساتھ بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے بتلایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر ظالمانہ طور پر خلیفہ ہو جائیں گے، اور ان کے بعد تھاکے والد عمر خلیفہ ہوں گے اور آپ نے تاکید کی تھی کہ وہ راز کی یہ بات کسی کو نہ بتلائیں، لیکن حفصہ نے عائشہ سے ذکر کر دیا، انھوں نے اپنے والد ابوبکر کو بتلادیا، انھوں نے عمر سے کہا کہ حفصہ نے عائشہ کو یہ بات بتلائی ہے۔ انھوں نے اپنی بیٹی حفصہ سے پوچھا، اس نے پہلے تو بتلانا نہ چاہا لیکن آخر میں بتلادیا کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ سے فرمائی تھی۔ آگے مجلسی نے لکھا ہے۔

پس اس دو منافق و آں دو منافق	پس ان دونوں منافقوں (ابوبکر
بایک دیگر اتفاق کردند کہ آنحضرت	و عمر) اور دونوں منافقات (عائشہ
را بہ زہر شہید کنند	و حفصہ) نے اس بارے میں اتفاق
۴۲۵	کر لیا کہ آنحضرت کو زہر دیکر شہید کر دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان خرافات کا پڑھنا اور لکھنا بڑا اذیت ناک اور تکلیف دہ کام ہے لیکن ناواقف اہل سنت کو شیعیت کی حقیقت اور شیعہ عقائد و نظریات سے واقف کرانا اپنا فرض سمجھ کر یہ تکلیف برداشت کی جا رہی ہے۔

(معاذ اللہ) تین کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے

یہاں تک جو شیعہ روایات پیش کی گئیں ان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ ہزار

شیخین و ذوالنورین اور ان کے خاص رفقا اکابر صحابہ کے بارے میں نیز اہل المؤمنین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں شیعہ حضرات کے اکابر مجتہدین و مصنفین نے کیا کیا تحریر فرمایا ہے اور ان کے بارے میں کسی کسی خلافاتی روایات اپنے ائمہ معصومین کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کر حضرات خلفائے ثلاثہ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) البوجہل والواجہل سے بھی بدرجہ کے کافر ہیں۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب ہم صرف ایک اور روایت اس سلسلہ میں نذر ناظرین کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ اس روایت میں بتلایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ (معاذ اللہ) زندہ ہو گئے۔ صرف تین آدمی وہ تھے جو مرتد نہیں ہوئے۔ کتاب الروضہ میں امام باقر سے روایت ہے۔

قال کان الناس اهل انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ

ردۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے

والہ الا ثلثۃ، فقلت بعد سب لوگ مرتد ہو گئے، سوائے

ومن الثلثۃ؟ فقال المقداد تین کے، (راوی کہتا ہے) میں نے

بن الاسود وابوذرقفاری عرض کیا کہ وہ تین کون تھے؟

وسلمان الفارسی رحمة تو امام باقر نے فرمایا مقداد بن الاسود

اللہ علیہم وبرکاتہ۔ اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی

(فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۱۵) ان پر اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضرات خلفائے ثلاثہ اور دیگر خواص و عوام صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے بارے میں یہ شیعہ عقائد و نظریات "عقیدہ امامت" کے لازمی اور بدیہی نتائج ہیں۔ آگے ہم مذہب شیعہ کے چند اور اہم مسائل کا ذکر کریں گے جو اس عقیدہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں۔

کتمان اور تقیہ

مذہب شیعہ کی اصولی تعلیمات میں کتمان اور تقیہ بھی ہیں۔ کتمان کا مطلب ہے اپنے اصل عقیدہ اور مذہب مسلک کو چھپانا اور دوسروں پر ظاہر نہ کرنا۔ اور تقیہ کا مطلب ہوتا ہے اپنے قول یا عمل سے واقعہ اور حقیقت کے خلاف یا اپنے عقیدہ و فہم اور مذہب مسلک کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسروں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنا۔ آگے مذہب شیعہ کی مسلم و مستند روایتوں سے کتمان اور تقیہ سے متعلق ان کے ائمہ معصومین کے جو ارشادات اور واقعات پیش کیے جائیں گے ان سے ان کی پوری حقیقت ناظرین کے سامنے آجائے گی۔ یہ دونوں بھی عقیدہ امامت کے لوازم و نتائج میں سے ہیں۔ اسی لیے یہ شیعہ مذہب کی خصوصیات میں سے ہیں۔ جہاں تک راقم سطور کا مطالعہ اور علم ہے دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں اس کتمان اور تقیہ کی تعلیم نہیں دی گئی ہے جو مذہب شیعہ کی اصولی تعلیمات میں سے ہے اور جو شیعہ حضرات کے نزدیک زندگی بھر ائمہ معصومین کا معمول رہا ہے۔

کتمان اور تقیہ کی تصنیف کس ضرورت سے؟

یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلم ہے جس سے کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکریؑ تک کسی بھی امام نے مسلمانوں کے کسی بڑے اجتماع میں نہ کبھی حج کے موقع پر جو مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور پورے عالم اسلامی سے مسلمان اُس میں آتے ہیں، اور اسی طرح نہ کبھی عیدین یا جمعہ کے جمع میں جس میں علاقہ اور شہر کے

مسلمان جمع ہوتے ہیں، اور نہ ان کے علاوہ مسلمانوں کے کسی بھی ایسے اجتماع میں امامت کا وہ مسئلہ بیان کیا جو شیعہ مذہب میں عقیدہ توحید و رسالت ہی کی طرح دین کی بنیاد اور شرط نجات ہے اور وہی مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے۔ اسی طرح ان میں سے کسی نے ایسے کسی اجتماع میں اپنی امامت کا دعویٰ بھی نہیں کیا اور عام مسلمانوں کو اس کے قبول کرنے اور اس کی بنیاد پر بیعت کرنے کی دعوت نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس خود حضرت علی مرتضیٰ کا طرز عمل خلفائے ثلاثہ کے ۲۳ سالہ دورِ خلافت میں یہ رہا کہ دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، ان کی بیعت بھی کی اور سب نے یہی دیکھا کہ وہ بظاہر اخلاص اور سچائی کے ساتھ ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ اسی طرح ان کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کبھی کسی مجمع میں اپنی امامت کا دعویٰ اور اعلان نہیں کیا اور خود ان کے پیچھے اور ان کے مقرر کیے ہوئے ائمہ کے پیچھے سب کے سامنے نمازیں پڑھتے رہے۔ یہی رویہ اثنا عشریہ کے باقی تمام ائمہ کا۔ چوتھے امام علی بن الحسین (زین العابدینؑ) سے لے کر گیارہویں امام حسن عسکری تک سب کا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تہنہ یہی واقعہ اور ان تمام ائمہ کا یہ مسلسل طرز عمل مذہب اثنا عشری کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کے باطل اور بے اصل ہونے کی ایسی روشن و قہرمانی دلیل اور شہادت تھی اور ہے کہ اس سے زیادہ روشن دلیل اور شہادت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

راقم سطو نے کتب شیعہ کے مطالعہ سے کتمان اور تقیہ کی تصنیف و ایجاد کے بارے میں جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کے فیض یافتہ کوفہ کے جن لوگوں نے پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی کے نصف اول میں (یعنی

امام باقر اور امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں شیعہ مذہب تصنیف کیا یا کہا جائے کہ اس کی بنیاد ڈالی، انھوں نے اس ناقابل تردید دلیل اور شہادت کی زد سے عقیدہ امامت اور شیعہ مذہب کو بچانے کے لیے یہ دو عقیدے تصنیف کیے۔ ایک کتمان، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اے ان ائمہ کو خود اللہ و رسول کا یہ حکم تھا کہ عقیدہ امامت کا اظہار نہ کریں، اس کو چھپائیں، اس لیے انھوں نے امامت کا عقیدہ عام مسلمانوں کے سامنے اور مجامع میں بیان نہیں فرمایا، اور دوسرا حکم ان کو تقیہ کا تھا اس کی وجہ سے وہ تمام عمر اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف عمل کرتے رہے بہر حال عقیدہ امامت کو تمام ائمہ کے اس مسلسل طرز عمل کی زد سے بچانے کی ضرورت سے یہ دونوں عقیدے تراشے گئے۔ اسی لیے راقم سطو نے عرض کیا تھا کہ یہ دونوں بھی عقیدہ امامت ہی کے لوازم و نتائج میں سے ہیں۔ اب دونوں کے بارے میں ناظرین کرام ائمہ معصومین کے ارشادات اور واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

کتمان کے بارے میں ائمہ معصومین کا ارشاد اور عمل:

اصول کافی میں ”باب الکتمان“ مستقل باب ہے، اس باب میں امام جعفر صادق کے خاص مرید اور راوی سلیمان بن خالد سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ۔

قال ابو عبد الله عليه السلام	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے سلیمان
يا سليمان انکم علی دین من	تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو
کنه اعزہ الله و من	چھپائے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
اذا عدا ذله الله	عزت عطا ہوگی اور جو اس کو ظاہر اور شائع
اصول کافی ص ۴۵۳	کرے گا اس کو اللہ ذلیل و رسوا کرے گا۔

اور اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر امام جعفر صادق کے والد ماجد امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے شیعیان خاص سے فرمایا۔

ان احب اصحابی الی اور عہم مجھے اپنے اصحاب میں (شاگردوں

واقفہم وکتہم لحدیثنا اور مریدوں میں) وہ شخص زیادہ

اصول کافی ص ۴۸۶ پیارا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، دین

کو زیادہ سمجھنے والا ہو، اور ہماری باتوں کو زیادہ چھپانے والا اور راز میں رکھنے والا ہو۔

اور اسی اصول کافی میں امام جعفر صادق کا مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا گیا ہے جو کتمان کی بھی مثال ہے اور تقیہ کی بھی۔

عن سعید التمان قال سعید تمان سے روایت ہے کہ

كنت عند ابي عبد الله ایک دن میں امام جعفر صادق کی

اذ دخل عليه رجلان خدمت میں حاضر تھا کہ فرقہ زید

من الزيدية فقال له کے دو آدمی آئے اور انھوں نے

افیکہ امام مفتض الطلعة؟ جہاں امام سے کہا کہ کیا آپ لوگوں میں

لہ "زید" بھی شیعوں ہی کا ایک فرقہ ہے، حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر چوتھے امام علی بن الحسین

(زین العابدین) تک کی امامت پر ان کے اور اثنا عشریہ کے درمیان اتفاق ہے۔ امام زین العابدین

کے بعد اثنا عشریہ ان کے بیٹے امام باقر کو امام مانتے ہیں اور ان کے بعد انہی کی اولاد میں سات اور امام

مانتے ہیں۔ اور "زید" امام زین العابدین کے دوسرے بیٹے زید شہید کو امام مانتے ہیں

اور آگے ان ہی کی اولاد اور نسل میں امامت کا سلسلہ جاری رہنے کے قائل ہیں۔ نیز ان دونوں

کے درمیان امام کی شان اور مقام و مرتبہ کے بارے میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

کوئی (اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا)

امام ہے جس کی اطاعت فرض ہو؟

تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ نہیں

(ہم میں کوئی بھی ایسا امام نہیں ہے)

تو ان دونوں نے کہا کہ ہم کو تو کھڑا

باے میں ایسے لوگوں نے بتلایا ہے

جو ثقہ اور قابل اعتماد ہیں کہ تم یہ بات

کہتے ہو اور اس کا اقرار کرتے ہو اور

اس کا فتویٰ دیتے ہو اور ہم آپ کو

اُن کا نام بتلاتے ہیں وہ فلاں اور فلاں ہیں اور وہ پرہیزگار اور سنجیدہ لوگ

ہیں اور جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں (ان کی یہ بات سن کر) امام جعفر صادق

غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے تو ان لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا۔

اس واقعہ میں امام جعفر صادق نے کتمان پر بھی عمل کیا کہ اپنی امامت کے مسئلہ

کو چھپایا جو عقیدہ توحید و رسالت کی طرح جزو ایمان ہے اور تقیہ سے بھی کام لیا کہ صاف

فرمایا کہ یہاں ہم میں کوئی امام مقرر نہیں ہے۔ حالانکہ اس موقع پر اس

اخفا اور غلط بیانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی، یہ دونوں آدمی جو فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے

تھے، پردیسی تھے، کوفہ سے آئے تھے اور امام جعفر صادق اپنے گھر پر مدینہ منورہ میں تھے،

اگر ان کے سامنے صحیح بات ظاہر کر دی جاتی تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اب ناظرین

تقیہ کے بارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال فقال لا، قال فقالا

له قد اخبرنا عنك الثقات

انك تغتبي وتقر وتقول به

ونسئهم لك فلان و

فلان وهم اصحاب وزع

وتضمير وهم ممن لا

يكذب، فغضب ابو عبد الله

وقال ما امرتهم بهذا الخ

(اصول کافی ص ۱۴۲)

تقیہ کے بارے میں ائمہ کا ارشاد اور عمل:

اصول کافی میں تقیہ کا بھی مستقل باب ہے۔ اسی باب میں روایت ہے۔

عن ابی عمیر الاعمی قال
قال لی ابو عبد اللہ علیہ
السلام یا ابا عمیر تسعة
اعشار الدین فی التقیہ
ولادین لمن لا تقیہ لہ

ابو عمیر اعمی راوی ہیں کہ امام جعفر
صادق نے مجھ سے فرمایا اے ابو عمیر دین
کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ
میں ہیں، اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ
بے دین ہے۔

اصول کافی ص ۴۲۲

آگے اسی باب میں روایت ہے۔

عن حبیب بن بشر قال
ابو عبد اللہ علیہ السلام
سمعت ابی یقول لا واللہ
ما علی وجه الارض شیء
احب الی من التقیہ یا
حبیب انہ من کانت لہ
تقیہ رفعہ اللہ یا حبیب
من لم تکن لہ تقیہ
وضعہ اللہ۔

حبیب بن بشر راوی ہیں کہ امام جعفر
صادق نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد (امام)
باقی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے ”یوئے
زمین پر کوئی چیز بھی مجھے تقیہ سے
زیادہ محبوب نہیں ہے، آگے امام جعفر
صادق فرماتے ہیں (اے حبیب جو شخص
تقیہ کرے گا اللہ اس کو رفعت اور
بلندی عطا فرمائے گا اور جو تقیہ
نہیں کرے گا اس کو اللہ پستی
میں گرائے گا۔

اصول کافی ص ۴۸۳

اسی باب میں اس سے اگلے صفحہ پر روایت ہے۔

قال ابو جعفر عليه السلام
التقية من دینی و دین
امام باقر نے فرمایا کہ تقیہ میرا دین
ہے اور میرے آباؤ اجداد کا دین
ابائی و لا ایمان لمن
ہے، اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا
لا تقیۃ لہ۔ (اصول کافی ص ۴۸)

تقیہ کی ایک تاویل اور اس کی حقیقت :

معلوم ہوا ہے کہ شیعوں صاحبانِ ناواقفوں کے سامنے تقیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں تقیہ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب کہ جان کا خطرہ ہو یا ایسی ہی کوئی شدید مجبوری ہو۔ حالانکہ شیعی روایات میں ائمہ معصومین کے ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں کہ بغیر کسی مجبوری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خطرہ کے انھوں نے تقیہ فرمایا اور کھلی غلط بیانی کی یا اپنے غل سے لوگوں کو دھوکا اور فریب دیا۔ اس قسم کا امام جعفر صادق کا ایک واقعہ بھی اصول کافی ہی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے اور انشاء اللہ چند واقعات اور بھی اس سلسلہ کے نذر ناظرین کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ تقیہ ہی کے باب میں اسی اصول کافی میں یہ صریح روایت موجود ہے جس کے بعد اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

عن زرارۃ عن ابی جعفر
علیہ السلام قال التقیۃ فی
کل ضرورۃ و صاحبہا علم
بہا حین تنزل بہ۔
زرارہ، امام باقر سے روایت کرتے
ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تقیہ ہر ضرورت
میں کیا جائے، اور صاحبِ معاملہ
ہی اپنی ضرورت کے بارے میں زیادہ جانتا
ہے (یعنی ضرورت وہ ہے جس کو
صاحبِ معاملہ ضرورت سمجھے۔)

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تقیہ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب جان جانے کا خطرہ ہو یا ایسی ہی کوئی شدید مجبوری ہو، بلکہ معاملہ ہر شخص کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی اپنی کسی مصلحت سے تقیہ کی ضرورت سمجھے تقیہ کر سکتا ہے۔

تقیہ صرف جائز نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے :

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں تقیہ صرف جائز نہیں ہے بلکہ ضروری اور جزو دین و ایمان ہے جیسا کہ مندرجہ بالا روایات سے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور من لا یحضرہ الفقیہ میں (جو حضرات شیعہ کے اصول اربعہ میں سے ہے) روایت ہے کہ۔

قال الصادق علیہ السلام	امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد
لو قلت ان تارك التقية	فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ تقیہ ترک
کتارک الصلوة لکنتم حادقا	کرنے والا ایسا ہی (گنہگار) ہے
وقال علیہ السلام لا دین	جیسا کہ نماز کا ترک کرنے والا تو میری
لمن لا تقیہ له۔	یہ بات صحیح اور سچ ہوگی اور آپ نے
(من لا یحضرہ الفقیہ۔ بحوالہ	یہ بھی فرمایا کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ
تکملہ باقیات صالحات ص ۲۱۶)	بے دین ہے۔

بالکل بے ضرورت ائمہ کے تقیہ کی مثالیں :

”الجامع الکافی“ کے آخری حصہ کتاب الروضہ میں ایک روایت ہے اس کے راوی اور صاحب واقعہ امام جعفر صادق کے ایک مخلص مرید محمد بن مسلم ہیں، وہ بیان

کرتے ہیں کہ

میں ایک دن امام جعفر صادق

علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اُس

وقت اُن کے پاس ابوحنیفہ بھی بیٹھے

تھے، میں نے (امام جعفر صادق سے)

عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں

میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے

اھوں نے فرمایا ابن مسلم! اپنا خواب

بیان کرو، خوابوں کی تعبیر کا علم

رکھنے والے ایک عالم اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے ابوحنیفہ کی

طرف اشارہ کیا (کہ یہ ہیں)

آگے محمد بن مسلم راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنا خواب بیان کیا.... اس کو

سن کر ابوحنیفہ نے اس کی تعبیر بتلائی۔ ان کی تعبیر سن کر امام جعفر صادق نے فرمایا۔

خدا کی قسم اے ابوحنیفہ آپ نے بالکل

صحیح کہا! (راوی ابن مسلم کہتے ہیں کہ

اسکے بعد ابوحنیفہ اُن کے پاس سے چلے گئے

تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں

اس ناہشی کی تعبیر مجھے اچھی نہیں

دخلت علی ابی عبد اللہ

علیہ السلام وعندہ ابوحنیفہ

فقلت له جعلت فداک

رایت رؤیا عجیبة فقال

یا ابن مسلم ہاتھافان

العالم بہا جالس وادعی

بیدہ الی ابی حنیفہ۔

اصبت واللہ یا ابا حنیفہ

قال ثم خرج ابوحنیفہ من

عندہ فقلت له جعلت فداک

انی کرہت تعبیر ہذا لانا ص

فقال یا ابن مسلم لا یسوءک

۱۔ "ناصبی" شیوہ حضرات کی خاص زبان میں ایک مذہبی گالی ہے، ان کے نزدیک ہر وہ شخص

ناصبی ہے جو حضرات شیخین کو خلیفہ برحق مانتا ہو اور شیوہ حضرات، حضرت علی مرتضیٰ کے لیے جس طرح

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

لگی۔ تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ

اے ابن مسلم تمہیں اس سے رنجیدہ

اور فکر مند نہیں ہونا چاہیے، ہماری

تعبیر ان لوگوں کی تعبیر سے مختلف

ہوتی ہے۔ اور ابو حنیفہ نے جو تعبیر

بیان کی وہ صحیح تعبیر نہیں ہے۔

(ابن مسلم کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا

میں آپ پر قربان جاؤں پھر آپ نے

”أَصَبْتُ“ کہہ کر اور قسم کھا کے

ان کی تعبیر کی تصدیق اور تصویب کیوں کی؟ جبکہ ان کی تعبیر غلط تھی۔ امام نے

فرمایا کہ میں نے اس پر قسم کھائی تھی کہ ابو حنیفہ غلطی کو پہنچ گئے۔

آگے یہ روایت بہت طویل ہے، ہم نے صرف وہی حصہ نقل کیا ہے جس کا تعلق کے

فما یواطئ تعبیرنا تعبیر ہم

ولا تعبیر ہم تعبیرنا،

ولیس التعبير کما عبرہ

قال فقلت له جعلت

فداک فقولک اصبت

وتخلف علیہ وهو مخطئ

قال نعم حلفت علیہ

انه اصاب الخطا.... الخ

(کتاب الروضہ ص ۱۱)

(مفقودہ شذہ کا بقیہ کی امامت ثابت کرنے ہیں اس کا قائل نہ ہوا اگرچہ ان کو خلیفہ راشد برحق ماننا

ہو جیسا کہ عام اہل سنت کا عقیدہ اور حال ہے۔ اسی لیے ابن مسلم نے امام جعفر صادق کے

سامنے امام ابو حنیفہ کو ”ناصبی“ کہا۔ علامہ مجلسی نے ”حق الیقین“ کے باب صفت اہل جہنم

میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آخرت میں ناصبیوں کا انجام وہی

ہوگا جو کافروں کا ہوگا، یعنی وہ بھی دوزخ کے ابدی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

(حق الیقین ص ۲۵ طبع ایران)

اور کلینی کی کتاب الروضہ میں امام باقر کی روایت ہے کہ ناصبی کے حق میں کسی کی شفاعت بھی

قبول نہ ہوگی۔ (کتاب الروضہ ص ۴۹)

موضوع سے تعلق ہے، نیز بے ضرورت طوالت سے بچنے ہی کے لیے ابن مسلم کے خواب اور اس کی تعبیر کا بھی ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا بھی تفسیر کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ روایت میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ اس کی کھلی مثال ہے کہ شیعہ حضرات کے ”ائمہ معصومین“ بالکل بے ضرورت بھی تفسیر یعنی غلط بیانی کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے تھے۔ اپنے مرید خاص ابن مسلم سے انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں کہا کہ ان کے سامنے خواب بیان کرو یہ فن تعبیر رویا کے خاص عالم ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے چلے جانے کے بعد ان کے بائے میں جو کچھ کہا اس سے معلوم ہو گیا کہ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں جو کچھ کہا تھا وہ دانستہ غلط بیانی تھی اور بالکل بے ضرورت تھی۔ اسی طرح ان کی بیان کی ہوئی خواب کی تعبیر پڑھنا صحت والہ یا اباحنیفہ“ فرمانا بھی، دانستہ اور بالارادہ غلط بیانی تھی اور بعد میں اس کی جو تاویل کی وہ اس کی دلیل ہے کہ یہ ائمہ قطعاً اس لائق نہیں تھے کہ ان کی بات کا اعتبار کیا جائے۔ اگر یہ کسی عدالت میں شہادت دینے کے لیے جاتے اور ان کے متعلق ثابت ہو جاتا کہ یہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں تو ہرگز ان کی شہادت قابل اعتبار نہ سمجھی جاتی۔

اللہ کی پناہ! دینی مسائل کے بیان میں بھی تفسیر:

کتب شیعہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ائمہ معصومین صرف دنیوی معاملہ ہی میں تفسیر نہیں کرتے تھے بلکہ دینی مسائل و احکام کے بیان میں بھی تفسیر کرتے اور

لے کیونکہ امام جعفر صادق کو امام ابوحنیفہؒ سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا وہ کوفہ کے رہنے والے پر دہی تھے اور خود حکومت کے متوہین میں سے تھے، اسی لیے جیل میں ڈالے گئے اور مدت تک جیل میں رہے۔

بالا ارادہ اللہ کے بندوں اور اپنے معتقدوں کو غلط مسائل بتلاتے تھے اور یہ اتفاقہ نہیں بلکہ ان کا عام معمول تھا۔ اصول کافی کتاب العلم میں یہ روایت ہے۔

عن زرارة بن اعين عن

ابي جعفر قال سألتہ

عن مسئلة فاجابني ثم

جاء رجل فسأله عنها

فاجابه بخلاف ما اجابني

ثم جاء اخر فاجابه بخلاف

ما اجابني واجاب صاحبی

فلما خرج الرجلان قلت

يا ابن رسول الله رجلان

من اهل العراق من

شيعتكم قد مايسلان

فاجبت كل واحد منهما

بغير ما اجبت به صاحبه

فقال يا زرارة ان هذا

خير لنا والبقی لنا ولكم و

لواجمعتم علی امر واحد

لصدقکم الناس علینا و

لکان اقل لبقاتنا وبقائکم

ثم قال قلت

زراره ابن اعین کی روایت ہے کہ

میں نے امام باقر سے ایک مسئلہ

دریافت کیا انھوں نے مجھے جواب دیا

اور مسئلہ بتلادیا۔ اس کے بعد اسی نشست

میں ایک اور آدمی آیا اور اس نے

بھی امام باقر سے وہی مسئلہ پوچھا، تو

انھوں نے اس کو اس سے مختلف جواب

دیا جو مجھ کو دیا تھا۔ پھر ایک اور

آدمی آگیا (اور اس نے بھی وہی مسئلہ

پوچھا) تو امام حسن نے اس کو اس سے

مختلف جواب دیا جو مجھ کو اور میرے بعد

سوال کرنے والے آدمی کو دیا تھا۔

پھر جب یہ دونوں آدمی چلے گئے تو

میں نے حضرت امام سے عرض کیا کہ

اے رسول خدا کے فرزند عراق کے رہنے

والے دو آدمی جو آپ اہل بیت کے

شیعوں میں سے تھے وہ آئے اور ان

دونوں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا

اپنے دونوں کو مختلف جواب دیا

لا بی عبد اللہ شیعتکم لو حملتموہم علی الاسنۃ
 او علی النار لمضوا وہم یخرجون من عندکم
 مختلفین قال فاجاب بنی
 بمثل جواب ابیہ
 (اصول کافی ص ۳۷)

(یہ کیا ہوا؟) تو جناب امام نے
 فرمایا اے زرارہ اسی میں ہماری
 تمہاری خیریت اور بقا ہے اور اگر
 تم سب کا مسک اور طریقہ ایک ہو گیا
 تو لوگ تمہیں ہم سے تعلق رکھنے میں
 سچا سمجھیں گے اور اس میں تمہاری
 اور ہماری بقا کے لیے خطرہ ہے۔

اس کے بعد زرارہ نے بیان کیا
 کہ میں نے امام باقر کے صاحبزادہ امام جعفر صادق سے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ کے
 شیعہ ایسے وفادار اور جہاں نثار ہیں کہ اگر ان کو نیزوں کے سامنے یا آگ میں
 کود جانے کا آپ حکم دیں تو وہ ایسا ہی کر گزریں گے، لیکن وہ آپ حضرات
 کے پاس سے نکلے ہیں تو ان میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ زرارہ کہتے
 ہیں کہ امام جعفر صادق نے بھی میری اس بات کا وہی جواب دیا جو ان کے
 والد صاحب نے دیا تھا۔

امام باقر اور امام جعفر صادق کے مخلص مرید اور خاص راوی زرارہ ابن اعین کی اس روایت
 سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یہ ائمہ دینی مسائل کے بیان میں بھی تفسیر کرتے تھے،
 اور ایک ہی مسئلہ کے مختلف جوابات دیتے تھے جن میں سے اگر کوئی ایک صحیح ہوتا ہوگا تو
 باقی جوابات یقیناً غلط ہوتے ہوں گے۔ اور یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک چیز کو حلال ہوتی
 تفسیر کی بنیاد پر اس کو حرام اور اسی طرح ایک حرام چیز کو حلال بتلا دیتے تھے۔ مندرجہ ذیل
 روایت بھی اس کی ایک مثال ہے۔

ابان بن تغلب راوی ہیں کہ میں نے
امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے
تھے کہ میرے والد (امام باقر علیہ السلام)
بنو امیہ کے دور حکومت میں تقیہ کے طور
پر فتویٰ دیتے تھے کہ بازیاشاہین جس
پرندہ کو شکار کریں اور وہ قبل ذبح
کے مرحلے تو اس کا کھانا حلال
ہے اور اہل حکومت کے خوف سے
اس مسئلہ میں تقیہ نہیں کرتا میں فتویٰ
دیتا ہوں کہ باز یا شاہین کا مارا
ہوا جانور حرام ہے۔

عن ابان بن تغلب قال
سمعت ابا عبد الله
عليه السلام يقول كان
ابي عليه السلام يغني
في زمن بني امية عما
قتله البازي والصقر
فهو حلال، وكان يتقيهم
وانا لا اتقيهم وهو حرام
ما قتل - (فروع کافی جلد دوم)
جزء دوم منہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات کے برابر تقیہ کے طور پر حرام کو حلال بھی
بتلا دیتے تھے اور یقیناً ان کے ماننے والے عوام ان کے فتویٰ کے مطابق اس حرام کو حلال
سمجھ کر کھاتے تھے۔ استغفر الله ولا حول ولا قوة الا بالله۔

سیدنا حسینؑ پر ذلیل ترین تقیہ کی تہمت:

فروع کافی کی مندرجہ ذیل روایت پڑھ کر غالباً ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اہل بیت
خاص کر سیدنا حسینؑ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں نے اس روایت میں ان کو کس قدر
پست کر دیا رکھ لایا ہے۔

عامر بن السمط امام جعفر صادق سے
روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے

عن عامر بن السمط عن
ابي عبد الله عليه السلام

بیان فرمایا کہ منافقین میں سے ایک
شخص کا انتقال ہو گیا تو (سہارے پر دادا)

حسین بن علی صلوات اللہ علیہما
تشریف لائے اور اس کے جنازہ کے

ساتھ چلے تاکہ نماز جنازہ میں شرکت
کریں تو ان کا ایک غلام سامنے آگیا

(جو جنازہ سے کتر لے جا رہا تھا) حضرت
حسینؑ نے اس سے فرمایا کہ اے

فلاں تم کدھر جا رہے ہو؟ اس غلام
نے کہا میں اس منافق کے جنازہ سے

بھاگنا چاہتا ہوں (میں نہیں چاہتا
کہ اس کی نماز میں شرکت کروں)

حضرت حسینؑ نے اُس سے فرمایا دیکھو
ایسا کرو کہ نماز میں میری داہنی جانب

کھڑے ہو جاؤ، تو جو تم بھٹکے کہتا ہوا
سنو وہی تم بھی کہیو!۔ اگے امام

جعفر صادقؑ نے بیان فرمایا۔ کہ
جب میت کے ولی نے نماز جنازہ

پڑھانا شروع کی اور اللہ اکبر کہا تو
حضرت حسینؑ نے بھی کہا اللہ اکبر۔

(اگے اُس میت کے حق میں آپؑ نے)

اِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ

مَاتَ فَخَرَجَ الْحُسَيْنُ بْنُ

عَلِيٍّ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمَا

يَمْشِي مَعَهُ، فَلَقِيَهُ مَوْلَى

لَهُ فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ

عَلَيْهِ السَّلَامُ إِن تَذْهَبُ

يَا فُلَانُ؟ قَالَ فَقَالَ لَهُ

مَوْلَاةُ اِمْرَأَةٍ مِّنْ جَنَازَةٍ

هَذَا الْمُنَافِقُ اِنَّ اَصْلَىٰ عَلَيْهَا

فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ

السَّلَامُ اَبْظُرْ اَنْ تَقُومَ

عَلَى يَمِينِي فَمَا تَسْمَعُ

اَقُولُ فَقَالَ مِثْلَهُ۔ فَلَمَّا

اَنْ كَبِرَ عَلَيْهِ وَلِيَهُ قَالَ

الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اَلْعَنِ

فُلَانًا عِبْدَكَ الْفُلَانِيَّةَ

مُؤْتَلَفَةً غَيْرَ مُخْتَلَفَةٍ

اَللّٰهُمَّ اخْرِ عِبْدَكَ فِي

عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ وَاصِلَهُ

حَرَنَارِكَ وَاَذَقَهُ اَشَدَّ

عذابك فانه كان
یتولی اعدائك و یعادى
یہ دعا کی لئے اللہ اپنے اس فلاں
بندہ پر ایک ہزار لعنتیں کر جو مسلسل
اولیائے اللہ، و بیغض اہل
بیت نبی کے۔

(فروع کافی جلد اول ص ۹۹-۱۰۰)
کو اپنے بندوں میں اور اپنے شہر میں
میں ذلیل و رسوا کر، اور اس کو
اپنی دوزخ کی آگ پہنچا اور اپنے سخت ترین عذاب کا مزہ اس کو چکھا،
یہ تیرے دشمنوں سے دوستی اور تیرے دوستوں سے دشمنی اور تیرے نبی
کے اہل بیت سے بغض رکھنا تھا۔

اپنے خاص مخاطبین اہل سنت کے علاوہ ہم سلیم الفطرت شیعہ حضرات سے بھی
درخواست کرتے ہیں وہ بھی غور فرمائیں کہ اس روایت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر
کس قدر ذلیل قسم کے تقیہ کی تہمت لائی گئی ہے اور ان کو کس درجہ پست کر دیا
دکھلایا گیا ہے۔ ان کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ جس کو وہ منافق سمجھتے تھے اس کے
جنازہ کے ساتھ جاتے اور سب کو دکھانے کہ وہ اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ رہے
ہیں اور اس کو مومن اور دعلے مغفرت کا مستحق سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ اس کے لیے
شدید ترین بددعا کر رہے تھے اور لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے کہ وہ حسب معمول نماز میں
میت کے لیے مغفرت و رحمت کی اور جنت کی دعا کر رہے ہیں۔ پھر یہ کہ غلام جو یہ تقیہ
کرنا نہیں چاہتا تھا اس کو بھی تقیہ میں شریک کیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو بھی اسی
دغا و فریب کی تعلیم دے دی۔

آگے فروع کافی کے اسی صفحہ پر حضرت علی ابن الحسین (امام زین العابدین)
اور خود امام جعفر صادق کے بھی اسی طرح کی نماز جنازہ کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے

استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ سب ان محترم اور مقدس بزرگوں پر شیعہ مذہب کے مصنفین کا افتراء ہے۔ ان بزرگوں کا دامن اس طرح کی منافقانہ بدکرداری سے بالکل پاک ہے۔ سبحانک هذا بہتان عظیمہ۔ — کتان اور تقیہ کے موضوع پر اس سے بہت زیادہ لکھا جاسکتا ہے لیکن ہم اتنے ہی کو کافی سمجھ کر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

نبوت ختم نہیں اترتی کے ساتھ جاری

شیعہ حضرات کے عقیدہ امامت کا یہ بھی لازمی اور بدیہی نتیجہ ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد ختم نبوت کا عقیدہ ختم اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبوت و رسالت اور ختم نبوت و ختم رسالت صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک متعین اور معلوم حقیقت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ”خاتم النبیین“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت و رسالت جس حقیقت کا عنوان ہے وہ آپ پر ختم کر دی گئی۔ ہر نبی و رسول اللہ کی طرف سے نامزد اور بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہوتا تھا۔ اس کی معرفت اور اس کو ماننا نجات کی شرط ہوتا تھا۔ اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے، وہ معصوم ہوتا تھا، اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی، وہی اور اس کی تعلیم امت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع و ماخذ ہوتا تھا۔ یہی نبوت کی حقیقت اور اس کا مقام تھا۔ اور ختم نبوت کا مطلب یہی تھا اور یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ مقام کسی کو حاصل نہ ہوگا، اب قیامت تک کے لیے آپ ہی بندوں کے واسطے اللہ کی حجت اور اس کی طرف سے اس مقصد کے لیے نامزد ہیں، آپ کو ماننا شرط نجات اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ وحی کے ذریعہ اللہ کی ہدایت اور احکام آنے کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا۔ اب قیامت تک کے لیے آپ کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کے ارشادات اور اعمال جن کا عنوان ”سنت“ ہے وہی اور صرف وہی ہدایت کا چشمہ اور مرجع و ماخذ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی شخصیت ایسی نہ ہوگی جو نبیوں رسولوں کی طرح بندوں کے لیے اللہ کی حجت اور معصوم مقرر الطاعہ ہو۔ یہی تھا اور یہی ہے ختم نبوت کا مطلب اور اس کی حقیقت۔

لیکن اثنا عشریہ کے عقیدہ امامت کے مطابق (جس کی تفصیلات ناظرین کرام کو معلوم ہو چکی ہیں) جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر بارہویں امام تک (جو آپ سے قریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے پیدا ہو کر کسی غار میں روپوش ہو گئے ہیں اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے اور قیامت سے پہلے کسی مناسب وقت پر ظاہر ہوں گے) بارہ شخصیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں رسولوں ہی کی طرح نافرذ ہیں اور بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہیں، معصوم اور مفرض الطاع ہیں، اور ان کی معرفت اور ان کا ماننا شرط نجات ہے۔ ان کو دوحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور احکام ملتے ہیں، اور ان کو وہ سارے فضائل و کمالات حاصل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے تھے وہ مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو برابر ہیں، لیکن آپ کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام سے حتیٰ کہ انبیاء اولوالعزم سے بھی برتر اور بالاتر ہیں۔ مزید برآں وہ خداوندی صفات و اختیارات کے بھی حامل ہیں، وہ عالم ماکان و مایکون ہیں، کوئی چیز ان سے مخفی نہیں، ان کو اختیار ہے جس چیز یا عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں، کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کو کن فیکونی اقتدار حاصل ہے، دنیا اور آخرت ان کی ملکیت ہے جس کو چاہیں دیدیں اور بخش دیں، ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ائمہ کے بارے میں یہ سب کچھ ماننے کے بعد نہ صرف یہ کہ ختم نبوت کا عقیدہ ختم اور بے معنی ہو جاتا ہے بلکہ عقیدہ یہ بنتا ہے کہ گھٹیا درجہ کی نبوت کا سلسلہ ختم ہو کر امامت کے عنوان سے ترقی یافتہ اور بڑھیا اعلیٰ درجہ کی نبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کے خاتم امام مہدی غائب ہیں جن سے ان کمالات کا ظہور ہوگا جن کا ظہور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں ہوا تھا، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عائشہ

وغیرہ کو قبروں سے نکلوا کے زندہ کریں گے اور سزا دیں گے، ہزاروں باران کو مار مار کے جلائیں گے اور سولی پہ چڑھائیں گے۔ مذہبِ شیعہ کے ترجمانِ عظیم علامہ باقر مجلسی کا یہ ارشاد ناظرینِ کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ "امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است" (یعنی امامت کا درجہ پیغمبری سے بالاتر ہے) اس لیے عقیدہ امامت کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ دو اور دو چار کی طرح یہ نکلتا ہے کہ نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ ترقی کے ساتھ امامت کے عنوان سے جاری ہے۔ کاش شیوہ حضرات ہیں جو اصحابِ فہم اور سلیم الفطرت ہیں وہ بھی اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔

عقیدہ راجحت

راجحت کا عقیدہ بھی شیوہ حضرات کے مخصوص عقائد میں سے ہے اور یہ بھی عقیدہ امامت ہی کا شاخسانہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مہدی غائب جب ظاہر اور فائز سے برآمد ہوں گے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین اور سیدہ فاطمہ زہرا، اور حضرت حسن و حسین اور تمام ائمہ اور ان کے علاوہ تمام خواص مومنین زندہ ہو کر اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور یہ سب امام مہدی کی بیعت کریں گے اور ان میں سب پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علی مرتضیٰ بیعت کریں گے۔ اور ابو بکر و عمر اور عائشہ اور ان سے موالات اور محبت کا خصوصی تعلق رکھنے والے خواص کفار و منافقین بھی زندہ ہوں گے اور امام مہدی ان کو وہ سزا دیں گے جس کا ذکر علامہ مجلسی کی "حق یقین" کے حوالہ سے چند صفحات پہلے کیا جا چکا ہے۔ اسی "حق یقین"

میں اس عقیدہ رجعت کا مستقل باب ہے جس میں اس عقیدہ کا بیان بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۷) ہم نے سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے۔

شیعی عقائد و اعمال کے بیان میں ”تحفۃ العوام“ اردو زبان میں ایک قدیم ترین کتاب ہے اس میں اس عقیدہ رجعت کا بیان ان مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اور ایمان لانا رجعت پر بھی واجب ہے یعنی جب امام مہدی ظہور و خروج فرمائیں گے اس وقت مومن خاص اور کافر اور منافق مخصوص زندہ ہوں گے اور ہر ایک اپنی داد اور انصاف کو پہنچے گا اور ظالم سزا و تعزیر پاوے گا۔ (تحفۃ العوام)

جمہور امت مسلمہ کا عقیدہ ہے اور یہی قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے بتلایا ہے کہ مرنے کے بعد تمام بنی آدم، مومن و کافر اور صالح و فاسق و فاجر قیامت ہی میں زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا و سزا اور ثواب و عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن شیعہ حضرات کے نزدیک قیامت سے پہلے امام مہدی کے ظہور پر بھی ایک قیامت قائم ہوگی اور اس میں سزا اور عذاب دینے والے خود امام مہدی ہوں گے۔ اس طرح وہ خداوندی صفت ”عزیز و انتقام“ کے بھی حامل ہوں گے۔

قرآن مجید میں تحریف اور کمی بیشی

یہ عقیدہ بھی اُسی عقیدہ امامت کے لازمی نتائج میں سے ہے جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے۔ — جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے راقم سطور اس سے ناواقف نہیں ہے کہ ہمارے زمانہ کے عام شیعہ علماء اس سے انکار فرماتے ہیں کہ وہ قرآن پاک میں تحریف اور کمی بیشی کے قائل ہیں۔ — اس وقت ہم کو اس سے بالکل بحث نہیں کہ یہ انکار واقعہ کے لحاظ سے صحیح ہے یا غلط، اور ان کے ائمہ معصومین کی اُن بے شمار روایات کی موجودگی میں جو مذہب شیعہ کی مستند ترین کتابوں میں روایت کی گئی ہیں اور جو قطعیت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن پاک میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے، کسی شیعہ عالم کے لیے اس انکار کی گنجائش بھی ہے یا نہیں۔ — بہر حال اس وقت ہم اس سے بالکل صرف نظر کرتے ہوئے اپنے زمانے کے ان علماء شیعہ کے بارہ میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے۔ — لیکن کوئی بھی شیعہ عالم کسی واقف کے سامنے اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا کہ ماضی میں (خاص طور سے ان کے خاتم المحدثین اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کے زمانہ یعنی دسویں اور گیارہویں صدی ہجری بلکہ اس کے بعد تک بھی) شیعہ علماء و مصنفین جو اپنے علم و مذہب شیعہ کی معرفت میں بعد کے علماء سے یقیناً فائق تھے وہ پورے ادعا کے ساتھ ہی کہتے اور لکھتے رہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف، تغیر و تبدل اور کمی بیشی ہوئی ہے، اور وہ اپنی تصانیف میں اس کا بھی اظہار کرتے رہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی روایات یہی بتلاتی ہیں اور ہمارے علمائے متقدمین کا

وعظمت ہے متعلق ائمہ معصومین کے چند اور ارشادات بھی نذر ناظرین کیے جائیں۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

شیعہ مذہب میں عقیدہ امامت کا درجہ اور اس کی عظمت و اہمیت

اصول کافی "کتاب الکفر والایمان" میں ایک باب ہے "باب عالم الاسلام" اس میں پہلی روایت ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال بنی الاسلام علی خمس الصلوٰۃ، والزکوٰۃ، والصوم، والحج والولایۃ، ولم یبدأ بشئ ما فودی بالولایۃ۔

امام باقر علیہ السلام کہ آپ نے فرمایا پانچ رکنوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور امامت (یعنی عقیدہ امامت کو ماننا) اور ان ارکان میں سے کسی رکن کے بائے میں بھی

اصول کافی ص ۳۶۸

اتنے اہتمام سے اعلان نہیں کیا گیا جتنے اہتمام سے اٹائے گئے ہیں کیا گیا۔

پھر اسی باب میں امام باقر ہی سے جناب زرارہ کی روایت ہے جس کا مضمون بلکہ الفاظ بھی قریب قریب یہی ہیں۔ البتہ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے۔

قال زرارة فقلت وای شیء من ذالک افضل؟ فقال الولایۃ افضل۔

زرارہ نے بیان کیا کہ میں نے (امام باقر کا یہ ارشاد سنا کہ ان سے) عرض کیا کہ ان پانچوں ارکان میں کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ عقیدہ امامت کا ماننا افضل ہے۔

اور اسی باب میں امام باقر کے صاحبزادے امام جعفر صادق کی روایت ہے کہ۔

عن الصادق عليه السلام امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اسلام

قال قال اثنائي الاسلام
 کے تین پائے ہیں (جن پر اسلام قائم)

ثَلَاثَةٌ، الصَّلَاةُ وَالزَّكَاةُ (۴)۔ ایک نماز، دوسرا زکوٰۃ اور

والولاية، لا تصح واحدة
تيسر عقيدہ امامت، اور ان میں

منہن الا بصاحتہا۔ سے کوئی کبھی صحیح نہیں ہوتا اپنے

ساتھی کے بغیر۔

۳۹۸

اس باب میں انہی دونوں حضرات (امام باقر و امام جعفر صادق) اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں، ہم نے صرف انہی تین روایتوں کا نقل کر دینا کافی سمجھا ہے۔ ان میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ مسئلہ امامت کو ماننا نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح دین اسلام کا رکن ہے اور ان سب ارکان میں اعلیٰ و افضل ہے۔ اور اس کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر نماز اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی (جس طرح توحید درست پر ایمان لائے بغیر کسی کی نماز و زکوٰۃ ادا اور قابل قبول نہیں ہو سکتی)

اس کے بعد اسی موضوع (مذہب شیعہ میں مسئلہ امامت کی اہمیت و عظمت) سے متعلق اسی اصول کافی کتاب الحجج کے آخری باب "باب فیہ تنفیذ جوامع من الروایۃ فی الولایۃ" کی دو روایتیں ناظرین کرام اور ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے ہر پیغمبر نے عقیدہ امامت کی تعلیم دی
اور ہر آسمانی کتاب میں اس کا حکم دیا گیا

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام امام جعفر صادق سے روایت ہے

قال ولايتنا ولاية الله آپ نے فرمایا کہ ہماری ولایت

(امامت و حاکمیت) بعینہ اللہ کی
ولایت و حاکمیت ہے اور ہر نبی اس کا

التي لم يبعث نبى قط
الا بها۔

اصول کافی ص ۲۷۶

حکم لے کر مبعوث ہوا ہے۔

پھر اسی صفحہ پر امام جعفر صادق کے صاحبزادے شیعہ حضرات کے ساتویں امام موسیٰ کاظم
کا یہ ارشاد سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

ابو الحسن (یعنی موسیٰ کاظم) سے

عن ابی الحسن علیہ السلام

روایت ہے آپ نے فرمایا (امیر المؤمنین)

قال ولاية على مكتوبة

علی کی ولایت و امامت تمام انبیاء

فی جمیع صحف الانبیاء

علیہم السلام کے صحیفوں میں لکھی

ولن یبعث الله رسولا

ہوئی ہے، اور اللہ نے جو بھی رسول

الا بنیوة محمد صلی اللہ

دنیا میں بھیجا وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

علیہ وآلہ ووصیة علی

کی نبوت اور علی علیہ السلام کی

علیہ السلام۔

وہیت (یعنی امامت) کی تعلیم کے

اصول کافی ص ۲۷۶

ساتھ بھیجا (مطلب یہ کہ خدا کے ہر نبی نے اپنی امت کو یہ دونوں باتیں بھی

بلائیں اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دی۔)

یہ تو ناظرین کرام کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ امامت کا عقیدہ مذہب شیعہ میں

توحید و رسالت کے عقیدہ ہی کی طرح دین اسلام کی بنیاد اور اس پر ایمان لانا شرط نجات

ہے۔ یہاں جو روایات ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں ان سے مزید یہ معلوم ہو گیا

کہ عقیدہ امامت نماز، زکوٰۃ اور حج و روزہ کی طرح اسلام کا رکن اور ان سب میں

اہم و افضل ہے۔ نیز یہ کہ اللہ نے جتنے بھی نبی دنیا میں بھیجے سب نے اپنی امتوں کو

حضرت علی اور ان کی اولاد میں ہونے والے گیارہ اماموں کی امامت پر ایمان لانے

کا حکم دیا ہے۔

کی دعوت دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں پر جو بھی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے سب میں حضرت علی کی امامت کا بیان و اعلان فرمایا گیا تھا۔

ایک اہم سوال، قرآن میں عقیدہ امامت کا ذکر کیوں نہیں؟

ائمہ معصومین کے ارشادات کے عقیدہ امامت کی یہ غیر معمولی اہمیت و عظمت معلوم ہونے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن مجید میں امامت کا عقیدہ کیوں بیان نہیں فرمایا گیا؟۔ عقیدہ توحید و رسالت اور اسی طرح قیامت و آخرت کا بیان قرآن پاک میں سیکڑوں جگہ مختلف عنوانات سے فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت علی کی امامت کا بیان ایک جگہ بھی نہیں فرمایا گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ جبکہ ساتویں امام مہموم موسیٰ کاظم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے جو کتابیں اور جو صحیفے پیغمبروں پر نازل ہوئے ان سب میں حضرت علی کی ولایت و امامت کا عقیدہ بیان کیا گیا تھا۔ پھر اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید میں جو اسی امت کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی جس کے حضرت علی امام بنائے گئے تھے ان کی امامت کا بیان کیوں نہیں فرمایا گیا اور قرآن میں کوئی ایک آیت بھی اس بارے میں کیوں نازل نہیں فرمائی گئی؟

تحریف کا دعویٰ اسی سوال کا جواب :

اس سوال کا جو جواب خود ائمہ معصومین کی ایک دو نہیں سیکڑوں روایتوں سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں علی علیہ السلام کی امامت کا صمدی جگہ صاف صاف بیان فرمایا گیا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں نے غاصبانہ طور پر خلافت اور حکومت پر قبضہ کر لیا، انھوں نے قرآن میں سے وہ آیتیں یا وہ

کلمات نکال دئے جن میں حضرت علی اور ان کے بعد کے ائمہ معصومین کی امامت کا بیان فرمایا گیا تھا اور ان کے نام تک ذکر فرمائے گئے تھے۔

اسی کتاب میں جہاں امامت کے مسئلہ پر تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں مختلف عنوانات کے تحت خاص کر زیر عنوان ”قرآن مجید میں امامت ائمہ کا بیان“ ایسی متعدد روایات ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں جن میں قرآن پاک میں اس طرح کی تحریف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند اور روایتیں بھی یہاں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

تحریف کے بارے میں ائمہ کے ارشادات :

سورہ احزاب کے آخری رکن میں آیت ہے ”ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما“ (اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا) اس آیت کے بارے میں اصول کافی میں ابوبصیر کی روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ

یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی ”ومن يطع الله ورسوله في

ولاية علي والائمة من بعده فقد فاز فوزا عظيما“

(جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کوئی علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے بارے

میں اللہ اور اس کے رسول کی بات مانے اور فرمانبرداری کرے گا

وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا) مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں حضرت

علی اور ان کے بعد کے تمام ائمہ کی امامت کا صراحت کے ساتھ بیان

فرمایا گیا تھا لیکن اس میں سے ”في ولاية علي والائمة من

بعده“ کے الفاظ نکال دیے گئے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں،

اصول کافی کے اس سے اگلے ہی صفحہ پر امام باقر سے روایت ہے۔
 عن ابی جعفر علیہ السلام قال نزل جبرئیل بھذہ الایۃ
 علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ "بئسما اشترواہ انفسہم
 ان یکفروا بما انزل اللہ فی علیؑ بغیاً۔ (الایۃ ۲۶۳)
 مطلب ہے کہ سورہ بقرہ کی اس آیت ۹ میں "فی علیؑ" کا لفظ
 تھا جو نکال دیا گیا اور موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

پھر اس کے اگلے صفحہ پر امام جعفر صادق سے روایت ہے آپ نے فرمایا۔
 نزل جبرئیل علی محمد جبرئیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ بھذہ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل
 الایۃ ہکذا "یا ایہا الذین ہوئے تھے۔ "یا ایہا الذین
 اتوا الکتاب امنوا بما نزلنا فی علیؑ نور امیناہ
 اتوا الکتاب امنوا بما نزلنا فی علیؑ نور امیناہ
 (اصول کافی ص ۲۶۴)

اس میں اہل کتاب سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہم نے علیؑ کے بارے میں جو حکم
 نازل کیا ہے جو نور مبین ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کو قبول کر دو۔ یہ آیت موجودہ
 قرآن میں کہیں نہیں ہے، مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ہی نکال دی گئی ہے۔

پھر اصول کافی کے اسی باب میں امام جعفر صادق سے ابو بصیر کی روایت ہے۔
 عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ
 "سأل سائل بعد اب واقع للكفرین بولایۃ علی
 سورۃ معارج کی پہلی آیت "سأل سائل، الایۃ کے بارے میں
 آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جبرئیل
 محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر یہ آیت اس طرح

لیس له دافع“ ثم قال
هكذا اوان الله نزل بها
جبريل على محمد صلى
الله عليه وآله -
لے کر نازل ہوئے تھے سائل
سائل بعد اب واقع للكفرین
بولایۃ علی لیس له
دافع -

(اصول کافی ص ۲۶۶)

مطلب یہ ہوا کہ آیت میں سے ”بولایۃ علی“ کے الفاظ نکال دیے گئے۔
پھر اصول کافی کے اسی باب میں اس کے اگلے صفحہ پر امام باقر کی روایت ہے۔
قال نزل جبريل بهذا
الایۃ هكذا... یا بها
الناس قد جاءكم الرسول
بالحق من ربکم فی ولایۃ
علی فامنوا خیر الکم وان
تکفروا بولایۃ علی فان
لله ما فی السموات وما
فی الارض -
آپ نے فرمایا کہ جبریل (سورہ نسا
کی آیت ۸۱) اس طرح لے کر نازل
ہوئے تھے.... اے لوگو تمھارے پاس
اللہ کے رسول تمھارے پروردگار کی
طرف سے علی کی ولایت و امامت
کے بارے میں حق بات لے کر آگئے
ہیں، پس تم اس پر ایمان لے آؤ اور
قبول کر لو، اسی میں تمھارے لیے
بھلائی ہے اور اگر تم علی کی ولایت

(اصول کافی ص ۲۶۷)

وامامت کا انکار کرو گے (تو تمھاری خیریت نہیں ہے) آسمانوں میں اور
زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے (اسے تمھاری کوئی پروا نہیں)
مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ حضرت علی کی ولایت و امامت
کا ذکر تھا اور اس پر ایمان لانے اور قبول کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور انکار کرنے
اور نہ ماننے پر وعید سنائی گئی تھی۔ لیکن۔ یہ مضمون اس آیت سے نکال دیا گیا اور

موجودہ قرآن میں ”فی ولایۃ علی“ اور ”بولاۃ علی“ کے الفاظ نہیں ہیں۔
آگے اسی صفحہ پر امام باقرؑ ہی سے روایت ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام آپ نے فرمایا کہ سورہ نسا کی آیت
قال ھکذا انزلت ھذہ (۲۳) اس طرح نازل ہوئی تھی
الایۃ ”ولوا ھم فعلوا ما
(اس میں فرمایا گیا تھا) کہ اگر یہ لوگ
یوعظون بہ فی علی لکان
اُس کے مطابق عمل کریں جو اُن کو
خیر الھم۔ نصیحت کی گئی ہے علی کے بارے میں

(اصول کافی ص ۲۲۴) تو ان کے حق میں بہتر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا خاص تعلق حضرت علی سے تھا لیکن اس میں سے
”فی علی“ نکال دیا گیا، جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

ناظرین اس سلسلہ میں اصول کافی کے اسی باب کی ایک روایت اور ملاحظہ
فرمائیں، اس میں قرآن پاک کی دو مختلف مقامات کی آیتوں میں اسی طرح کی تحریف
کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ (سورہ
قال نزل جبریل بھذہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۸) فابی
الایۃ ھکذا ”فابی اکثر
الناس بولاۃ علی الا
کفورا“

”الا کفورا“ سے پہلے ”بولاۃ علی“
بھی تھا (جو نکال دیا گیا ہے)

قال ونزل جبریل بھذہ اور امام باقر نے فرمایا کہ (سورہ کہف
الایۃ ھکذا وقل الحق کی آیت ۱۷) جبریل اس طرح لے کر

من ربکم فی ولایۃ علیؑ
فمن شاء فلیومن ومن
شاء فلیکفر انا اعتدنا
للظالمین آل محمد ناراً
نازل ہوئے تھے وقل الحق
من ربکم فی ولایۃ علیؑ فمن
شاء فلیومن ومن شاء
فلیکفر انا اعتدنا للظالمین
آل محمد ناراً

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے "فی ولایۃ علی" اور "آل محمد" کے
کلمات نکال دیے گئے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔

یہ سب روایتیں اصول کافی کے ایک ہی باب "باب فیہ نکت و تنفی من
التنزیل فی الولایۃ" کی تھیں، اب شیعہ حضرات کی اسی اصح الکتب اصول
کافی کے "باب فضل القرآن" کی ایک روایت اور ملاحظہ فرمائی جائے۔ یہ اس
باب کی آخری روایت ہے۔

قرآن کا قریباً دو تہائی حصہ غائب کر دیا گیا :

عن هشام بن سالم عن
ابی عبد اللہ علیہ السلام
قال ان القرآن الذی
جاء بہ جبریل علیہ
السلام الی محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ سبعۃ عشر
ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا
کہ وہ قرآن جو جبریل علیہ السلام
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لیکر نازل
ہوئے تھے اُس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰)
آیتیں تھیں۔

الفایۃ

(اصول کافی ص ۶۷۱)

موجودہ قرآن میں خود شیعوہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق بھی کل آیات چھ ہزار سے کچھ اوپر ہیں پوری ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں۔ "احول کافی" کے شراح علامہ قزوینی نے اسی روایت کی شرح کرتے ہوئے موجودہ قرآن کی آیات کی تعداد کے بارے میں دو قول ذکر کیے ہیں، ایک یہ کہ ان کی تعداد چھ ہزار تین سو چھپن (۶۳۵۶) اور دوسرا قول یہ کہ ان کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس ہے (۶۳۳۶) اور "باب فضل القرآن" کی اس روایت میں امام جعفر صادق کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے کر جبرئیل نازل ہوئے تھے اس کی آیتوں کی تعداد سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) تھی، تو اس روایت کے مطابق قریب دو تہائی قرآن غائب کر دیا گیا۔ اسی بنا پر اس روایت کی شرح میں علامہ قزوینی نے لکھا ہے۔

مراد اینست کہ بیاں ازال	امام جعفر صادق کے ارشاد کا مطلب
قرآن ساقط شدہ و در مصاحف	یہی ہے کہ جبرئیل کے لائے ہوئے
مشہورہ نیست۔	اہل قرآن میں سے بہت ساحدہ
(صافی شرح اصول کافی آخری	ساقط اور غائب کر دیا گیا ہے اور وہ
جلد۔ باب فضل القرآن)	قرآن کے موجودہ نسخوں میں نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی کا ایک عجیب ارشاد:

"احتجاج طبرسی" شیعہ مذہب کی مقبرہ مستند کتابوں میں ہے، پہلے بھی اسکا ذکر آچکا ہے۔ اُس میں ایک زندیق کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طویل مکالمہ نقل کیا گیا ہے (جس کو اگر اردو میں منتقل کیا جائے تو راقم سطور کا اندازہ ہے کہ قریباً پچاس صفحے کا رسالہ ہو جائے گا) اس طویل مکالمہ میں اُس زندیق نے قرآن مجید پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دیا ہے۔ ان میں

ایک اعتراض اس کا یہ بھی تھا کہ سورہ نساء کے پہلے رکوع کی آیت "وان خفتن الا
تقسطوا فی الیتامی فانکھواماطاب لکم من النساء الایة" میں شرط
وجز کے درمیان وہ تعلق اور جوڑ نہیں ہے جو شرط و جز میں ہونا چاہیے۔

(احتجاج ص ۱۲۲ طبع ایران)

اس کا جواب حضرت علی کی زبان سے احتجاج میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ
هو مما قدمت ذکرہ من یہ اسی قبیل سے ہے جس کا میں پہلے
اسقاط المنافقین من ذکر کر چکا ہوں یعنی یہ کہ منافقین نے
القرآن، و بین القول فی قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا
الیتامی و بین نکاح ہے اور اس آیت میں (یہ تصرف ہوا
النساء من الخطاب و ہے کہ) ان خفتن فی الیتامی
القصص اکثر من ثلث اور فانکھواماطاب لکم من
القرآن (ص ۱۲۸) النساء کے درمیان ایک تہائی
قرآن سے زیادہ تھا (جو ساقط اور غائب کر دیا گیا ہے) اس میں خطاب
تھا اور قصص تھے۔

احتجاج طبرسی کی اس روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے
کہ اس ایک آیت کے درمیان سے منافقین نے ایک تہائی قرآن سے زیادہ غائب
کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پورے قرآن سے کتنا غائب کیا گیا ہوگا۔
اس مکالمہ میں اس زندیق کے دوسرے متعدد اعتراضات کے جواب میں بھی
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تحریف و کمی و بیشی اور تغیر و تبدل کا ذکر فرمایا ہے —
پھر اس زندیق کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے۔

حسبک من الجواب عن اس معاملہ میں اور اس موقع پر

جو جواب تم نے مجھ سے سن لیا بس
وہی تھکے لیے کافی ہونا چاہیے
کیونکہ ہماری شریعت کا تقیہ کا حکم
اس سے زیادہ مرحمت اور رحمت
مانع ہے۔

هذا الموضع ما سمعت
فان شريعة التقية تحفظ
التصريح باكثر منه
(احتجاج طبرسی طبع ایران ۱۲۵)

بظاہر مطلب یہ ہے کہ جن منافقین نے قرآن میں یہ تحریف اور کمی بیشی کی ان کا
نام ظاہر کرنے سے تقیہ کا حکم مانع ہے۔ عجیب بات ہے قرآن میں تحریف اور
کمی بیشی کا عقیدہ ظاہر کرنے سے تقیہ مانع نہیں ہوا لیکن تحریف کرنے والے منافقین
کا نام ظاہر کرنے سے تقیہ مانع ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مکالمہ اور اس طرح کی
ساری روایتیں خانہ ساز ہیں حضرت مرتضیٰ اور تمام ہی بزرگان اہل بیت کا دامن
ان خرافات سے پاک ہے۔

صلی قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے مرتب فرمایا تھا
وہ امام غائب کے پاس ہے اور موجود قرآن سے مختلف ہے

یہ بات بھی مذہب شیعہ اور شیعہ دنیا کے معروف مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی
مرتضیٰ نے قرآن مرتب فرمایا تھا اور وہ اُس کے بالکل مطابق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور موجودہ قرآن سے مختلف تھا وہ حضرت علی ہی کے پاس ہا
اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کے پاس رہا اور اب وہ امام غائب کے پاس
ہے اور جب وہ ظاہر ہوں گے تب ہی اُس قرآن کو بھی ظاہر فرمائیں گے اس سے پہلے
کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس سلسلہ میں اصول کافی کی مندرجہ ذیل دو

روایتیں نذر ناظرین ہیں — اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب ہے

باب انه لم یجمع القرآن
كله الا الائمة علیہم
السلام

باب اس بیان میں کہ پورے قرآن کو
ائمہ علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی
جمع نہیں کیا (یعنی پورا قرآن ائمہ کے

سوا کسی کے پاس بھی نہیں تھا اور نہیں ہے۔)

اس باب میں پہلی روایت ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

ما ادعی احد من الناس
انه جمع القرآن كله كما
انزل الا کذاب مہاجمہ
وحفظہ کما انزلہ اللہ
الا علی بن ابی طالب
والائمة من بعده
(اصول کافی ص ۱۳۹)

جو آدمی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے
پاس پورا قرآن ہے جس طرح کہ
نازل ہوا تھا، وہ کذاب ہے، اللہ تعالیٰ
کی تنزیل کے مطابق قرآن کو صرف
علی بن ابی طالب ہی نے اور ان کے
بعد ائمہ علیہم السلام نے جمع کیا اور اس کو
محفوظ رکھا۔

اور اسی اصول کافی کے ”باب فضل القرآن“ میں امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

فاذا قام القائم فقرأ
كتاب الله عز وجل على
حدة واخرج للمصحف
الذي كتبه على عليه
السلام وقال اخرجہ علی
علیہ السلام الی الناس حین
فرغ منه وکتبه فقال لهم

جب قائم (یعنی امام مہدی غائب)
ظاہر ہوں گے تو وہ قرآن کو اسی اور
صحیح طور پر پڑھیں گے اور قرآن کا
وہ نسخہ نکالیں گے جس کو علی علیہ السلام
نے لکھا تھا۔ اور امام جعفر صادق
نے یہ بھی فرمایا کہ جب علی علیہ السلام
نے اس کو لکھ لیا اور پورا کر لیا، تو

ھذا کتاب اللہ عز وجل
 کما انزلہ اللہ علی محمد
 صلی اللہ علیہ والہ جمعۃ
 من اللوحین فقالوا
 ھوذا عندنا مصحف
 جامع فیہ القرآن لا
 حاجة لنا فیہ فقال اما
 واللہ ما نرونہ بعد یومکم
 ھذا۔
 (اصول کافی ص ۶۱)

لو ایں سے (یعنی ابو بکر و عمر وغیرہ سے)
 کہا کہ یہ اللہ کی کتاب، ٹھیک اس کے
 مطابق جس طرح اللہ نے محمد صلی اللہ
 علیہ والہ پر نازل فرمائی تھی میں نے
 اس کو لوحین سے جمع کیا ہے۔
 تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس
 یہ جامع مصحف موجود ہے اس میں
 پورا قرآن ہے، ہم کو تمھارے جمع
 کیے ہوئے اس قرآن کی ضرورت
 نہیں۔ تو علی علیہ السلام نے فرمایا

خدا کی قسم اب آج کے بعد تم بھی اس کو دیکھ نہیں سکو گے۔

بہر حال کتب شیعہ کی یہ روایات جن میں موجودہ قرآن میں تحریف اسقاط اور
 اضافے اور تغیر و تبدل کا ذکر ہے۔ خاص کر وہ روایات جن میں قرآن میں سے حضرت علی
 اور ائمہ کا تذکرہ نکال دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیعہ حضرات کی طرف سے اس سوال کا
 سمجھ میں آنے والا جواب پیش کرتی ہیں کہ جب عقیدہ امامت و تجدید رسالت ہی کے درجہ
 کا بنیادی عقیدہ ہے تو اس کا ذکر قرآن مجید میں کیوں نہیں کیا گیا؟۔ راقم سطو نے
 اسی بنیاد پر عرض کیا تھا کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کا عقیدہ مذہب شیعہ کی اساس
 و بنیاد عقیدہ امامت کے لوازم میں سے ہے۔ اس کے علاوہ اس عقیدہ کی
 تصنیف کا ایک خاص محرک اور مقصد یہ بھی ہے کہ حضرات شیعین و ذوالنورین کو غضب
 خلافت اور غضب فدک وغیرہ جرائم کے علاوہ کتاب اللہ کی تحریف کا بھی مجرم ثابت کیا جائے
 جو یقیناً شدید ترین جرم اور بدترین کفر ہے۔

مسئلہ تحریف اور شیعہ علمائے متقدمین:

جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا تھا شیعوں حضرت اس کے خاتم المحدثین اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کے زمانے یعنی دسویں گیارہویں صدی ہجری بلکہ اس کے بعد تک بھی اگر کوئی ضرورت اور مصلحت تفسیر کی داعی نہ ہوتی تو عام طور سے شیعہ علماء و برہملا اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے بلکہ اپنی تصانیف میں دلائل سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ موجودہ قرآن مخرف ہے، اس میں کمی بیشی اور ہر طرح کا تغیر تبدیل ہوا ہے (جیسا کہ ان کے ائمہ کی روایات میں ہے اور اصلی قرآن وہ ہے جو مولیٰ علیؑ نے جمع کیا تھا، وہ امام آخر الزماں کے پاس ہے)

علامہ نوری طبرسی کی ”فصل الخطاب“

ہم جیسوں کے لیے آسان بلکہ ممکن نہیں تھا کہ شیعہ علمائے متقدمین کی تصانیف حاصل کر کے ان کا مطالعہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ اب سے قریباً سو سال پہلے جب شیعہ علمائے عام طور سے عقیدہ تحریف سے انکار کی پالیسی اپنائی اور اس اہم مسئلہ میں اپنا عقیدہ وہی ظاہر کرنے لگے جو شیعوں کا ہمیشہ سے عقیدہ ہے (یعنی یہ کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ کتاب اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، اور اس میں ہرگز کوئی تحریف اور کمی بیشی نہیں ہوئی) تو ایک بہت بڑے شیعہ عالم محدث اور مجتہد علامہ نوری طبرسی نے یہ محسوس کر کے کہ یہ اپنے اصل مذہب کے انحراف اور ائمہ معصومین کے ایک دو نہیں، سیکڑوں بھی نہیں، بلکہ ہزاروں ارشادات کے خلاف، بغاوت ہے (اور شیعہ دنیا کو اس وقت اس بارے میں تفسیر کی کوئی ضرورت اور مجبوری بھی نہیں ہے) اس موضوع پر ایک

مستقل ضخیم کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب شہر نجف اشرف میں خاص مشہد
امیر المومنین میں بیٹھ کر لکھی۔ اس کتاب کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف
کتاب رب الارباب" یا تثنی ضخیم ہے کہ اگر اس کو عام فہم اردو میں منتقل کیا جائے
تو اندازہ ہے کہ اس کے صفحات ہزاروں سے کم نہ ہوں گے کچھ اوپر ہی ہوں گے۔
اس کتاب کے مصنف علامہ نوری طبرسی نے اپنے شیعی نقطہ نظر کے مطابق اس نسخے
کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیے ہیں کہ موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور
ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے، اس میں سے بہت ساحدہ غائب اور ساقط بھی کیا گیا ہے
اور تحریف کرنے والوں (یعنی خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء) نے اس میں اپنی طرف
سے اضافے بھی کیے ہیں، اور ہر طرح کا تغیر و تبدل ہوا ہے، اور یہ کہ ہمارے ائمہ معصومین
کی ہزاروں روایات یہی بتلاتی ہیں، اور یہی ہمارے عام علمائے متقدمین کا عقیدہ
اور موقف رہا ہے اور انھوں نے اپنی تصانیف میں صراحت اور صفائی کے ساتھ اسی عقیدہ
کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کتاب کے مصنف علامہ
نوری طبرسی نے لکھا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین میں صرف چار افراد ایسے ملتے ہیں
جنھوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے طبقہ میں ان کے ساتھ کوئی پانچواں
بھی نہیں ہے۔ پھر ان چار حضرات نے اپنے اختلافی موقف کے ثبوت میں جو کچھ لکھا تھا
علامہ نوری طبرسی نے اس کا جواب بھی دیا ہے جو شیعوہ حضرات کے لیے موجب اطمینان
ہونا چاہیے۔

بہر حال یہ کتاب ایسی داناویر ہے جس کے معائنہ کے بعد کسی بھی مصنف مزاج کے لیے

اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ مذہب شیعوہ اور ائمہ معصومین کے ارشادات کی رو سے موجودہ قرآن قطعاً مخرف ہے، اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسی کہ اس سے پہلی آسمانی کتابوں تورات و انجیل وغیرہ میں ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ یہی عالم شیعوہ علمائے متقدمین کا موقف اور عقیدہ رہا ہے۔ اگر اس موضوع سے متعلق اس کتاب کی وہ تمام عبارتیں نقل کی جائیں جو نقل کرنے کے لائق ہیں تو اندازہ ہے کہ ان کے لیے بچاس صفحات بھی ناکافی ہوں گے اس لیے بطور مشتمتہ نمود از خردارے چند ہی عبارتیں نذر ناظرین کی جاتی ہیں۔

قرآن میں توراۃ و انجیل ہی کی طرح تحریف ہوئی ہے :

مصنف نے فیروار ان دلائل کا ذکر کیا ہے جن سے اُن کے نزدیک قرآن میں تحریف کا ہونا ثابت ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ۱۲ پرانھوں نے اُن روایات کا حوالہ دیا ہے جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی جس طرح توراۃ و انجیل میں ہوئی تھی، ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

الامور الرابع ذکر اخبار	اور چوتھی بات ہے اُن خاص روایات
خلاصة فيهاد لالة او	کا ذکر جو صراحۃً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں
اشارۃ علی کون القرآن	کہ تحریف اور تغیر و تبدل کے واقع
کا لتوراۃ والانجیل فی	ہونے میں قرآن توراۃ اور انجیل ہی
وقوع التعریف والتغییر	کی طرح ہے، اور جو یہ بتلاتی ہیں
فیہ و رکوب المنافقین	کہ جو منافقین امت پر غالب آگئے
الذین استولوا علی الامة	اور حاکم بن گئے (البکر و عمر وغیرہ)
فیہ طریقۃ بنی اسرائیل	وہ قرآن میں تحریف کرنے کے

فیہما، وہی حجة مستقلة
لاثبات المطلوب۔

بارے میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ
پر چل کر بنی اسرائیل نے تورات ذیل
میں تحریف کی تھی اور یہ ہمارا دعو
(یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

(فصل الخطاب ص ۷)

مستقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں
صرف چار وہ ہیں جنہوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان "المقدمة الثالثة"
(تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہائے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغیر تبدیل
ہوا ہے یا نہیں، دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاول وقوع التغیرو والنقصان فیہ وهو مذهب
الشیخ الجلیل علی بن
ابراہیم القمی شیخ الکلبینی
فی تفسیرہ صرح ذالک
فی اولہ وملاً کتابہ من
اخبارہ مع التزامہ فی
اولہ بان لا یدکر فیہ
الامارواہ مشائخہ و
ثقاتہ۔ ومذهب تلمیذہ

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر تبدیل
ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ
حصہ اس میں سے ساقط اور غائب
کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ابوجعفر
یعقوب کلبینی کے شیخ علی بن ابراہیم
قمی کا، انہوں نے اپنی تفسیر کے
موضوع ہی میں اس کو صراحت اور
صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب
کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات
سے بھر دیا ہے اور انہوں نے اس کا

ثقة الاسلام الكلبيني رحمه

الله على مانسبه اليه

جماعة لنقله الاخبار

الكثيرة الصريحة في هذا

المعنى في كتاب المجبه

خصوصا في باب النكت و

التنف من التنزيل و

الروضة من غير تعرض

لردھا اوتاولیھا....

(فصل الخطاب ص ۲۵)

الزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب

میں وہی روایات ذکر کریں گے جن کو

وہ اپنے شارح اور ثقہ حضرات سے

روایت کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے

اُن کے شاگرد ثقہ الاسلام کلبینی رحمہ اللہ

کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے

ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے

کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "الجامع

الکافی" کتاب المجہ میں اور بالخصوص

اس کے باب النکت والتنف من

التنزيل میں اور "کتاب الروضة" میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات

(ائمہ معصومین سے) نقل کی ہیں جو صراحتہ تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر تو

انھوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

[راہم سطور عن کرتا ہے کہ جس شخص نے "الجامع الکافی" کی چاروں جلدوں کا مطالعہ

کیا ہے، بلکہ جس کی نظر سے اس کی صرف وہ روایات بھی گزری ہیں جو تحریف کے موضوع

سے متعلق ناظرین کرام نے گزشتہ چند صفحات میں ملاحظہ فرمائی ہیں، اس کو اس میں شک شبہ

نہیں ہو سکتا کہ اُس کے مؤلف اور جامع ابو جعفر یعقوب کلبینی رازی قرآن میں تحریف اور

کمی بیشی کے قائل ہیں اور انھوں نے اپنی اس کتاب میں ائمہ کی روایات سے اس کا

ایسا ثبوت فراہم کر دیا ہے جس کے بعد شیعہ حضرات کو اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔]

علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف

اُن دو کا ذکر کیا ہے (ابو جعفر یعقوب کلبینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح ہے

کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنہوں نے (شیعی نظریہ کے مطابق) غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا ہے بلکہ اُن کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارہویں امام معصوم امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے۔

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے اُن متقدمین اکابر علماء شیعہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر و تبدل کا دعویٰ کیا ہے، ان کی تعداد بیس چالیس سے کم نہ ہوگی، زیادہ ہی ہوگی۔ اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

ومن جمیع ما ذکرنا وقلنا
بتتبعی القاصر یمكن
دعوی الشهرة العظيمة
بین المتقدمین والمختار
المخالفین فیہم باشتخاص
معینین یا بنی ذکرہم۔
قال السيد المحدث الجزائري
فی الانوار ما معناه ان
الاصحاب قد اطبقوا علی
صححة الاخبار المستفیضة
بل المتواترة بالدالة
بصریحها علی وقوع
التحریف فی القرآن کلامنا
ومادة واعمر اباء القصدین

اتہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود
مطالعہ سے (تحریف کے بارے میں
شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے) جو
اقوال نقل کیے اُن کی بنیاد پر دعویٰ
کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین
کا یہی مذہب عام طور سے مشہور تھا۔
(کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی
ہے) اور اس کے خلاف اے لکھنے والے
بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا
ناموں کے ساتھ ابھی ذکر آجائے گا۔
(آگے مصنف نوری طبرسی نے سید
نعمت الشرجزائی کی کتاب الانوار
النعمانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ
انہوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا

بھا۔ نعم خالف فیہا
 المرتضیٰ والصدوق و
 الشیخ الطبرسی۔
 (فصل الخطاب ص ۳۲)

اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور
 بلکہ متواتر روایات جو صراحتاً بتلاتی
 ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی،
 اس کی عبارت میں بھی، اُس کے
 الفاظ اور اعراب میں بھی، وہ روایات صحیح ہیں اور ان روایات کی تصدیق
 (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق
 ہے۔ ان اس میں صرف شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی
 نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا
 نام ابو جعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں ان سب کی
 عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے۔

ملفوظ ہے کہ یہ چاروں حضرات، ابو جعفر یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم
 قمی سے کافی متاخر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابو علی طبرسی ہیں (ان کا سنہ وفات
 ۵۲۸ ہے) انھوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب
 دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

والی طبقہ لم یعرف
 الخلاف صریحاً الا من
 هذه المشائخ الاربعة
 (فصل الخطاب ص ۳۲)

اور ابو علی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی
 چھٹی صدی ہجری کے وسط تک)
 ان چار شاخ کے سوا کسی کے
 متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انھوں نے
 اس مسئلہ میں صراحتاً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے
 صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو۔)

نیز مصنف نے اسی سلسلہ کلام میں ایک دوسری جگہ ان چاروں حضرات (صدوق، شریف مرتضیٰ، ابو جعفر طوسی اور ابو علی طبرسی) کا اور مسئلہ تحریف میں دوسرے تمام شیعہ علماء متقدمین سے ان کے اختلاف کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

ولم يعرف من القدماء اور ہمارے علمائے متقدمین میں
خامس لہم۔ کوئی پانچواں ان کا ہم خیال

(فصل الخطاب ۳۲) معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

علامہ نوری طبرسی کی ان عبارتوں کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد اپنے ناظرین کو صرف یہ دکھانا تھا کہ متقدمین اور اکابر علماء شیعہ عام طور سے یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا بلکہ آنحضرتؐ کے بعد جو لوگ خلافت پر غاصبانہ طور پر قابض ہو گئے، انھوں نے اس میں تحریف اور کمی زیادتی کی ہے۔ اس مقصد و مدعا کے ثبوت کے لیے فصل الخطاب کی یہ عبارتیں بھی کافی ہیں جو یہاں تک نقل کی گئی ہیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ کی اس کتاب کی چند اور عبارتیں بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔ راقم سطوے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطہ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگادے ہیں۔ اسی سلسلہ میں دلیل ۱۲ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ :

الدلیل الثانی عشر الاخبار	بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ
الواردة فی الموارد المخصوصة	روایات ہیں جو قرآن کے خاص
من القرآن الدالة علی	مقامات کے بارے میں وارد ہوئی

تغییر بعض الكلمات و
 الآیات والسور باحدى
 الصور المتقدمة و هي
 كثيرة جداً حتى قال
 السيد نعمة الله الجزائري
 في بعض مؤلفاته كما حكي
 عنه ان الاخبار الدالة
 على ذلك تزيد على الفی
 حديث وادعی استفاضتها
 جماعة كالمفيد والمحقق
 الداماد والعلامة المجلسی
 وغيرهم بل الشيخ ایضاً
 صرح فی التبیان بکثرتها
 بل ادعی توأنتها جماعة
 یاتی ذکرهم۔

(فصل الخطاب ص ۲۲۷)

ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض
 کلمات اور اس کی آیتوں اور
 سورتوں میں اُن سورتوں میں سے
 کسی ایک سورت کی تبدیلی کی گئی ہے
 جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور
 وہ روایات بہت زیادہ ہیں۔
 یہاں تک کہ (ہم اے جلیل القدر
 محدث) سید نعمت اللہ جزائری نے
 اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے
 جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے
 کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر
 و تبدل کو بتلانے والی ائمہ اہل بیت
 کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے
 زیادہ ہے اور ہمارے اکابر علماء
 کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ مفید

اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے

ان حدیثوں کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی
 نے بھی تبیان میں بصرحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ
 ہے۔ بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا آگے ذکر کئے گا۔ ان
 روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

روایات تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنے والے اکابر علماء شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں اُن اکابر و اعظم علماء شیعہ کا مصنف نے ذکر کیا ہے جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل کی روایتیں متواتر ہیں، اور بلاشبہ اُن کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ مصنف رقم لکھتے ہیں۔

وقد ادعی تواترہ (ای	اور قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل
تواتر وقوع التحریف و	اور اس کو ناقص کیے جانے کی
التغیر والنقص) جماعة	روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ
منہم المولیٰ محمد صالح	کیا ہے ہمارے اکابر علماء کی ایک
فی شرح الکافی حیث قال	جماعت نے، ان میں سے ایک مولانا
فی شرح ماورد "ان القرآن	محمد صالح ہیں، انہوں نے کافی
الذی جاء به جبریل	کی شرح میں اس حدیث کی شرح
الی النبی سبعة عشر الف	کرتے ہوئے جن میں فرمایا گیا ہے کہ
آیة۔ و فی رواية سلیم	جو قرآن رسول اللہ جبریل لیکر
ثمانية عشر الف آیة "	نازل ہوئے تھے اس میں ستر ہزار
مالفظہ "واسقاط بعض	(۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں۔ (اور
القرآن وتحریفہ ثبت	اسی حدیث کی سلیم کی روایت میں
من طرفنا بالتواتر معنی	بجائے ستر ہزار کے اٹھارہ ہزار
کما یظهر لمن تأمل فی	(۱۸۰۰۰) آیات بتلائی گئی ہیں۔)
کتب الاحادیث من اولها	اس حدیث کی شرح میں مولانا

الیٰ آخرھا۔

ومنهم الفاضل قاضی الفضأ

علی بن عبد العالی علی

ماحکی عنه السید فی

شرح الوافیہ بعد ماورد

علی اکثر تلك الاخبار

بضعف الاسناد ما لفظہ

ان ایراد اکابر الاصحاب

لاخبارنا فی کتبہم المعتبرة

التي ضمنوا صحة ما فيها

قاض بصحتها فان لهم

طرقاً تصححها من غیر

جهة الرواة كالاجماع

علی مضمون المتن و

احتفائه بالقرائن المفیدة

للقطع

ومنهم الشيخ المحدث

الجلیل ابو الحسن الشریف

فی مقدمات تفسیرہ۔

ومنهم العلامة المجلسی

قال فی مرآة العقول فی

محمد صالح نے فرمایا ہے اور قرآن

میں تحریف اور اس کے بعض حصوں

کا ساقط کیا جانا، ہمارے طریقوں

سے متواتر معنوی ثابت ہے، جیسا

کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے

ہماری حدیث کی کتابوں کا اول

سے آخر تک غور سے مطالعہ کیا ہے۔

اور انہی علماء میں سے جنہوں نے

قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی

حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ

کیا ہے) ایک قاضی القضاة

علی بن عبد العالی بھی ہیں جیسا

کہ جناب سید نے شرح وافیہ میں

اُن سے نقل کیا ہے، انہوں نے

ان میں سے اکثر روایات کی سندوں

کے ضعف کا ذکر کرنے کے بعد

لکھا ہے کہ ہمارے اکابر محدثین

کا اپنی ان معتبر کتابوں میں جن کی

روایات کی صحت کی انہوں نے

ضمانت کی ہے (تحریف اور کمی بیشی

کی) ان روایات کو بیان کرنا

شرح باب انه لم يجمع
القرآن كله الا الائمة عليهم
السلام بعد نقل كلام
المفيد ما لفظه والاخبار
من طرق الخاصة والعامة
في النقص والتغيير متواترة
ومخططة على نسخة صحيحة
من الكافي كان يقرأها
على والدته وعليها خطهما
في آخر كتاب فضل القرآن
عند قول الصادق
"القرآن الذي جاء به
جبرئيل على محمد سبعة
عشر الف آية" ما لفظه
"لا يخفى ان هذا الخبر
وكتير من الاخبار الصيحة
صريحة في نقص القرآن
وتغييره وعندى ان الاخبار
في هذا الباب متواترة
معنى وطرح جميعها يجب
رفع الاعتماد عن الاخبار

ان روایات کے صحیح ہونے کا
فیصلہ کرتا ہے کیونکہ ان کے لیے
دوسرے طریقے ہیں جو راویوں کے
حال سے قطع نظر کر کے بھی ان
روایتوں کی صحت ثابت کرتے
ہیں۔ مثلاً اس کے متن کے معنوں
پر اجماع و اتفاق اور مثلاً ایسے
قرآن کی موجودگی جن سے اس کے
مضمون کا یقین حاصل ہوتا ہے۔
اور انہی میں سے ایک شیخ
محدث جلیل ابو الحسن الشریف ہیں
انہوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ
میں ان روایات کے معنوی توا
کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ہمارے
انہی علمائے کبار میں سے (جنہوں نے
تحریف کی روایات کے متوازی ہونے
کا دعویٰ کیا ہے) ایک علامہ مجلسی
بھی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب
"مرآة العقول" میں اصول کافی
کے باب "انه لم يجمع القرآن
كله الا الائمة عليهم السلام"

راہا۔ بل ظنی ان الاخبار
فی هذا الباب لا یقصر
عن اخبار الامامة
فکیف یثبتونها
بالخبر

کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل
کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں
کمی اور تبدیلی کیے جانے کے
بائے میں احادیث و روایات
جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں

سے روایت کی گئی ہیں وہ متواتر
(فصل الخطاب ۳۲۸-۳۲۹)

ہیں۔ اور اصول کافی کے اس

نسخہ پر جو انھوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا (اور اس پر ان دونوں کے
قلم کی تحریر ہے) کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادقؑ
کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ ”جو قرآن جبرئیلؑ محمدؐ کے پاس لائے
تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں“ علامہ مجلسی نے اپنے
قلم سے لکھا ہے کہ ”ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح
حدیثیں مہرحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی
ہے۔ (اس کے آگے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس باب
میں حدیثیں (معنی کے لحاظ سے) متواتر ہیں، اور ان سب کو نظر انداز کرنے
کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث و روایات پر سے اعتماد بالکل اٹھ جائے گا۔

(اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتبار ہو جائے گا) بلکہ میرا گمان ہے
کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں۔ مسئلہ امامت
کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں۔ پھر (جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا
جاسکے گا تو) مسئلہ امامت کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے)
احادیث و روایات سے کپوں کر ثابت کیا جاسکے گا۔

قرآن میں تحریف کی روایات متعلق تین اہم باتیں:

علامہ نوری طبرسی نے "فصل الخطاب" میں جو عبارتیں ان متقدمین اور متاخرین شیعہ علماء کی جو مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں تحریف کے بارے میں نقل کی ہیں (جن میں سے چند ناظرین کرام نے ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں) ان میں تین باتیں مہارت اور صفائی کے ساتھ لکھی گئی ہیں جو بہت اہم ہیں اور اس سلسلہ پر غور کرنے وقت ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ایک یہ کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی روایات (جو ائمہ معصومین کے ارشادات ہیں) متواتر ہیں۔ سید نعمت اللہ جزائری محدث کی تصریح کے مطابق دوسرے بھی زیادہ ہیں اور علامہ مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں زیادہ ہی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہ روایات اور ائمہ کے یہ ارشادات قرآن میں تحریف اور کمی اور تبدیلی کو ایسی مہارت اور صفائی کے ساتھ بتلائے ہیں جس کے بعد کسی کے لیے شک شبہ کی اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) تیسرے یہ کہ اسی کے مطابق متقدمین علماء شیعہ کا عقیدہ رہا ہے۔ صرف چار حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

کیا کسی صاحب علم شیعہ کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش ہے؟

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تحریف کے بارے میں ائمہ معصومین کی ہزاروں روایات کے ہوتے ہوئے لیکن میں بہت بڑی تعداد "الجامع الکافی" جیسی معتبر ترین کتابوں میں ہے، اور مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھنے والے اکابر علماء کے اس اعتراض

اور اقرار کے باوجود کہ یہ روایات متواتر ہیں اور صراحتاً تحریف پر دلالت کرتی ہیں، اور انہی کے مطابق ہمارے علمائے متقدمین کا عقیدہ رہا ہے۔ کیا کسی صاحب علم اور باخبر شیعہ کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش رہتی ہے؟ — ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں تقیہ کی بنیاد پر انکار کیا جاسکتا ہے جس طرح شیعہ روایات کے مطابق ائمہ نے ازراہ تقیہ اپنی امامت سے بھی انکار فرمایا ہے۔ اس لیے قیاس یہی ہے کہ ان چار حضرات نے تحریف سے انکار تقیہ ہی کی بنیاد پر کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

شیعی دنیا میں علامہ نوری طبرسی کا مقام و مرتبہ

ہم یہاں اپنے ناظرین کو یہ بتلانا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ”فصل الخطاب“ کے مصنف علامہ نوری طبرسی کو (جنہوں نے قرآن مجید میں، طرح کی تحریف، کمی بیشی اور تغیر و تبدل ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب تصنیف فرمائی) شیعہ دنیا میں عظمت و تقدس کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب ۱۳۲۰ھ میں اُن کا انتقال ہوا تو ان کو خف اشرف میں شہد مرتضوی کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک ”اقدس البقاع“ یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے۔

یہ علامہ نوری طبرسی اپنے دور میں شیعوں کے عظیم مجتہد ہونے کے ساتھ بہت بڑے محدث بھی تھے ان کی مرتب کی ہوئی حدیث کی ایک کتاب ”مستدرک الوسائل“ ہے۔ یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ رُوح اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب ”الحکومت الاسلامیہ“ میں

اپنے نظریہ "ولایۃ الفقیہ" کے سلسلے میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے اور وہاں علامہ نوری طبرسی کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ حالانکہ وہ ان کی کتاب "فصل الخطاب" سے یقیناً واقف ہیں اور ہر شیعہ عالم واقف ہے۔

"فصل الخطاب" کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب یہ کتاب تیسری صدی ہجری کے اواخر میں شائع ہوئی تو ایران و عراق کے شیعہ علماء کی طرف سے جنھوں نے عقیدہ تحریف سے انکار کی پالیسی اپنائی تھی، اس کے خلاف بڑا ہنگامہ برپا کیا گیا اور معلوم ہوا ہے کہ اس کا جواب بھی لکھا گیا۔ علامہ طبرسی نے اس کے جواب میں بھی مستقل کتاب لکھی، اس کا نام ہے "رد الشبہات عن فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب باب الارباب"۔

واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں نے شیعہ حضرات کے لیے عقیدہ تحریف سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ وَكُفِيَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقُنَالَ

قرآن کی ایک سورۃ جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے

تحریف کے مسئلہ پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا تھا اس پر اس موضوع کو ختم کر دیا گیا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے اسی موضوع سے متعلق ایک ایسی چیز ملی جس کو اس سلسلہ کلام کا خاتمہ بنانا مناسب سمجھا گیا۔

اب سے قریب ایک صدی پہلے عراق کے علامہ سید محمود شکاری آلوسیؒ نے "تحفۃ اثنا عشریہ" کی عربی میں تلخیص کی تھی جو مختصر التحفۃ الاثنا عشریہ کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں مہر کے ایک جلیل القدر عالم شیخ محی الدین الخطیب نے (جنھوں نے چند ہی برس پہلے وفات پائی ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے شیعیت کے سلسلہ میں بہت کام لیا) اس کو ایڈٹ کیا اور تصحیح و تحشیہ اور مقدمہ

کے اضافہ کے ساتھ شائع کرایا، اس میں انھوں نے ایران میں لکھے ہوئے قرآن کے ایک قلمی نسخہ سے لیا ہوا ایک سورہ (سورۃ الولایۃ) کا فوٹو بھی شائع کیا ہے (جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے) اس کے بائے میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

پروفیسر نولدر کی (NOELDEKE) نے اپنی کتاب تاریخ مصاحف

قرآن (HISTORY OF THE COPIES OF THE QURAN)

میں اس سورۃ کو شیخ فرقہ کی معروف کتاب "دبستان مذاہب" (فارسی) (مفسد محسن خانی کشمیری) کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کے متعدد ایڈیشن ایران میں شائع ہو چکے ہیں۔ مہر کے ایک بڑے ماہر قانون پروفیسر محمد علی سعودی نے مشہور مستشرق براؤن (BROWN) کے پاس ایران میں لکھا ہوا قرآن کا ایک قلمی نسخہ دیکھا تھا، اُس میں یہ "سورۃ الولایۃ" تھی، انھوں نے اس کا فوٹو لے لیا جو مہر کے رسالہ "الفتح" کے شمارہ ۸۴۲ کے صفحہ ۹ پر شائع ہو گیا تھا۔

شیخ محی الدین الخطیب نے اسی کا عکس اپنی کتاب کے ص ۳۱ پر شائع کر دیا ہے۔ ہم اس کا فوٹو نذر ناظرین کر رہے ہیں۔ بین السطور میں فارسی ترجمہ بھی ہے جس کا قلم بہت باریک ہے اور بعض الفاظ عکس میں صاف نہیں ہیں۔ اس سورۃ الولایۃ کے بائے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ نوری طبرسی نے بھی اپنی کتاب فصل الخطاب میں اس سورۃ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو قرآن مجید سے ساقط کر دی گئی ہیں۔ (فصل الخطاب ص ۲۲)

"سورۃ الولایۃ" کا فوٹو اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

سورة الوائت سبع ايات

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِالْبَيْتِ وَالْأُولَى الدِّينِ بِعَنَّا هَا

يَهْدِيَانَا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ نَبِيٍّ دُونِي لَعَفُفُهُمَا مَنِ اعْتَصَرَ

أَوَامَنَا الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝ إِنَّ الدِّينَ يُوَفُّونَ بِعَهْدِ اللَّهِ لَمْ يَجْعَلِ النِّعَمَ

وَالدِّينَ إِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْكُمْ أَيْتَانَا كَانُوا بِآيَاتِنَا مُكْذِبِينَ ۝

لَمْ يَجْعَلْ فِي سَمْعِهِمْ مَقَامًا عَظِيمًا إِذَا نَادَىٰ نَادَىٰ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ

الظَّالِمُونَ الْمَكْذِبُونَ لِلرَّسُلِينَ ۝ مَخْلُوقَهُمُ الْمُرْسَلِينَ لَا يَأْتِي

الْبَيْتَ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَهُمُ الْإِلَاحَ إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۝ وَسَيُجَنَّبُكَ

وَمِنْ شَرِّ الشَّاهِدِينَ ۝

وَمِنْ شَرِّ الشَّاهِدِينَ

پہنچا اور قابل ذکر عقائد و مسائل

یہاں تک اس مقالہ میں جو کچھ لکھا گیا اس عاجز راقم سطور کے خیال میں وہ اہل سنت کو شیعہ مذہب کی حیثیت سے واقف کرانے کے لیے بڑی حد تک کافی ہے تاہم اب خاتمہ کلام میں شیعہ حضرات کے دو تین اور مسائل بھی نذر ناظرین کرنا انشاء اللہ مزید بصیرت کا باعث ہوگا۔

بعینہ عیسائیوں والا کفارہ کا عقیدہ :

علامہ باقر مجلسی نے ایک طویل روایت کے سلسلہ میں امام جعفر صادق کے خاص مرید مفصل بن عمر کے ایک سوال کے جواب میں ان کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق فرمود کہ	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے مفصل
اے مفصل رسول خدا دعا کر کہ	رسول خدا نے دعا کی کہ خداوند ا
خداوند اگناہان شیعان برادر	میرے بھائی علی بن ابی طالب کے
من علی بن ابی طالب و شیعان	شیعوں اور میرے اُن فرزندوں کے
فرزندان من کہ ادھیائے منند	جو میرے وہی ہیں شیعوں کے رگلے
گناہان گزشتہ و آئندہ ایثاں را	پچھلے روز قیامت تک کے سب گناہ تو
تا روز قیامت بر من بار کن و مرا	میرے اوپر لا دے اور شیعوں کے
در میان پیغمبراں بسبب گناہان	گناہوں کی وجہ سے پیغمبروں کے
شیعان رسوا مکن پس حق تعالیٰ	درمیان مجھے رسوا نہ کر تو حق تعالیٰ
گناہان شیعان را بر آنحضرت بار	نے تمام شیعوں کے گناہ آنحضرت پر

کرد وہمہ را برائے آنحضرت
لادد کے اور پھر وہ سائے گناہ
آنحضرت کی وجہ سے بجھدے۔

امریزید

(حق الیقین ص ۱۳۸)

ناظرین بانصاف (شیعہ حضرات بھی) غور فرمائیں کیا یہ عیسائیوں کے کفارہ
کے عقیدہ سے کچھ بھی مختلف ہے؟

اگے اسی روایت میں اسی صفحہ پر یہ بھی ہے کہ

مفصل پرسید اگر یکے از شیعیان
مفصل نے دریافت کیا کہ اگر آپ
شما و میر و قرضے از برادران
شیعوں میں سے کوئی اس حالت میں
مومن در ذمہ او باشد چگونہ خواهد
مر جائے کہ اس کے ذمہ کسی مومن
شد؟ حضرت فرمود کہ اول مرتبہ
بھائی کا (یعنی کسی شیعہ کی کا) قر
حضرت مہدی نذا فرماید در تمام
ہو تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ تو
عالم کہ ہر کہ قرضے بر یکے از شیعیان
حضرت امام نے فرمایا کہ جب امام مہدی
ماداشتہ باشد بیاید و بگیرد پس
ظاہر ہوں گے تو وہ سب سے پہلے
ہم را بدہد و ادا فرماید۔
ساری دنیا میں یہ منادی کرائیں گے

(حق الیقین ص ۱۳۸)

کہ ہمارے شیعوں میں سے اگر کسی

کسی کا قرضہ ہو تو وہ آئے اور ہم سے وصول کر لے۔ پھر آپ سب قرضوں
کا قرضہ ادا فرمادیں گے۔

کر بلا کعب سے فضل اور برتر:

اسی حق الیقین میں ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے انہی مرید مفصل کو دینی
حقائق و معارف بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

بد رستیکہ بقہائے زمیں بایکدگر
مفاخرت کردند، پس کعبہ معظمہ پر
کربلائے معلیٰ فخر کرد۔ حق تعالیٰ
وحی فرمود بکعبہ کہ ساکت شو
فخر بر کربلا ممکن ...

فرمائی کہ خاموش ہو جاؤ! اور

کربلا کے مقابلہ میں فخر اور برتری کا دعویٰ مت کرو۔

اُن کے روایت میں ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کربلا کی وہ خصوصیات اور فضیلتیں بیان فرمائیں جن کی وجہ سے اس کام تیرہ کعبہ معظمہ سے برتر اور بالاتر ہے۔ (حمایقین ص ۱۳۵)

بعض انتہائی شرمناک مسائل

شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں میں حضرات ائمہ معصومین سے بعض ایسے مسائل بھی روایت کیے گئے ہیں جو انتہائی شرمناک ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ ہرگز ان مقدس بزرگوں نے ایسی بات نہ فرمائی ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل کا نقل کرنا بھی اذیت ناک اور سخت ناگوار ہے لیکن ناظرین کو یہ بتلانے کے لیے کہ انکی معتبر ترین کتابوں میں ایسے مسائل بھی ائمہ کی طرف منسوب کر کے روایت کیے گئے ہیں دل پر جبر کر کے ان میں سے صرف ایک مسئلہ بطور مثال کے یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔
— ان کی اصح الکتاب الجامع الکافی کے دوسرے حصہ ”فروع کافی“ میں پوری سند کے ساتھ امام جعفر صادق کا یہ ارشاد اور فتویٰ روایت کیا گیا ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام روایت
النظر الی عورۃ من لیس ہے آپ نے فرمایا کسی غیر مسلم (عورت

بمسلم مثل نظرك الى

عورة الحمار۔

(فروع کافی جلد دوم جز ثانی ص ۶۱)

یا مرد کی شرمگاہ کو دیکھنا ایسا ہی ہے

جیسا کہ گدھے کی (یعنی کسی جانور کی)

شرمگاہ کو دیکھنا (مطلبت ہوا کہ یہ کوئی

گناہ کی بات نہیں ہے)

خدا کے لیے شیعہ حضرات بھی غور فرمائیں حضرت امام جعفر صادق تو ایک مقدس بزرگ
ہیں، کیا کوئی بھی سلیم الفطرت اور شریف النسل ایسی شرمناک اور حیا سوز بات زبان سے
نکال سکتا ہے اور وہ بھی شرعی مسئلے اور فتوے کے طور پر؟

فروع کافی کے اس باب میں اس طرح کے اور بھی متعدد شرمناک اور حیا سوز
مسائل حضرات ائمہ معصومین کی طرف منسوب کر کے روایت کیے گئے ہیں۔ ہمیں یقین
ہے کہ یہ سب ان بزرگوں پر افترا ہے۔ ان حضرات کا دامن ان ساری خرافات
سے پاک ہے۔

متعہ صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے

نماز، روزہ اور حج سے بھی افضل عبادت ہے

متعہ شیعہ اثنا عشریہ کا مشہور مسئلہ ہے، لیکن بہت کم لوگ ہوں گے جو یہ جانتے ہوں کہ اثنا عشری مذہب میں متعہ صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اور اس کا اجر و ثواب، نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور بلاشبہ یہ شیعہ مذہب کی خصوصیات اور امتیازات میں سے ہے۔ ہمارے علم میں دنیا کا کوئی دوسرا ایسا مذہب نہیں جس میں کسی ایسے فعل کو اس درجہ کی عبادت اور ترقی درجات کا ایسا وسیلہ بتایا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک مستند تفسیر ”منہج الصادقین“ کے حوالہ سے ایک روایت پہلے نقل کی جا چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے وہ امام حسینؑ کا درجہ پائے گا، اور جو دو دفعہ کرے وہ امام حسینؑ کا اور جو تین دفعہ کرے وہ امیر المومنین علیؑ کا درجہ پائے گا اور جو چار دفعہ یہ نیک کام کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ پائے گا (نعوذ باللہ) تنہا یہی شیعہ روایت یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک متعہ، تمام عبادات سے افضل اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اُن کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ نماز، روزہ یا حج کرنے سے کوئی شخص ان ”اکمہ معصومین“ اور خود رسول خدا کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ناظرین کرام اسی موضوع سے متعلق دو تین روایتیں اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ مجلسی جن کی مختلف کتابوں کے حوالہ سے بہت سی روایات پہلے بھی

ذکر کی جا چکی ہیں، اور یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ وہ دسویں اور گیارہویں صدی
ہجری کے بہت بڑے شیعہ مجتہد، محدث اور عظیم مصنف ہیں (ان کے تذکرہ نگاروں
نے ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ بتلائی ہے جن میں سے ایک "بحار الانوار"
پچیس جلدوں میں ہے، ان کے علاوہ "حیات القلوب" "جلاۃ العیون" "زاد المعاد"
اور "حق یقین" وغیرہ بھی ان کی ضخیم کتابیں ہیں، بلاشبہ ان کی یہ کتابیں شیعہ مذہب
میں ان کے علمی تبحر کی دلیل ہیں) ان کی زیادہ تر تصانیف فارسی زبان میں ہیں
اور یہ بات بھی پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ روح اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار"
میں فارسی دانوں کو مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی کتابوں کے مطالعہ
کا مشورہ دیا ہے، اور خود اپنی تصانیف میں بھی ان کی کتابوں کے حوالہ سے روایات
نقل کی ہیں۔ بہر حال انہی علامہ مجلسی کا متعہ کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ
ہے، یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ (عجائب حسنہ کے نام سے)
اب سے قریباً ستر سال پہلے ایک شیعہ عالم سید محمد جعفر قدسی جالسی نے کیا تھا جو
اس وقت سے برابر چھپتا رہا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کا تازہ ایڈیشن ہے
جو "امامیہ جنرل بک ایجنسی۔ لاہور" کا شائع کیا ہوا ہے۔ علامہ مجلسی نے اس سالہ
میں متعہ کے آداب و احکام اور ضروری مسائل بھی لکھے ہیں اور فضائل بھی۔
تمہیدی مضمون کے بعد پہلے اس کی تفصیلت اور بے پایاں اجر و ثواب کی کا بیان کیا
گیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل طویل "حدیث" نقل فرمائی ہے۔
اور علامہ مجلسی نے اس کو "صحیح حدیث" لکھا ہے۔ ذیل میں "عجائب حسنہ" سے "حدیث"
کا اردو ترجمہ ہی درج کیا جا رہا ہے۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں!

"حضرت سلمان فارسی و مقداد بن اسود کندی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم
حدیث صحیح روایت کرتے ہیں کہ جناب ختم المرسلینؐ نے ارشاد فرمایا، جو

شخص اپنی عمر میں ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ اہل بہشت میں سے ہے
 جب زنِ متعہ کے ساتھ متعہ کرنے کے ارادہ سے کوئی بیٹھتا ہے
 تو ایک فرشتہ اترتا ہے اور جب تک اس مجلس سے وہ باہر نہیں
 جاتے ان کی حفاظت کرتا ہے، دونوں کا آپس میں گفتگو کرنا سبچ
 کا مرتبہ رکھتا ہے، جب دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں
 ان کی انگلیوں سے ان کے گناہ ٹپک پڑتے ہیں، جب مرد عورت کا
 بوسہ لیتا ہے خدائے تعالیٰ ہر بوسہ پر پچیس ثواب حج و عمرہ بخشا ہے۔

جس وقت وہ عیشِ مباشرت میں مشغول رہتے ہیں پروردگار عالم ہر
 ایک لذت و شہوت پر ان کے کھدے میں پہاڑوں کے برابر ثواب عطا
 کرتا ہے۔ جب فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کا
 بھی یقین رکھتے ہوں کہ ہمارا خدا حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور متعہ کرنا
 سنت رسول ہے۔ تو خدا ملائکہ کی طرف خطاب کرتا ہے کہ میرے
 ان بندوں کو دیکھو جو اٹھے ہیں اور اس علم و یقین کے ساتھ غسل
 کر رہے ہیں کہ میں ان کا پروردگار ہوں، تم گواہ رہو میں نے ان کے
 گناہوں کو بخش دیا ہے۔ وقت غسل جو قطرہ ان کے منہ بدن
 سے ٹپکتا ہے ہر ایک بوند کے عوض میں دس ثواب عطا، دس دس

گناہ معاف اور دس دس درجہ مراتب ان کے بلند کیے جاتے ہیں۔

راویانِ حدیث (سلمان فارسیؓ وغیرہ) بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین
 علیؓ بن ابی طالب نے متعہ کی فضیلتیں سن کر عرض کیا، اے حضرت
 ختمی مرتبت میں آپ کی تصدیق کرنے والا ہوں، جو شخص اس کا اخیر
 میں سعی کرے اس کے لیے کیا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا جس وقت

فانی ہو کر غسل کرتے ہیں باری تعالیٰ عز اسعہ ہر قطرہ سے جو انکے بدن سے جدا ہوتا ہے ایک ایسا ملک (فرشتہ) خلق کرتا (بید کرتا) ہے جو قیامت تک تسبیح و تقدیس ایزدی بجالاتا ہے اور اس کا ثواب ان کو (یعنی متعہ کرنے والے مرد و عورت کو) پہنچتا ہے۔“

(عجالاترجمہ رسالہ متعہ از علامہ باقر مجلسی اصفہانی ص ۱۶ تا ۱۷ طبع لاہور)

اس طویل حدیث کے بعد علامہ مجلسی نے متعہ کی فضیلت میں دوسری یہ مختصر حدیث رقم فرمائی ہے۔

”حضرت سید عالمؑ نے فرمایا ”جس نے زنِ مومنہ سے متعہ کیا گویا اس نے ستر تہ خاتمہ کی زیارت کی (عجالاترجمہ ص ۱۷)“

اس کے آگے اور بھی متعدد حدیثیں متعہ کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب سے متعلق ذکر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی آخری حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

جس نے اس کا ریخ (متعہ) میں زیادتی کی ہوگی پروردگار اس کے مدارج اعلیٰ کرے گا.... یہ لوگ بجلی کی طرح مراط سے گزر جائیں گے۔

ان کے ساتھ ساتھ ستر صفیں ملائکہ کی ہوں گی، دیکھنے والے کہیں گے

یہ ملائکہ مقرب ہیں یا انبیاء و رسل؟ فرشتے جواب دیں گے یہ وہ

لوگ ہیں جنہوں نے سنت پیغمبرؐ کی اجابت (بجا آوری) کی ہے (یعنی

متعہ کیا ہے) اور وہ بہشت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔....

یا علی! برادر مومن کے لیے جو سعی کرے گا اس کو بھی انہی کی طرح

ثواب ملے گا“ (عجالاترجمہ ص ۱۸)

ناظرین کرام نے علامہ مجلسی کی نقل کی ہوئی ان شیعی روایات سے جو انھوں نے رسول پاک ﷺ اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے اس رسالہ میں حوالہ قلم فرمائی ہیں سمجھ لیا

ہوگا کہ شیعہ مذہب میں متعہ نماز روزہ اور حج وغیرہ تمام ہی عبادات سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل درجہ کی عبادت ہے۔

متعہ کیا ہے؟ ہمارا اندازہ ہے کہ ناظرین کرام میں بہت سے حضرات متعہ کی حقیقت سے واقف نہ ہوں گے اس لیے مختصر عرض کیا جاتا ہے۔
 متعہ کا مطلب ہے کہ کوئی مرد کسی بھی بے شوہر والی غیر محرم عورت سے، وقت کے تعین کے ساتھ مقررہ اجرت پر متعہ کے عنوان سے معاملہ طے کر لے تو اس وقت کے اندر اندر یہ دونوں مباشرت اور ہم بستری کر سکتے ہیں۔ اس میں شاہد، گواہ، قاضی، وکیل کی اور اعلان کی بلکہ کسی تیسرے آدمی کے باخبر ہونے کی بھی ضرورت نہیں، چوری چھپے بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے (اور معلوم ہوا ہے کہ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم) متعہ کرنے والے مرد پر عورت کے نان نفقہ اور لباس، رہائش وغیرہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی جس مقررہ اجرت ہی ادا کرنی ہوتی ہے۔ مقررہ مدت یا وقت ختم ہونے کے ساتھ متعہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جناب روح اللہ خمینی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر الوسیلہ کے حوالہ سے یہ بات ناظرین کرام کو پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ متعہ جسم فروشی کا پیشہ کرنے والی زنان بازاری سے بھی کیا جاسکتا ہے اور وہ صرف گھنہ دو گھنہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔

شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتاب "الجامع الکافی" کے آخری حصہ کتاب الروضہ میں امام جعفر صادق کے ایک مخلص شیعہ محمد بن مسلم کا متعہ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے متعہ کی حقیقت سمجھنے میں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے اس لیے اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

خود محمد بن مسلم نے بیان کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا، میں نے وہ خواب حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کیا اور اس کی تعمیر

چاہی.... حضرت امام نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی عورت سے متو
 کرونگے، تمہاری بیوی کو اس کا پتہ چل جائے گا، وہ تم پر ٹوٹ
 پڑے گی اور تمہارے کپڑے پھاڑ ڈالے گی۔ (آگے محمد بن مسلم نے
 بیان کیا) کہ یہ جمعہ کا دن تھا اور صبح کو حضرت امام نے میرے خواب
 کی یہ تعبیر بتلائی تھی۔ آگے اصل روایت کا متن بھی پڑھ لیا جائے۔

فلما كان غداة الجمعة وانا جالس بالباب ان
 مرت جارية فاعجبتني فامرت غلامي فردّها
 ثم ادخلها لادي فتمتعت بها فاحست بي وبها
 اهلى فدخلت علينا البيت فبادرت الجارية مخو
 الباب فبعيت انا فمزقت على ثيابا جردا كنت
 البسها في الاعياد (كتاب الروضة ص ۱۳۷)

پھر اسی جمعہ کے دوپہر کو یہ واقعہ ہوا
 کہ میں اپنے دروازہ پر بیٹھا تھا
 سامنے سے ایک لڑکی گزری جو
 مجھے بہت اچھی لگی، میں نے اپنے
 غلام سے اس کو بلانے کے لیے کہا،
 وہ اس کو لے آیا اور میرے پاس
 پہنچا دیا، میں نے اس کے ساتھ متو
 کیا۔ میری بیوی نے کسی طرح اس کو
 محسوس کر لیا وہ ایک دم اس کمرہ میں
 گھس آئی، لڑکی تو فوراً دروازہ کی
 طرف بھاگ گئی، میں اکیلا رہ گیا تو
 بیوی نے میرے کپڑے جو میں عید وغیرہ
 کے مواقع پر پہنا کرتا تھا، ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

ہمارا خیال ہے کہ متو کی حقیقت سمجھنے کے لیے نہایت روایت بھی کافی ہے۔ اصل قابل غور بات
 یہ ہے کہ یہ ہے وہ متو جس کا وہ درجہ اور وہ اجر و ثواب ہے جو مندرجہ بالا روایات میں بیان
 کیا گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

حرف آخر

ایک نیازمند اور مخلصانہ عرضداشت

کتاب کے ”پیش لفظ“ میں یہ بات وضاحت اور تفصیل سے عرض کی جا چکی ہے کہ جبے ایران میں آیتہ اللہ روح اللہ خمینی صاحب کی قیادت میں انقلاب برپا ہوا ہے، یہ بات بہت زور و شور سے کہی، اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہے کہ آیتہ اللہ روح اللہ خمینی صاحب کی ذات میں عالم اسلام کو وہ مثالی رہنما و قائد اور امام و رہبر مل گیا ہے جس کا صدیوں سے انتظار تھا، وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی علامت ہیں، ان کی لکڑی سے ایوانہائے کفر لرز اٹھے ہیں، اور ان کی شخصیت سے معاشرہ میں طبقہ علماء و فقہاء کا قائدانہ منصب بحال ہو گیا ہے۔ پوری قوت سے، بلا کسی تحفظ کے یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ خمینی صاحب، نہ روایتی شیعہ ہیں، نہ روایتی سنی، زیادہ سے زیادہ، ان کے بارے میں بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ فروعی مسائل میں فقہ جعفری پر عمل کرتے ہیں (اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے) ورنہ اپنے افکار و نظریات، مزاج و منہاج اور اصول و عقائد کے اعتبار سے وہ اسلام اور صرف اسلام کے داعی ہیں۔ وحدتِ اسلامی ان کا سب سے بڑا خواب ہے۔ وہ شیعہ سنی اختلاف سے بیزار ہیں، وہ خلفائے راشدین کا احترام کرتے ہیں اور شیعہ سنی اختلاف کی باتیں چھیڑنے والے کو شیطانی و طاعنوتی طاقتوں کا آلہ کار سمجھتے ہیں، ان کے انقلاب کے عالمگیر نعروں میں سے ایک،

ثورة اسلامیہ، لاشیعہ و لاسنیہ ہے۔ لہذا ان کا برپا کیا ہوا انقلاب صرف اور صرف اسلامی انقلاب ہے۔

غور فرمایا جائے، ایک عام مسلمان جس نے نہ خمینی صاحب کی تصانیف کا خود مطالعہ کیا ہے، نہ وہ ایرانی انقلاب کی فکری بنیادوں سے واقف ہے، نہ وہ شیعیت کے آغاز، اس کی تاریخ اور افکار و عقائد کے بارے میں کچھ جانتا ہے، نہ اس کو وہ ذوق ایمانی، اور قرآن و حدیث اور مزاج اسلامی کی وہ عمیق اور براہ راست معرفت اور سمجھ حاصل ہے جو ان اوصاف کے حامل بندگان خدا کی تربیت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور جو غلط فہمیوں، غلط اندازوں اور پر فریب نعروں کا شکار ہونے سے بچانے میں سب سے زیادہ کارآمد وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔ مگر اسے تمنا ہے کہ وہ اپنے دین، اپنی تہذیب اور اللہ کے نام کو سر بلند دیکھے لیکن اپنے گرد و پیش اور عالم اسلام کے حالات میں اسے ہر طرف حوصلہ شکن اور ایوس کن مناظر ہی نظر آتے ہیں، ایک ایسے شخص کو جس کا یہ حال ہو اگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانی انقلاب کے اس تعارف سے متاثر ہے جس کا خلاصہ اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا ہے اور وہ خمینی صاحب اور ان کے برپا کردہ انقلاب کی تائید کر رہا ہے تو اس میں ہمارے نزدیک نہ تعجب کی بات ہے نہ ملامت کی، بلکہ ہمارے نزدیک ہمارا وہ نیک نیت اور سادہ دل بھائی ہمدردی کا مستحق ہے۔

گذشتہ ڈھائی سو صفحات میں اس عاجز نے اس کی کوشش کی ہے کہ ایسے تمام حضرات کے سامنے

۱۔ ایرانی انقلاب کی مخصوص فکری بنیادیں واضح ہو جائیں۔

۲۔ خمینی صاحب کے افکار و نظریات اور ان کا مزاج و منہاج انہی کی کتابوں سے سامنے آجائے۔

۳۔ شیعیت کے آغاز کی تاریخ اور اس کے بنیادی اصول و عقائد شیعہ مذہب کے ہی مستند ترین مآخذ کی روشنی میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں — تاکہ ان تینوں موضوعات کے بارے میں علی وجہ البصیرۃ رائے قائم کی جاسکے۔ گذشتہ صفحات میں آپ نے جو کچھ پڑھا، اس کا حاصل چند سطروں میں یہ ہے کہ —

۱۔ ایرانی انقلاب خمینی صاحب کے پیش کردہ فلسفہ "ولایت فقیہ" کی بنیاد پر قائم ہے اور "ولایت فقیہ" کا یہ فلسفہ امام مہدی کی غیبت کے عقیدہ پر مبنی ہے۔ اور امام مہدی کی غیبت کی کہانی نہ صرف یہ کہ تاریخی طور پر ایک خرافہ ہے، بلکہ اسکے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ امامت اور ائمہ کے اس پورے سلسلہ پر ایمان لایا جائے جو اثنا عشری امامی مذہب کی اساس و بنیاد ہے اور جو عقیدہ توحید اور ختم نبوت کے بالکل منافی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خمینی صاحب کے نزدیک امام مہدی کے ظہور تک اسلامی حکومت اسی ولایت فقیہ کے فلسفہ کے مطابق قائم کی جاسکتی ہے۔ اس کے بغیر اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ ان کی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" میں پوری وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

۲۔ جہاں تک خمینی صاحب کے افکار و نظریات کا تعلق ہے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ:

۱۔ خمینی صاحب ائمہ کے بارے میں وہی خیالات رکھتے ہیں جو اثنا عشری امامی مسلک کے قدیم علماء و مصنفین رکھتے تھے۔ وہ پوری صراحت کے ساتھ ائمہ کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل قرار دیتے ہیں بلکہ انھیں صفات الوہیت کا بھی حامل مانتے ہیں۔

ب۔ خمینی صاحب صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے بارے میں انتہائی گھناؤنی اور ناپاک رائے رکھتے ہیں، وہ ان کے ایمان و اسلام کے بھی منکر ہیں

اور ان کا تذکرہ آخری درجہ کے پست کردار، اغراض کے بندے، اقتدار کے بھوکے اور خالص سازشی ذہن اور سیاسی ہتھکنڈوں والے منافقین کے ایک ٹولے کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اور ان سے عقیدت و محبت ہی کے جرم میں وہ اولین و آخرین اہل سنت کو ناذابل معافی مجرم، خدا اور رسول کا باغی اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔ الغرض ان دونوں سکوں میں جو بلاشبہ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں وہ اپنے پیشرو غالی اثنا عشری علماء سے اپنی ان کتابوں کے صفحات میں بھی ذرہ برابر مختلف نہیں نظر آتے جو پورے عالم اسلام میں پھیل رہی ہیں جس کی غالب اکثریت سنی ہے (صماغنی صدور و رھما صبر)

۳۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ایرانی انقلاب کی بنیاد شیعہ مذہب کے چند بنیادی عقائد پر مبنی نظریات پر رکھی گئی ہے، اور پھر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جناب ختمی صفا خالصہ اثنا عشری امامی شیعہ مذہب کے راسخ العقیدہ عالم و داعی ہیں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ اثنا عشری امامی مذہب کب اور کیوں وجود میں آیا؟ اور اس کے بنیادی اصول و عقائد کیا ہیں؟ تاکہ ان کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص خود اس بارے میں آزادانہ رائے قائم کر سکے کہ ان عقائد و نظریات کے حامل شخص اور ان پر مبنی انقلاب و دعوت انقلاب کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے کس حد تک تعلق تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت سے ناچیز راقم سطو نے اس مذہب کے تقریباً تمام ہی اہم مآخذ کا از سر نو مطالعہ کیا، اس مطالعہ کا صرف حاصل اس کتاب کے دوسو سے زائد صفحات میں پیش کیا جاسکا ہے۔ اپنے اس میں ملاحظہ فرمایا کہ۔

۱۔ شیعیت، اسلام کی اندر سے تخریب کاری اور مسلمانوں میں اختلاف و شقاق پیدا کرنے کے لیے یہودیت و مجوسیت کی مشترکہ کاوش سے اس وقت وجود میں

آئی تھی جب یہ دونوں قوتیں طاقت کے بل پر اس کی برق رفتاری سے پھلتی ہوئی دعوت کو روکنے میں ناکام رہی تھیں اور اسی لیے شیعیت کا تانا بانا پولوس کی تصنیف کردہ مسیحیت کے تانے بانے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ جس نے عیسائی بن کر اندر سے عیسائیت کی تخریب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوئے دین حق کی تخریب کی کامیاب کوشش کی تھی، جس کا نتیجہ موجودہ عیسائی مذہب ہے۔

ب۔ شیعیت، خاص کر اثنا عشری مذہب اسی و بنیادی عقیدہ امامت ہے۔ اتنی بات، اتنے ہی اجمال و ابہام کے ساتھ عام طور سے ہم سنی لوگ جانتے ہیں، لیکن منصب امامت کی جو حقیقت اور ائمہ کا جو درجہ، اور ان کے اختیارات کا جو طول و عرض آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہے اس سے اس مسئلہ کی ایک بالکل نئی تصویر سامنے آتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منصب امامت الوہیت و نبوت کا ایک مرکب ہے اور اس منصب کے حامل ائمہ خداوندی صفات و اختیارات اور مقام نبوت دونوں کے جامع ہیں یعنی عقیدہ امامت کی زبردہ راست عقیدہ توحید اور عقیدہ ختم نبوت پر ٹپتی ہے۔

پھر آپ نے گزشتہ صفحات میں اثنا عشری مذہب کے چند اور عقائد و مسائل ملاحظہ فرمائے جو فی الحقیقت عقیدہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں سے ہیں جن میں سرفہرست قرآن میں تخریف کا عقیدہ اور تمام صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے بارے میں سب سے شتم ہی نہیں، ان کو منافق، کافر، زندیق اور مرتد قرار دینے والے وہ فتوے ہیں جو کسی بد سے بدتر کافر و زندیق کے بارے میں ہی صادر کیے جاسکتے ہیں۔

اسی ضمن میں آپ نے اثنا عشری مذہب کے دو اہم اصولوں اخفاء و کتمان

(رازداری) اور تقیہ کے بارے میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں جو اسلام کو ایک ایسے نظام تربیت کی شکل میں پیش کرتی ہیں جو اپنے ہر پر و کو ذیل قسم کے نفاق، عیاری و مکاری اور بزدلی و روباہی سکھاتا ہے۔

پھر عقیدہ امامت ہی کے لوازم و نتائج میں سے ایک اہم عقیدہ عقیدہ رجبت کے بارے میں بھی آپ نے پڑھا، خدا را سوچا جائے کیا اس کا اسلام کے ساتھ کوئی جوڑ ہے؟

نیز امام غائب کی پیدائش، فیصوبت اور پھر ظہور کے بارے میں وہ دیو مالائی کہانیاں بھی پڑھیں جن سے اُس صاف، مطلق عقل و فطرت، اور نکھرے ہوئے اسلام کی جگہ جس کی دعوت تعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ایک عجیب و غریب اساطیری و طلسماتی دین نکا ہوں کے سامنے آتا ہے جو اوہام و خرافات میں گھڑ کہانیوں، اور بے سُر پار وایات سے مرکب کسی دوسرے دیو مالائی مذہب سے کم نہیں۔ پھر اشاعری مذہب کے کچھ اور عقائد و مسائل کے ضمن میں بعض شرمناک مسائل اور متہ کے بارے میں آپ جو تفصیلات پڑھیں جن کا پڑھنا یقیناً آپ کے ذوق پر بہت گراں گزرا ہوگا، اور ناچیز کا قلم بھی جس کے لکھنے سے بار بار رکا، لیکن بالآخر یہ سوچ کہ اشاعری مذہب کے تعارف میں بڑی کمی اس کے بغیر رہ جائے گی، مجبوراً اسے لکھا۔

اب یہ راقم الحروف اپنے ان تمام بھائیوں اور عزیزوں سے، خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، اور کسی بھی حلقے یا مکتب فکر سے ان کا تعلق ہو، محض لوجہ اللہ نیاز مندانه اور مخلصانہ طور پر عرض کرتا ہے کہ ایرانی انقلاب اور اسکے قائد آیت اللہ روح اللہ خمینی جن کا وہ افکار اور ان کے مسلک اشاعری کے متعلق وہ حقائق معلوم ہونے کے بعد تفصیل کے ساتھ کتاب میں عرض کیے گئے اور جن کا خلاصہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، آپ اس مسئلہ پر اندر سر نو غور

فرمائیں۔ جب تک حقائق کا علم تفصیلی نہیں ہوتا مسئلہ کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے، لیکن علم ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میر جن بھائیوں نے خاص کرامت اسلامیہ کے ان عزیز نوجوانوں نے جو مدت دراز کے جوہر و عطل سے اکتا گئے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کی ذلت اور اسلام کو سر بلند دیکھنے کے لیے بے چین و بے قراریں، محض اسلامی حقیقت اور غلبہ اسلام کی امید سے ایرانی انقلاب اور اس کے قائد جناب خلیفہ صاحب کا استقبال سرگرم تائید و محبت سے کیا تھا، اب وہ اپنے اس رویہ پر ایک سچے خدا پرست مسلمان کی طرح نظر ثانی کریں گے۔

بلاشبہ اس بابے میں ان جماعتوں، تنظیموں اور ان کے اخبارات و رسائل کی ذمہ داری دوچند ہے جن سے اس بابے میں حقائق سے ناواقفی ہی کی وجہ سے غلطی ہوئی۔ امید ہے کہ یہ حضرات اس غلطی کی اصلاح و تلافی اور امت مسلمہ کے عام افراد پر پڑنے والے اس کے اثرات کے ازالہ کی کسی کوشش سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

قرآن مجید کے بالکل آغاز میں اور اس کے بعد بھی جابجا غلطی اور غلط کام کرنے والے دو کرداروں کا ذکر ہماری رہنمائی اور سبق آموزی کے لیے کیا گیا ہے۔ ایک ابلیس کا کہ اُس نے بھی ایک غلط کام کیا حکم الہی کی نافرمانی کی، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ اور باز پرس کے بعد بھی اس نے غلطی سے رجوع اور توبہ مستغفرا کے ذریعہ تلافی کی کوشش نہیں کی بلکہ غلطی کی تاویل و توجیہ کر کے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسرا کردار ہمارے ابوالآبار حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے بھی ایک غلطی اور بظاہر اللہ کے ایک حکم کی نافرمانی ہوئی، لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلطی پر متنبہ کیا گیا تو انھوں نے اپنی غلطی کی کوئی تاویل نہیں کی بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر کے عرض کیا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنْ كُونَنَّ

من الخسرين ۵ پھر قرآن پاک میں دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملہ اور انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

بہر حال ہمارے جن بھائیوں سے خمینی صاحب کے بارے میں غلطی ہوئی (جو یقیناً سنگین غلطی تھی) اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ سیدنا آدم علیہ السلام کی سنت کو اپنائیں اور رب کریم کی مغفرت و رحمت اور جنت کے مستحق ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز راقم سطور کو بھی ہمیشہ اپنے قصودوں کے احساس و اعتراف اور توبہ استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ و یتوب اللہ علی من تاب

حضرات علمائے کرام کی خدمت میں

اس کتاب میں آپ نے شیخ اشاعری کی مستذہبن کتابوں اور ان کے مسلم علماء و مجتہدین کی واضح تہریجات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا کہ ان کے اساسی عقیدہ امامت کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ اس کا درجہ نبوت سے برتر اور ائمہ کا مقام و مرتبہ انبیاء و مرسلین سے بالاتر ہے، اور وہ خداوندی صفات و اختیارات کے بھی حامل ہیں اور یہ کہ حضرت خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقاء سہم اکابر صحابہ منافق، اللہ و رسول کے غدار، جہنمی اور لعنتی ہیں، اور اہل المؤمنین عائشہ و حفصہ منافقہ تھیں، انھوں نے زہر دے کر حضور کو ختم کیا اور قرآن مجید مخفی ہے۔ ان کے علاوہ بھی اشاعری کے جو معتقد آپ کے سامنے آئے امید ہے کہ اس کے بعد آپ اس مذہب اور اس کے پیروؤں کے اسلام سے تعلق کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ فیصلہ فرما سکیں گے۔ آپ دین کے امین ہیں اور زلیخ و ضلال سے امت کی حفاظت آپ کا فریضہ ہے۔ واللہ بقول الحق وھو یدل السبیل ۵

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مُفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	نبی رحمت مکمل
مسلم ملک میں اسلامیت مغربی کی کشمکش	پُرانے سپر اڈا مکمل
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	نقوش اقبال
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام مہلج	ارکانِ اربعہ
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	کاروانِ مدینہ
جب ایمان کی بہارا آئی	قادیانیت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	ذکرِ خیر
معسرۃ ایمان و مادیت	تعمیر انسانیت
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں	طبع بالہل دل
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح	حدیث پاکستان
مغرب کے کچھ صاف صاف باتیں	پاجا سراج زندگی
ترکیہ و احسان یا تصوف و سلوک	اصلاحیات

۱۔ مشر۔ فضل ربی ندوی — فون۔ ۶۱۱۸۱۷

مجلسِ نشریاتِ اسلام، ناظم آباد مینشن۔ ۱۔ کے۔ ۲۔ ناظم آباد کراچی ۱۸

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی تحریری اجازت سے شائع کی جا رہی ہے

ایرانی انقلاب

از
مولانا محمد منظور نعمانی

مقدمہ
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی



حاجی عارفین اکیڈمی کراچی

مجلس نشریات اسلام
۱/کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن کراچی ۱۸
نزد درختانہ۔ ناظم آباد

یہ کتاب اکابر و مشاہیر کی نظر میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

..... اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی یہ فاضلانہ اور محققانہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں مذہبِ شیعہ کی مستند تاریخ، اس کے عقائد و مسلمات کا آئینہ، اہلِ عفتِ اہلِ علم کی تحلیلی تجزیہ ان کے نتائج کا استخراج، کتابتِ سنت اور متفقہ تاریخ سے ان کا موازنہ اور عفتِ اسلامی پر ان کے اثرات کی پوری بحث آگئی ہے، خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتبِ شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہو گیا ہے جو کتبِ کتابوں میں ہو گا۔ اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع، پُر از معلومات اور گزشتہ کتاب بن گئی۔ جس کے مطالعہ سے ہر صاحبِ انصاف، شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدہ تحریف کے خطرناک نتائج اور سلام و سلیم اولیٰ کے بارے میں اس خطرناک بے اعتناوی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو عقائد ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عین اور وسیع نہیں ہے اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں۔

(ماخوذ از مقدمہ)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

..... اللہ تعالیٰ جنہیں خیر عطا فرمائے ہمارے برادر محترم مولانا محمد منظور نعمانی کو کہ انھوں نے نہایت محنت اور جہاں نشانی سے ان کتبوں کا براہِ راست مطالعہ کیا جو خود علامہ خمینی کے قلم کی رہیں منت ہیں۔ اور اس دقیق اور عین و وسیع مطالعہ کے نتائج صاف اور شستہ زبان میں نہایت سنجیدگی اور قناعت کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کی گزشتہ چند اشاعتوں میں شائع کر دیے ہیں۔

میں نے مولانا کے یہ مقالات بڑی دل چسپی سے از اول تا آخر پڑھے اور اب میں یہ مسلمان کہتا ہوں کہ ایرانی انقلاب یا موجودہ ایرانی حکومت کے متعلق میں نے اب تک سب کچھ لکھا ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

مولانا کے یہ مضامین اس درجہ اہم اور بصیرت افروز ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان ان سے اختلاف کی جرأت کر سکتا ہے۔

(ماہنامہ برہان، اہل بیت، ماہ اکتوبر ۱۳۸۶ھ)

(یہ مضامین جن کا مولانا اکبر آبادی نے، ان سطور میں حوالہ دیا ہے، اس کتاب کا ابتدائی حصہ ہیں۔)